انتخاب

مراثیِ دبیر

مقدمہ و انتخاب

سید تقی عابدی

انتخابِ مراثیِ دبیر

انتخابِ مراثیِ دبیر

مقدمہ و انتخاب

سید تقی عابدی

ساہتیہ اکادمی

Intekhab-e Marasi-e Dabir : An anthology of Mirza Salamat Ali Dabir's Marasi, Salaam and Rubaiyat in Urdu, compiled and edited by Syed Taqi Abedi. Sahitya Akademi, New Delhi (2013), Rs. 180.

© ساہتیہ اکادمی

پہلا ایڈیشن : 2013

ساہتیہ اکادمی

ہیڈ آفس :

رویندر بھون، 35 فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی 110001

سیلس آفس : 'سواتی'، مندر مارگ، نئی دہلی 110001

علاقائی دفاتر :

4 ڈی ایل خاں روڈ، کلکتہ 700025

172، ممبئی مراٹھی سنگھرالے مارگ، دادر، ممبئی 400014

سینٹرل کالج کیمپس، ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر ویدھی، بنگلور 560001

مین بلڈنگ، گونا بلڈنگس (دوسری منزل)، 443(304)، انا سلائی، تینم پیٹ، چینئی 600018

قیمت : 180 روپے

P.330

ISBN 978-81-260-4167-1

Website : http://www.sahitya-akademi.gov.in

طابع : وکاس کمپیوٹر اینڈ پرنٹرس، دہلی

فہرست

مقدمہ

سید تقی عابدی 9

مرزا دبیر کی حیات اور فن کا اجمالی جائزہ " " 22

مرثیے

1 طغرا نویس کن فیکوں ذوالجلال ہے 45

2 بلقیس پاسباں ہے یہ کس کی جناب ہے 59

3 ہم ہیں وطن میں اور طبیعت سفر میں ہے 79

4 آمد خزاں کی گلشن خیر الورا پہ ہے 100

5 کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے 120

6 سرعلم سرورؑ اکرم ہوا طالع 148

7 مصروف نگہداشت شہنشاہِ قلم ہے 163

8 معراج سخن کو ہے مرے ذہن رسا سے 191

9 جب ماہ نے نوافل شب کو ادا کیا 215

10 بانو کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے 245

11 جب پریشاں ہوئی مولا کی جماعت رن میں 258

12 چہلم جو کربلا میں بہتر کا ہو چکا 267

13 گلگونۂ رخسار فلک گرد ہے ان کی 280

14 قید خانے میں طلاطم ہے کہ ہند آتی ہے 304

15 جب داغ بیکسی نہ سکینہ اٹھا سکی 317

سلام

1	مدحِ علیؑ میں ہے یہ بلندی کلام کی	44
2	اے مجرئی جو اشک مری چشم تر میں ہے	58
3	سلامی ذرّہ نہ دوں آفتاب کے بدلے	78
4	سردارؑ وعلم دارؑ کا مجرائی کو غم ہے	98
5	مجرئی ہے سوگوارِ ماہِ حیدر چاندنی	119
6	مسطور اگر کمال ہو سروِ امامؑ کا	146
7	مُجرا اُسے مدام جو راہِ رضا میں تھا	162
8	ہے عکسِ گیسوے رُخِ اکبرؑ کہاں کہاں	190
9	پیروِ شہِ بے سر کا ازل سے جو قلم ہے	214
10	مجرئی گلچین قضا شبیرؑ کے گلشن میں ہے	244
11	مجرئی جب کہ چڑھا شاہؑ کا سر نیزے پر	257
12	اربعیں کے سوگوارو الوداع	266
13	مجرئی یادِ حق ہے یادِ علیؑ	279
14	نام پر شاہؑ کے پانی جو پلا دیتے ہیں	303
15	مجرئی دامن میں لی جب کربلا کے بن کی خاک	316

رباعیات

1	حیدرؑ نے ہر اقلیم کو تسخیر کیا	43
2	کہنے کو اذان کے دین سب ملتا ہے	43
3	کیا قامت زہراؑ و علیؑ زیبا ہیں	57
4	''ح'' نام میں ہے حق کی حمایت کے لیے	57
5	قطرے کو گہر کی آبرو دیتا ہے	77
6	یا رب جبروتی تجھے زیبندہ ہے	77
7	کیا روئے پیمبرؐ نے ضیا پائی ہے	97
8	آدم نے شرف خیرِ بشر سے پایا	97
9	یوں دانے بھی آسیا میں کم پستے ہیں	118
10	دنیا کا عجب کارخانہ دیکھا	118
11	مدّاح ہوا موردِ امدادِ رسولؐ	145
12	گر مہرِ امامؑ دوسرا حاصل ہو	145
13	ہمسر نجف پاک کا کب عرش ہوا	161
14	کیا نفع جو متقی و پرہیزی ہے	161
15	افسوس مری قدر نہ جاہل سمجھے	189
16	ہے رزم وسراپا تو زباں اور ہی ہے	189
17	ناداں کہوں دل کو کہ خردمند کہوں	213
18	ادنیٰ سے جو سر جھکائے اعلیٰ وہ ہے	213
19	دنیا زنداں ہے جائے آرام نہیں	243
20	بالائے زمیں زندوں کی تعمیریں ہیں	243

21	تائید خدا ہے باغِ گلچیں ہم ہیں	256
22	یہ لفظ یہ معنی معیں دیکھتے ہیں	256
23	تائید کا پنجتن سے میں طالب ہوں	265
24	ہاں بلبل سدرہ شورِ تحسیں ہو جائے	265
25	بن ٹھن کے ہزار بار آئی دنیا	278
26	ہر شام کو خورشید کہاں جاتا ہے	278
27	شیرانِ مضامیں کو کہاں بند کروں	302
28	جو علمِ معانی و بیاں کو سمجھے	302
29	گنجینہ جسے رب ہدا دیتا ہے	315
30	رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے	315
	کتابیات	328

○

مقدمہ

مرثیہ کی مختلف تعریفوں میں ایک مختصر تعریف یہ بھی ہے کہ یہ وہ نظم ہے جس میں غزل کا تغزل، قصیدہ کی طمطراقت، رباعی کی تاثیر، مثنوی کا تسلسل کے ساتھ ساتھ ناول نگاری، ڈرامہ نگاری کے عناصر اور حکایات و روایات وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ کلاسیک مرثیے کے جو مختلف حصے ہوتے ہیں وہ مختلف رنگِ سخن سے رنگے ہوتے ہیں اور مرثیہ نگار چہرہ، رخصت، سراپا، آمد، رجز، لڑائی، شہادت اور بین کے مضامین کو مختلف رنگوں میں باندھتا ہے۔

مرزا دبیر نے مرثیوں کے چہرے بہت کمال کے لکھے ہیں اور شاید ہی کوئی دوسرا مرثیہ نگار دبیر کے مرثیوں کے چہروں کا جواب پیش کر سکے گا۔ چہرہ مرثیہ کا تمہیدی حصہ ہے جس کا مرثیے کے موضوع سے تعلق ضروری نہیں۔ یہاں شاعر کسی بھی موضوع کو مرثیہ کا چہرہ بنا سکتا ہے۔ دبیر نے چہرہ نگاری میں قادر الکلامی، خیال آفرینی، ایجاد مضامین اور صنائع بدائع کے استفادہ میں بڑا کمال دکھایا ہے جو ان کی زور طبیعت کا نتیجہ تھا۔ چہروں میں اشاروں کے ذریعے یا مطلعوں میں صنعت براعت استہلال کو برت کر قاری اور سامع کو مرثیہ کے حال سے آگاہ کر دینا بھی دبیر کا کرشمہ ہے۔ دبیر کے مرثیوں کے چہروں میں حمد، مناجات، نعت، منقبت، علمائے کرام کی مدح، توصیف عزا، منظر کشی، طلوع سحر و شام، مجلس، علم اور درجنوں جدید موضوعات شامل ہیں۔

چنانچہ ڈاکٹر ایس اے صدیقی کا دبیر کے چہروں پر یہ بیان ارباب فکر و نظر سے انصاف کا طالب ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''بہر حال دبیر کے یہاں ''چہرے'' کی ان مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے یہاں چہرے کے موضوعات بہت محدود ہیں جو دراصل من حیث المجموع

اردو مرثیے میں چہرے کے محدود موضوعات ہیں...... اس ناکامی کا بڑا سبب یہ ہے کہ دبیر نے چہرے کے موضوعات کو اپنے مذاقِ علمی کے لیے استعمال کیا۔ طلوعِ سحر کو پیش کرنے کے لیے انھوں نے اتنے مضامین صرف کیے ہیں اور تشبیہات و استعارات سے اتنا کام لیا ہے کہ اصل منظر تو غائب ہو جاتا ہے البتہ قاری کو شاعر کے بلند اور پرشکوہ آہنگ اور مبالغہ آرائی سے ضرور مرعوب ہونا پڑتا ہے۔ چہرے میں ایجادِ مضامین کا یہ اثر ہوا ہے کہ چہرہ مسلسل رہنے کے بجائے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔"

راقم صرف دو مرثیوں کے چہرے کے دو چار بند پیش کر رہا ہے جو دبیر کے فن کی عظمت کے لیے کافی ہیں۔

مطلع:

جب سرنگوں ہوا علمِ کہکشانِ شب خورشید کے نشاں نے مٹایا نشانِ شب
تیرِ شہاب سے ہوئی خالی کمانِ شب تانی نہ پھر شعاعِ قمر نے سنانِ شب
آئی جو صبح زیورِ جنگی سنوار کے
شب نے زرہ ستاروں کی رکھ دی اتار کے

شمشیرِ مشرقی جو چڑھی چرخ پر شتاب پھر تیغِ مغربی نے دکھائی نہ آب و تاب
تھا بس کہ گرم خنجرِ بیضائے آفتاب باقی رہا نہ چشمۂ نیلوفری میں آب
محتاج ماہتاب ہوا آب و تاب کا
باغِ جہاں میں پھول کھلا آفتاب کا

مطلع:

خورشید نے برہم جو کیا دفترِ انجم سالارِ قمر لے کے چلا لشکرِ انجم
ذرّوں کو تجلّی نے کیا ہمسرِ انجم زائل صدفِ شب سے ہوئے گوہرِ انجم
انگشتریِ عرش کا خورشید نگیں تھا
کیا خوب نگیں تھا کہ جہاں زیرِ نگیں تھا

منشیِ سحر مہر سے لے کر قلم زر　لکھنے لگا معزولی و منصوبیِ لشکر
فروسیۂ شب کو کیا خارج دفتر　منصوب ہوا عاملِ روز اپنی جگہ پر
چہرہ نہ رہا لشکر انجم میں کسی کا
پروانہ چراغوں کو ملا برطرفی کا

مریخ فلک مہر کا روکش ہوا ناگاہ　توسن فلک اور اسلحہ جنگ بھی دلخواہ
انجم کی زرہ نیزۂ عقرب سپر ماہ　پر خنجر خورشید نے کیا جلوہ کیا واہ
جلادِ ملک قرصِ قمر چھوڑ کے بھاگا
خورشید کی دہشت سے سپر چھوڑ کے بھاگا

اوراق فلک خطِ شعاعی سے محشا　اطباقِ زمیں غیرتِ اوراق مطلا
تھی سورۂ والفجر کی تفسیر ہر ایک جا　معنی جعل الشمس ضیا کے ہویدا
دنیا میں نہ ظلمت شبِ یلدا کی رہی تھی
پر ایک سیاہی رخِ اعدا کی رہی تھی

ان موضوعات اور مضامین سے دبیر کی طبیعت میں موجود فراوانِ ایجاد کے عناصر کا پتہ چلتا ہے۔ اس لیے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ دبیریت میں قادرالکلامی اور مشکل بیانی کے ساتھ ساتھ رثائیت، جوشِ مدح اور نئے نئے مضامین کا جوش و خروش موجود ہے۔ دبیر کے مرثیہ کا چہرہ سودا کے قصیدے کی یاد تازہ کرتا ہے جس میں میر کی غزل کا تغزل بھی موجود ہے۔ کہیں نفسیات کی بلاغت کا اظہار ہے:

گوشہ چادر کا اگر سر سے سرک جاتا ہے
ننگے سر کوفہ میں پھرنا اسے یاد آتا ہے

کہیں کسی لفظ کی تکرار سے شادی و غم، وقار اور عظمت کا بھی اقرار نمایاں ہوتا ہے۔ اس ذیل کے بند میں 'کس' کی تکرار اور 'آبرو' کی ردیف کی کرشمہ سازی دیکھیے:

کس کی زباں سے پیاس نے پائی ہے آبرو
کس تشنہ لب کے حصے میں آئی ہے آبرو

ایمان کس شہید پہ لائی ہے آبرو
دریا میں کس کے غم کی سمائی ہے آبرو
پیلسا ہوا ہے کون عزیزوں سے چھوٹ کر
روتے ہیں یہ حباب کسے پھوٹ پھوٹ کر

مرثیہ کی جان رثایت ہے اور دبیر رثائی مضامین لکھنے میں تائید غیبی کے حامل معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہی رثایت دبیریت کی شناخت بھی کہلائی۔ منشی اسمٰعیل حسین منیر شکوہ آبادی، ''سنان دل خراش'' میں لکھتے ہیں۔ آتش مرحوم نے جب مرزا دبیر کا مرثیہ ''کوہ رقیم پر جو علیؑ کا گزر ہوا'' سنا تو سرِ مجلس بعض مقامات پر دوران مرثیہ پکار پکار کر کہہ اٹھے کہ ''ارے میاں اگر ایسے مضامین کہوگے تو تم مرجاؤگے یا خون تھوکوگے۔'' مرزا غالب نے دبیر کی اسی رثایت، قادرالکلامی اور معنی آفرینی سے متاثر ہوکر کہا تھا۔ ''یہ کام مرزا دبیر کا ہے دوسرا اس راہ میں قدم نہیں رکھ سکتا۔''

علامہ شبلی کے پاس متضاد بیانات اور کنفیوشن ہے۔ ایک مقام پر ذیل کے بند بیان کرکے کہتے ہیں۔

میر انیس صاحب نے بھی مختلف مرثیوں میں یہ واقعہ لکھا ہے۔ لیکن مرزا دبیر صاحب نے اس واقعہ کے بیان میں جو بلاغت صرف کی ہے اور جو دردانگیز سماں دکھایا ہے کسی سے آج تک نہ ہوسکا۔ فرماتے ہیں:

ہراک قدم پہ سوچتے تھے سبط مصطفےٰ لے تو چلا ہوں فوجِ عمر سے کہوں گا کیا
نہ مانگنا ہی آتا ہے مجھ کو نہ التجا منت بھی گر کروں گا تو کیا دیں گے وہ بھلا
پانی کے واسطے نہ سنیں گے عدو مری
پیاسے کی جان جائے گی اور آبرو مری

پہنچے قریب فوج تو گھبرا کے رہ گئے چاہا کریں سوال پہ شرما کے رہ گئے
غیرت سے رنگ فق ہوا تھرا کے رہ گئے چادر پسر کے چہرے سے سرکا کے رہ گئے
آنکھیں جھکا کے بولے کہ یہ ہم کو لائے ہیں
اصغرؑ تمھارے پاس غرض لے کے آئے ہیں

شبلی دوسرے مقام پر کہتے ہیں۔ دبیر کے کلام کو فصاحت و بلاغت چھو بھی نہیں گئی۔ میر انیس کی طرح مرزا دبیر کے پاس حسب مراتب کی رعایت بدرجہ اتم موجود ہے۔ یہاں مکالمہ نگاری کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ بات کرنے والوں کی نسبت کیا ہے۔ اخلاق نگاری کچھ اس انداز میں کی گئی ہے کہ مدح کے ساتھ اس کی تقلید کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ دبیر کے پاس مضامین میں سوز و گداز کے ساتھ جوش و خروش بھی ہے۔ حسب مراتب اور مدح کا توازن دیکھیے:

حضور ختمی مرتبت:

وہ کون رسولِ جز و کل، خطبۂ ایماں
سرتاج فصیحانِ عرب، آیۂ قرآں
جانے وہ شرف ان کا جو قرآن کو جانے
قرآن سے اوّل انھیں بھیجا ہے خدا نے

حضرت علیؑ:

وہ کون سا بندہ ہے جو ہمنام خدا ہے
ممکن ہے مگر عالمِ امکاں سے جدا ہے

حضرت فاطمہؑ:

شانِ خدا ہے صل علیٰ شان فاطمہؑ
حیدرؑ کی جا نماز ہے دامانِ فاطمہؑ

حضرت عباسؑ کی آمد کا جوش و خروش دیکھیے:

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے رستم کا جگر زیر کفن کانپ رہا ہے
ہر قصرِ سلاطین زمن کانپ رہا ہے سب ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو
جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

حالی کا مسدس ہو یا اقبال کا شکوہ۔ جوش کا مرثیہ ہو یا ترقی پسند شعرا کی نظمیں، ان سب

میں دبیر کے سخن کی گھن گرج سنائی دیتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دبیر کی زبان کے قادر الکلام الفاظ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں تبدیل ہوگئے ہیں لیکن لہجہ کا ابھار اور خیال کا چڑھاؤ یہ بتاتا ہے کہ شاعر نے دبیر اور دیگر مرثیہ نگاروں سے استفادہ کیا ہے۔

شاہوں کا چراغ آتے ہی گل کردیا ہم نے ہر جا عمل ختم رسل کردیا ہم نے
خندق میں در قلعہ کو پُل کردیا ہم نے اک جزو تھا کلمہؑ اُسے کل کردیا ہم نے
دھوکا نہ ہو یہ سب شرفِ شیر خدا ہیں
پھر وہ نہ جدا ہم سے نہ ہم اُن سے جدا ہیں

یہ سچ ہے کہ دبیر نے زبان کی پاکیزگی، بندش کی چستی اور شعری محاسن پر بہت زور طبع صرف کیا اسی لیے ان کا انداز بیان باوقار اور پُرشکوہ رہا۔ دبیر کے کلام میں محاورات کی فراوانی، ضرب المثل کی ارزانی اور لفظوں کی قادر الکلامی ہے۔ مرثیہ کو کہیں سے بھی پڑھیے نئے مضامین، نئی نئی ترکیبیں، بندشیں، صنعتیں اور نادر تشبیہیں اور استعارے قرطاس کلام پر تاروں کی طرح درخشاں نظر آئیں گے۔ ہم تحریر کی طوالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف استعاراتی نظام کو دبیر کے ایک مرثیے میں پیش کریں گے کہ ایسی دوسری نظم اردو ادب میں موجود نہیں۔

استعارہ علم بیان کا اہم جزو ہے۔ استعارہ کا معنی ادھار لینا ہے۔ ارسطو کے قول کے مطابق استعارہ کلام کی صفائی کی کنجی اور کلام کی شگفتگی کی ضمانت ہے۔ مشہور شاعر طالب آملی کہتے ہیں۔ ''جس شعر میں استعارہ نہیں ہوتا وہ شعر بے مزہ ہوتا ہے۔'' تشبیہ اور استعارہ ایک ہی خاندان سے ہیں۔ لیکن دونوں میں بہت فرق ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ یہ جوان شیر جیسا ہے تو یہ تشبیہ ہے، اور جب ہم نے کہا کہ یہ جوان شیر ہے تو وہ استعارہ بن گیا۔ ہم نے یہاں شیر کی طاقت کو مستعار یا ادھار لیا۔ اگرچہ تشبیہ میں بھی طاقت کا جوہر مثال کے طور پر لیا جاتا ہے، لیکن تشبیہ استعارہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہوئے بھی استعارہ کے مقابل ہیچ ہے۔

بڑے شاعر کی شناخت استعارہ کا صحیح اور عمدہ استعمال ہے۔ بڑا شاعر ہر معمولی حرف

کو بھی عظیم استعارے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ وہ ان لفظوں کو شعر میں باندھ کر ایک استعاراتی نظام قائم کرتا ہے۔ غزل کے شعر میں استعاراتی نظام نسبتاً آسان ہے، کیونکہ مطلب اور معنی آفرینی کی حدیں بے کراں ہوتے ہوئے بھی ہیئتی لحاظ سے عموماً دو مصرعوں سے آگے نہیں بڑھ سکتی، جب کہ نظم مسلسل میں استعاراتی نظام قادر الکلامی اور استادی مہارت کی سند مانگتا ہے، اور اس لیے بہت سے تخلیق نگار اسے عمدگی سے نبھا نہیں سکتے اور ان ناکام تجربوں کے نمونے کئی شاعروں کے انبارِ سخن میں ملتے ہیں۔ ہم یہاں دبیر کے ایک مختصر اور معروف مرثیہ ''جب پریشاں ہوئی مولاؑ کی جماعت رن میں'' پیش کرتے ہیں جو استعاراتی نظام کی عمدہ مثال ہے، اس پینتیس بند کے مرثیے میں مرزا دبیر نے ایک دو نہیں بلکہ چھ استعاراتی نظاموں کو مرثیہ میں داخل کر کے ان کا سلسلہ اس طرح برقرار کیا ہے کہ قاری یا سامع کا ذہن ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوتا بلکہ استعاراتی نظام کے ساتھ تصوراتی نظام بھی سہ بعدی یا تھری ڈائی مَنشنل صورت میں آشکار ہوتا ہے۔ یہ مرثیہ 'جب' سے شروع ہوتا ہے۔ مرزا دبیر کے تقریباً اسی (80) کے قریب مراثی لفظ 'جب' سے شروع ہوتے ہیں جو قرآنی آیات 'اذا' کی نقل ہے۔ یہاں سامعین کے ذہن کو شاعر لفظ 'جب' سے جھنجھوڑ کر فوراً کربلا کے میدان میں لاتا ہے۔ ہم یہاں صرف مرثیہ کے چار پہلے بندوں کے اشعار سے پیوستہ استعاراتی نظام کو بیان کریں گے۔

پہلا بند:

جب پریشاں ہوئی مولاؑ کی جماعت رن میں   ہر نمازی کو پسند آئی اقامت رن میں
قبلۂ دیں نے کیا قصدِ عبادت رن میں   شکلِ محراب بنی تیغِ شہادت رن میں
غُل ہوا اس کو امامِ دوجہاں کہتے ہیں
تیغوں کے سائے میں شبیرؑ اذاں کہتے ہیں

پہلے مصرعہ ع: ''جب پریشاں ہوئی مولاؑ کی جماعت رن میں'' ایک استعاراتی نظام میں ''مولاؑ''، نمازِ جماعت کا امام ہے، تو دوسرے استعاراتی نظام میں سپہ سالارِ فوج ہے۔ لفظ ''جماعت'' ایک نظام میں نمازِ جماعت ہے تو دوسرے نظام میں لشکر اور فوج کے

معنی میں ہے۔ ''پریشان'' ہونا ایک طرف نمازِ جماعتِ ظہر کا اختتام ہے تو دوسری طرف لشکر کا خاتمہ ہے۔ اس بند کی ردیف ''رن میں''، واقعات کو تصوراتی نظام میں کربلا کے میدانِ کارزار میں جکڑے ہوئے ہے۔

دوسرا مصرعہ ع: ''ہر نمازی کو پسند آئی اقامت رن میں''، میں 'نمازی' ایک استعاراتی نظام میں نماز پڑھنے والے کے معنی میں ہے تو دوسرے نظام میں 'مجاہد' ہے۔ 'اقامت' ایک نظام میں نماز کا رکن ہے تو دوسرے نظام میں قیام برائے جہاد کے معنی میں ہے۔ لفظ 'پسند' ایک معنی میں نماز کی چاہت ہے تو دوسرے معنی میں رضابتِ جنگ و جہاد ہے۔

تیسرا مصرعہ ع: ''قبلۂ دیں نے کیا قصدِ عبادت رن میں'' لفظ 'قبلہ' ایک استعاراتی نظام میں وہ جہت ہے جس کی طرف نماز برگزار کی جاتی ہے 'قبلہ' دوسرے استعاراتی نظام میں شخصیتِ امام حسینؑ ہے جو دین کا مرکز ہے۔ 'قصد' ایک نظام میں نماز کی نیت ہے اور دوسرے نظام میں جہاد کا ارادہ ہے۔ لفظ 'عبادت' سے مراد ایک طرف نماز ہے تو دوسری طرف جہاد ہے۔

چوتھا مصرعہ ع: ''شکلِ محراب بنی تیغِ شہادت رن میں'' ان میں لفظ 'محراب' ایک استعاراتی نظام میں وہ مقام ہے، جس کا امام کھڑا ہو کر نماز پڑھاتا ہے، دوسرے استعاراتی نظام میں محراب کی شکل غازی اور دشمن کی تلواروں کے ملنے سے بنتی ہے۔ 'تیغ' ایک نظام میں زبان اور نطق ہے تو دوسرے نظام میں تلوار اور شمشیر ہے۔ 'شہادت' ایک معنی میں گواہی اشہدان ہے تو دوسرے معنی میں شہ رگ کا کٹنا ہے۔

آپ نے ملاحظہ کیا، دو استعاراتی نظام مسلسل پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں لیکن ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں، بالکل اسی طرح جیسے کہکشاں میں نظامِ شمسی کے علاوہ سیکڑوں دوسرے نظام کے سیارے اپنے اپنے مدار پر گھوم رہے ہیں، لیکن ایک دوسرے سے نہیں ٹکراتے۔ اس بند کے ٹیپ کے شعر میں تیسرا استعاراتی نظام برقرار کیا جا رہا ہے۔

غُل ہوا اس کو امامِ دو جہاں کہتے ہیں
تیغوں کے سائے میں شبیرؑ اذاں کہتے ہیں

ابھی تک دونوں استعاراتی نظام خاکِ کربلا یعنی فرشِ زمین پر ظاہر ہو رہے تھے لیکن اب تیسرے استعاراتی نظام سے عرش والے شامل ہو گئے۔

اس ٹیپ کے شعر کے پہلے مصرعہ میں لفظ 'غُل' سے مراد لبیک کی آوازیں ہیں، اقرار ہے، اطمینان ہے، تو دوسرے استعاراتی نظام میں ملک کی صفوں کی بے قراری ہے۔ 'امامِ دو جہاں' ایک طرف زمین والوں کے لیے عبادت اور جانبازی کا دنیا و آخرت کا توشہ ہے۔ 'امامِ دو جہاں' دوسری طرف عرش والوں کے لیے مدد اور نصرت کا فریضہ ہے، جو خوشنودیٔ خدا ہے۔ 'تیغوں کا سایہ' ایک طرف وہ انصارِ باوفا ہیں جو وقتِ نماز تلواروں کو ہاتھ میں لیے تیروں کو سینے سے روک رہے ہیں 'تیغوں کا سایہ' دوسری طرف وہ حملہ ہے جس میں امام حسینؑ اپنی آخری حجت کو دشمن کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ لفظ 'اذان' ایک معنی میں نماز کا رکن 'حی علی الفلاح' ہے، لفظ 'اذان' دوسرے معنی میں جہاد کا نعرہ ''اللہ اکبر'' ہے۔

یعنی یہاں دوسرے مصرعہ میں پھر دونوں استعاراتی نظام نمودار ہوئے لیکن تیسرا استعاراتی نظام جس میں عرش والے شامل ہوئے، اب دوسرے بند کے ساتھ پیوست ہوگا، کیونکہ امام حسینؑ فرش اور عرش کے مکینوں کے امامؑ ہیں، ان پر امامؑ کی اطاعت اور حفاظت فرض ہے لیکن ان کے اختیارات خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ بنی نوع انسان کی طرح آزاد نہیں۔

دوسرا بند:

ملتجی حق سے ہوئے حاملِ عرشِ اعظم — کربلا جانے کا فرماں ہو الٰہی اس دم
تا شریکِ شہِ تنہا ہوں عبادت میں ہم — سب صفیں باندھیں پسِ پشتِ امامؑ اکرم

آج تک ہم کیا عرشِ عُلا پر سجدہ
اب سوئے کعبہ کریں خاکِ شفا پر سجدہ

دوسرے بند کے مصرعہ اول میں دبیر ایک عمدہ مضمون کی بنیاد رکھ رہے ہیں جو آگے چل کر اسی بند کے آخری مصرعہ پر کھلے گا۔ حاملِ عرش اعظم ایک طرف ملائکہ ہیں تو دوسری

طرف رئیس ملک جبریل ہیں۔

ع: ''کربلا جائے کا فرماں ہوا الٰہی اس دم''

'کربلا' یہاں پورے استعارہ میں پیش ہوا، جس کی تفصیل پروفیسر گوپی چند نارنگ کی شاہکار تصنیف سانحہ کربلا بطور استعارہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس مصرعہ میں پھر لفظِ 'فرمان' سے اس بات کی تاکید لازم ہے کہ عرش والے پورے طور پر ہر فعل میں تحتِ فرمانِ ایزدی ہیں۔

ع: ''تا شریکِ شہِ تنہا ہوں عبادت میں ہم''

'شہِ تنہا' یہاں پہلے کے استعاراتی نظاموں سے منسلک ہورہا ہے۔ 'شریک' ایک نظام میں نماز کی صفوں میں شامل ہونے کے ہیں تو دوسری طرف جہاد میں مددگاری کے ہیں۔ 'عبادت' ایک معنی میں نماز ہے تو دوسرے معنی میں جہاد ہے۔

ع : ''سب صفیں باندھیں پسِ پشتِ امامِ اکرم''

'صفیں' ایک نظام میں نماز کی صفیں ہیں تو دوسری طرف لشکر کی صف آرائی ہے۔ 'پسِ پشت' سے مراد ایک جگہ پردوں میں ہے تو دوسری طرف پیچھے رہنے کے ہیں۔ ٹیپ کا شعر:

آج تک ہم نے کیا عرش عُلا پر سجدہ
اب سوئے کعبہ کریں خاکِ شفا پر سجدہ

اس شعر میں سجدہ کی ردیف سے مراد اطاعت اور جاں نثاری ہے۔ واقعۂ کربلا کے بعد شہیدوں کا خون خاکِ کربلا میں شامل ہوگیا، اور یہ خاک اکسیر میں خاکِ شفا، اور خاکِ شفاعت ہوگئی اس کی قدر و منزلت اب عرشِ علا سے بڑھ گئی۔ اسی لیے ملائک اب خاکِ شفا پر جبینِ نیاز رکھ کر سجدہ کریں گے تاکہ خونِ شہدا کی خوشبو اور عظمت سے سجدہ معلّیٰ ہوجائے۔ خاکِ شفا ایک معنی میں شفایاب ہونے کی تاثیر رکھتی ہے تو دوسرے معنی میں اس کے توسط سے شفاعت بھی حاصل ہوسکتی ہے۔

'کعبہ' ایک استعاراتی نظام میں وہ قبلہ اور جہت ہے جس سمت نماز پڑھی جاتی ہے، تو دوسرے معنی میں وہ مرکزِ دنیا ہی نہیں بلکہ مرکزِ کائنات ہے جس کی طرف اب ملائک بھی سجدہ کریں گے کیونکہ توقیرِ زمیں اور عظمتِ خاک بڑھ چکی ہے۔

جب فرشتوں نے امام مظلوم کو تنہا مصیبت میں دیکھ کر التجا کی کہ کربلا جانے کا حکم دیا جائے تو جواب دیا گیا، تم کون ہو؟

قدر داں اس کا میں ہوں میرا شناسا یہ ہے
کیوں نہ ہو میرے محمدؐ کا نواسا یہ ہے

اس شعر میں لفظ 'میرے محمدؐ' میں خاص ربطِ عشق ہے۔ حبیبؐ کا نواسہ ہے اسی لیے میں اس کا قدر داں ہوں اور یہ میرا جانا پہچانا ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہاں ان استعاراتی نظاموں کو برقرار رکھتے ہوئے ایک عشقی استعاراتی نظام کا در کھلتا ہے، جس کا ہر لفظ ایک عشق کی کتاب کا دفتر معلوم ہوتا ہے۔

میرے عاشق تہ شمشیرِ دعا کرتے ہیں
یہ وہ طاعت ہے کہ تنہا ہی ادا کرتے ہیں
صادق الوعدہ یونہی وعدہ وفا کرتے ہیں
سر قلم ہوتا ہے اور شکرِ خدا کرتے ہیں

پہلے مصرعہ کے لفظ 'وہ' لفظ میں دبیر نے دنیا بھر کی وسعت بھردی ہے۔ عظیم شاعر کی ایک شناخت یہ بھی ہے کہ جس لفظ سے جیسا چاہے کام لیتا ہے۔ یہاں معمولی لفظ کے کاندھوں پر پہاڑوں کا وزن رکھ دیا گیا ہے۔ یعنی وہ جس کا راز صرف مشیتِ الٰہی جان سکتی ہے۔ 'طاعت' ایک نظام میں نماز ہے اور دوسرے میں شہ رگ کا کٹوانا ہے۔

اب نماز جماعت نہیں کیونکہ جماعت ختم ہوچکی ہے۔ اب جہاد نہیں کیونکہ لشکر تمام ہوگیا ہے۔ اب منزلِ شہادت عظمیٰ ہے، اب عاشق و معشوق کا معاملہ ہے، اب خلوت اور تنہائی چاہیے، اب نفسِ مطمئنہ کو سرورِ قلب ملے گا۔ یہاں لفظ 'ادا' یعنی یہ ایک قرض تھا یہ فرض بھی تھا جس کو حسینؑ تنہا ادا کررہے تھے۔

دوسرا مصرعہ ع: ''میرے عاشق تہہ شمشیر دعا کرتے ہیں۔''

اس مصرعہ میں عاشق، تہہ شمشیر اور دعا کے الفاظ مکمل استعاراتی نظام کے ایسے سیارے ہیں جو اپنے معنی رکھتے ہوئے بھی مستعار معانی میں نمودار ہوئے ہیں یعنی زمین کی طرح شمسی نظام میں سورج کے گرد پھرتے ہوئے بھی اپنے مدار پر گھوم رہے ہیں۔ مضمون کی طوالت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس استعاراتی گفتگو جو مراثی دبیر کی پہچان ہے، یہاں نامکمل

چھوڑتے ہوئے اس بند کے آخری دو شعر پیش کرنا چاہتا ہوں جہاں استعاراتی نظام در نظام سلسلہ وار بنتے جاتے ہیں۔

سر قلم ہوتا ہے اور شکرِ خدا کرتے ہیں
صادق الوعدہ یونہی وعدہ وفا کرتے ہیں
ہم نماز اس کے جنازے کی جو پڑھوائیں گے
تم بھی جانا کہ رسولانِ سلف جائیں گے

مرزا دبیر کے مرثیوں میں انیس کے مرثیوں کی طرح سیکڑوں ایسے اشعار ملتے ہیں جن کو ترتیب دے کر درجنوں رزم نامے ترتیب دیے جاسکتے ہیں۔ جو اردو ادب میں خال خال ہیں۔

ہمیں دبیر کے مطالعے کی ضرورت اس لیے ہے کہ انیس کے پاس دبیر نہیں جبکہ دبیر کے پاس انیس نظر آتے ہیں۔ شبلی نعمانی کی متنازعہ کتاب 'موازنہ انیس و دبیر' کے جواب میں سید نظیر الحسن صاحب فوق نے جو کتاب 'المیزان' لکھی اس میں جس قسم کا کلام شبلی نے میر انیس کا پیش کیا تھا فوق نے اسی رنگ کا کلام مرزا دبیر کے یہاں سے پیش کر کے یہ ثابت کیا کہ مرزا دبیر اس رنگ پر بھی قادر تھے۔

ہم جانتے ہیں۔ میر انیس نے دعا مانگی تھی:

جب تک یہ چمک مہر کے پرتوی سے نہ جائے
اقلیم سخن مرے قلمرو سے نہ جائے

اور دبیر نے دعا کی تھی:

جب تک چمن نظم کی بنیاد رہے گی
رنگیں سخنی سب کو تری یاد رہے گی

آخر میں ہم ڈاکٹر ظہیر فتح پوری کی سچ گفتار پر اپنی گفتگو ختم کرتے ہیں:

''بحیثیت شاعر دبیر نے اپنا فرض ادا کردیا لیکن ہم پر دبیر کا قرض ابھی باقی ہے اور دبیر شناسی کی راہ میں کئی مزاحمتیں موجود ہیں۔ عام قارئین تو الگ رہے، مصنفوں حتی کہ

نقادوں تک میں ''کاٹا اور لے بھاگ'' کا رویہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ صاف نظر آتا ہے کہ آسان پسندی کی خاطر دبیر کا مطالعہ کیے بغیر وہ 'موازانہ' میں شبلی کے غلط رویے کی مجرمانہ تقلید کرتے رہے ہیں اور تحقیق سے منھ پھیر کر اس تنقید نے فوق کی فوقیت اور ثابت کے ثبوت پر نظر ڈالنا تو درکنار سید عابد علی عابد کی متذکرہ بالا تحریروں تک کو پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ میں یہاں اس بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتا کہ اس شبلی کو جو 'حیات جاوید' کو 'کتاب المناقب' کہتا تھا اور جس کا اپنا نثری طرز انیس کے مقابلے میں دبیر سے قریب تر تھا، اپنے گریبان کا خیال کیوں نہ آیا؟ لیکن میں یہ گزارش کروں گا کہ جو پہلے نہ ہوسکا وہ اب ضرور ہونا چاہیے اور وہ یہ کہ دبیر پر اظہار خیال کرنے سے پہلے دبیر کو پڑھ بھی لینا چاہیے۔''

آخر میں اپنے کرم فرما اور اردو زبان و ادب کی ممتاز شخصیت پدم بھوشن پروفیسر گوپی چند نارنگ صاحب کا خاص شکریہ ادا کرنا ہے کہ ان کی ہدایت، خاص توجہ اور محبت کی وجہ سے یہ انتخاب تکمیل کو پہنچا۔ میں ساہتیہ اکادمی کے ڈاکٹر مشتاق صدف اور محمد موسیٰ رضا کا بھی ممنون ہوں کہ ان حضرات کا خلوص وسلوک شامل و حاصل رہا۔

سید تقی عابدی

جنوری 2013

مرزا دبیر کی حیات اور فن کا اجمالی جائزہ

نام : مرزا سلامت علی

تخلص : دبیر

عطارد (غیر منقوط کلام میں عطارد تخلص استعمال کیا ہے)

تاریخ ولادت : 11 جمادی الاول 1218ھ (''بخت دبیر'' مادّہ تاریخ ولادت 1218ھ)
مطابق 29 اگست 1803

مقام ولادت : دہلی، محلّہ بلی ماران متصل لال ڈگی۔

والد : مرزا غلام حسین

دادا : مرزا غلام محمد

جد : ملّا ہاشم شیرازی نثار، جو شیخ محمد اہلی شیرازی کے برادرِ حقیقی تھے۔

نوٹ : ملّا اہلی شیرازی، ایران کے مشہور شاعر تھے۔ ان کی مثنوی 'سحر حلال' ایران میں مقبول تھی۔ اس مثنوی کی صنعت گری یہ ہے کہ اس کو دو بحروں میں پڑھ سکتے ہیں اور ہر شعر میں دو قافیے ہیں، یعنی یہ مثنوی ذو بحرین اور ذو قافیتین مع التجنیس ہے۔

مرزا دبیر نے اپنی ایک رباعی میں اپنے جد کی تصنیف 'سحر حلال' پر یوں فخر کیا ہے:

کب غیر کے مضموں پر خیال اپنا ہے الہام خدا شریک حال اپنا ہے
اک یہ بھی ہے اعجاز ائمہ کا دبیر دنیا میں سخن ''سحرِ حلال'' اپنا ہے

شریک حیات: مرزا دبیر کی بیوی اُردو کے عظیم المرتبت شاعر سید انشاء اللہ خاں انشا کی حقیقی نواسی اور سید معصوم علی کی بیٹی تھی۔ مرزا دبیر کے فرزند اوج نے

اس پر اپنے ایک شعر میں فخر بھی کیا ہے۔

نانا ہیں مرے سیّد عالی نسب انشا
عاجز ہے خرد، اُن کے فضائل ہوں کب انشا

اولاد : ایک بیٹی اور دو بیٹے۔

الف: بیٹی سب سے بڑی تھی جو میر وزیر علی صبا کے فرزند میر بادشاہ علی بقا کی شریک حیات ہوئی۔ کہتے ہیں کہ دبیر کی غزلوں کے دیوان، بقا اپنے گھر لے گئے۔ چنانچہ جب ان کے گھر آگ لگی، دیوان خاکستر ہوگئے۔ بقا غزل، سلام اور مرثیہ بھی کہتے تھے۔

ب: بڑے بیٹے مرزا محمد جعفر اوج۔ ولادت 1853 وفات 1917

نوٹ : مرزا اوج اعلیٰ پائے کے مرثیہ نگار شاعر تھے۔ مرزا اوج شاعری کے مجتہد تھے۔ انھوں نے مختلف نئے تجربات بھی کیے ان کے مراثی میں انشا، دبیر اور انیس: تینوں کے محاسن ملتے ہیں۔ 'معراج الکلام' میں شبلی نعمانی کا یہ قول نقل کیا ہے:

''انصاف یہ ہے کہ آج مرزا اوج سے بڑھ کر کوئی شاعر ہے، نہ مرثیہ گو۔''

مرزا اوج نے نوجوانی ہی میں 'مقیاس الاشعار' تحریر کی جو فنِ شاعری عروض قافیہ و تاریخ گوئی کی بلند معیار کتاب ہے جس کے متعلق داغ دہلوی نے فرمایا تھا: ''آج علمِ عروض کا ماہر، مرزا اوج سے بڑھ کر کوئی ہندوستان میں نہیں۔''

بھائی بہن : ایک بڑے بھائی اور دو بڑی بہنیں۔ مرزا صاحب سب سے چھوٹے تھے۔ بڑے بھائی مرزا غلام محمد نظیر، وفات 1291 ہجری۔

تعلیم و تربیت : مرزا دبیر نے تمام کتب رائج درسیہ عربی اور فارسی باقاعدہ پڑھی تھیں۔ جملہ علومِ معقول اور منقول میں مہارت حاصل تھی۔ پروفیسر حامد حسن قادری کہتے ہیں: ''مرزا دبیر نے عربی اور فارسی کی تعلیم فضیلت کی حد

تک حاصل کی تھی۔'' ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی 'دبستانِ دبیر' میں لکھتے ہیں: ''مرزا صاحب کی علمی حیثیت بہت بلند تھی۔ عربی و فارسی میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ تمام علوم عقلی اور نقلی پر حاوی تھے اور طبقہ علما میں شمار کیے جاتے تھے۔'' دبیر چونکہ بہت ذہین تھے، اس لیے اٹھارہ انیس سال میں فارغ التحصیل ہو گئے۔

اساتذہ : (1) مولوی غلام صاحب فاضلِ دوراں سے ابتدائے شباب میں صرف و نحو، منطق، ادب اور حکمت کا درس لیا۔

(2) مولوی میر کاظم علی صاحب عالمِ دین سے دینیات، تفسیر و اصول و حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

(3) ملّا مہدی صاحب مازندرانی اور مولوی فدا علی صاحب اخباری کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

(4) شاعری میں تقریباً دس سال میر ضمیر کی شاگردی کی۔ ضمیر لکھنوی کو خود اس پر فخر تھا کہ وہ دبیر کے استاد ہیں۔ اس مضمون کو انھوں نے اپنی ایک رباعی میں یوں پیش کیا ہے:

پہلے تو یہ شہرہ تھا ضمیر آیا ہے
اب کہتے ہیں استادِ دبیر آیا ہے
کردی مری پیری نے مگر قدر سوا
اب قول یہی ہے سب کا پیر آیا ہے

(5) مرزا دبیر کی اوسط عمر میں میر عشق مرحوم نے بھی مرثیوں میں مشاقی بہم پہنچائی ہے، اس کا اعتراف شاد عظیم آبادی نے کیا ہے۔

شغل : شاعری اور ادب (حکمت سے دلچسپی رکھتے تھے)۔

شکل و صورت: ثابت لکھنوی اور شاد عظیم آبادی نے دبیر کو بڑھاپے میں دیکھا تھا۔ ثابت لکھنوی کہتے ہیں: ''پکا سانولا رنگ، کسی قدر کشیدہ قامت، ماتھا بڑا،

کثرتِ سجود سے ماتھے پر سجدے کا نشان، آنکھیں بڑی بڑی گول دو انگشتی داڑھی، بڑی پاٹ دار آواز۔"

آواز : مرزا دبیر کی آواز پاٹ دار اور پُر تاثر تھی۔ ان کی آواز میں گداز شامل تھا لیکن حاسدین، مرزا دبیر کی آواز کو بھی نام رکھتے تھے، چنانچہ دبیر اپنی ایک رباعی میں کہتے ہیں:

جب شاہِ نجف معین و ناصر ہوئے
کیوں سب میں نہ ممتاز یہ ذاکر ہوئے
آواز ہے بھاری تو ہو پر بات یہ ہے
مجلس میں سخن نہ بارِ خاطر ہوئے

حافظہ : مرزا دبیر کا حافظہ بلا کا تھا۔ واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو چالیس پچاس سالہ پرانی باتیں اچھی طرح یاد تھیں۔

خط : مرزا دبیر نہایت خوش خط اور زود نویس بھی تھے۔ آپ کا خط پختہ اور با قاعدہ تھا۔ مرزا صاحب کا خط اُس زمانے کے ایرانیوں کی روش پر تھا۔ وہ حرفوں پر کم نقطے دیتے تھے اور بعض حروف پر نقطے ہی نہیں دیتے تھے۔ حروف پر نقطے نہ ہونے کی وجہ سے مرثیوں کی نقلیں لیتے ہوئے بعض لفظوں کا کچھ کا کچھ ہوگیا، شاید یہ بھی وجہ تحریف ہوگی۔

اخلاق و کردار: مرزا دبیر اوصافِ حمیدہ کے حامل تھے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مداحی نے ان کے دل میں رحم، مروّت، سخاوت، عدالت، قناعت، متانت، صداقت، غیرت، خود داری اور جرأت کے ولولوں کو اس طرح ابھارا کہ وہ فرشتہ صفت انسان بن کر ظاہر ہوئے۔ عدالت کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ کبھی کسی غریب کے مقابلے میں کسی امیر بد طینت کی طرف داری نہ کی کسی رئیس یا بادشاہ کی انھوں نے خوشامد نہ کی، کسی بادشاہ کو خداوند نہ کہا۔ جب مرزا دبیر نے بادشاہ غازی الدین حیدر کے عزا خانے میں بادشاہ کی

موجودگی میں منبر پر جا کر حمد و نعت و منقبت پڑھ کر یہ قطعہ پڑھا:

واجب ہے حمد و شکر جنابِ الٰہ میں
فضلِ خدا سے آیا ہوں کس بارگاہ میں
مجھ سا گدا اور انجمنِ بادشاہ میں
چرچا یہ لوگ کرتے ہیں اس وقت راہ میں
ذرّے پہ چشمِ مہر ہے مہرِ منیر کو
حضرت نے آج یاد کیا ہے دبیر کو

پھر جو مرثیہ پڑھا اس کا مطلع تھا: "داغِ غمِ حسینؑ میں کیا آب و تاب ہے" چنانچہ جب مرثیے کے اس بند پر آئے تو بادشاہ رونے لگے اور اُسے پھر پڑھوایا بند یہ ہے:

جب روز کبریا کی عدالت کا آئے گا
جبّار بادشاہوں کو پہلے بلائے گا
انصاف و عدل اُن سے بہت پوچھا جائے گا
تو آج داد دینے کی کل داد پائے گا
گل کر دیا ہے دونوں جہاں کے چراغ کو
لوٹا ہے تیرے عہد میں زہراؑ کے باغ کو

کہتے ہیں مرزا دبیر تو مرثیہ پڑھ کر چلے گئے لیکن بادشاہ کو خوفِ خدا سے ساری رات نیند نہ آئی، صبح سویرے اپنے وزیر کو انصاف اور عدالت کے بارے میں بڑی تاکید فرمائی۔

مرزا دبیر نے جب مرثیہ شروع کیا، اُس زمانے میں مرثیہ گو شعرا سوز خوانوں کے رحم و کرم پر رہتے تھے، کیونکہ انھی سوز خوانوں کی بدولت ان کے مرثیے مشہور ہوتے تھے۔ مشہور ہے کہ اُس زمانے میں لکھنؤ کے مشہور سوز خواں میر علی صاحب، جو رشتے میں خواجہ میر درد کے نواسے

تھے، جس شاعر کا مرثیہ سوز سے پڑھتے، اُسے شہرت مل جاتی تھی۔ مرزا دبیر کی شہرت سُن کر میر علی صاحب نے دبیر کے تین مرثیوں : ع :
''باغ فردوس سے یہ بزم عزا بہتر ہے۔''
ع : ''بخدا تاج سرِ عرش خدا ہے شبیرؑ''
ع : ''جب ہوئی ظہر تلک قتل سپاہِ شبیرؑ'' کو حاصل کر کے پڑھا اور سارے لکھنؤ میں ان مرثیوں کی شہرت ہوگئی۔ اتفاق سے انھی مرثیوں میں سے ایک مرثیہ کسی دوسرے سوز خواں نے بھی کہیں پڑھا جہاں میر علی صاحب موجود تھے، جب میر علی صاحب کو معلوم ہوا کہ دبیر نے یہ مرثیہ دوسروں کو بھی دیا ہے تو مرزا صاحب کے پاس یہ کہلا بھیجا کہ اگر تم مستند اور مشہور مرثیہ گو بننا چاہتے ہو تو آیندہ وہ مرثیہ، جو میر علی کو دیا گیا ہے، کم از کم تین سال تک کسی دوسرے کو تقسیم نہ کیا جائے۔ مرزا صاحب نے جواب بھیجا کہ میری طرف سے آداب عرض کیجیے اور کہیے کہ اول تو آپ سیّد، دوسرے بزرگ، تیسرے ذاکر، اس طرح واجب التعظیم ہیں۔ میں اگر مستند مرثیہ گو بننا چاہتا ہوں تو امام حسینؑ کی امداد اور اپنی محبت وطبعِ خدا داد سے۔ یہ بات شاید مری مروّت سے بھی دور ہوگی کہ کوئی ذاکر مجھ سے مرثیہ مانگے اور میں یہ کہہ کر اُس کی دل شکنی کروں کہ میر علی صاحب کا حکم نہیں۔ مجھ سے یہ شرط نبھ نہیں سکتی۔'' کہتے ہیں اُس دن سے پھر میر علی صاحب نے مرزا صاحب کا کوئی مرثیہ نہیں پڑھا۔

شاعری کا آغاز: دبیر نے 12 سال کی عمر میں 1815 میں شاعری کا آغاز کیا۔

مدت مشقِ سخن: 60 سال

پہلا قطعہ : یہ قطعہ مرزا صاحب نے اپنے استاد ضمیر کو سنایا تھا:

کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہے
کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے

عجب سرا ہے یہ دنیا کہ جس کی شام و سحر
کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

آخری قطعہ تاریخ: یہ قطعہ تاریخ ہے جو میر انیس کے انتقال پر کہا تھا، جس کے آخری دو مصرعوں کے مجموعی اعداد سے تاریخ عیسوی نکلتی ہے۔ مرزا نے معتقدین کی طرح آسمان کے الف ممدودہ کے عدد دو لیے ہیں:

آسماں بے ماہِ کامل سدرہ بے روح الامیں
طورِ سینا بے کلیم اللہ منبر بے انیس

(1874 = 945 + 929)

پہلا مرثیہ : ع: بانو پچھلے پہر اصغرؑ کے لیے روتی ہے۔
بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مرزا دبیر کا پہلا مرثیہ ہے۔ یہ مرثیہ حضرت علی اصغرؑ کے حال میں ہے۔

آخری مرثیہ : ع: انجیل مسیحِ لب شبیرؑ ہیں عباسؑ
مرزا دبیر یہ مرثیہ نظم کر رہے تھے کہ میر انیس کے انتقال کی خبر ملی۔ مرثیہ ناتمام چھوڑ دیا اور کہا کہ ''دبیر یہ تیرا آخری مرثیہ ہے۔'' اور یہی ناتمام مرثیہ انھوں نے اپنی آخری مجلس میں 25 ذیقعدہ 1291 ہجری میں پڑھا۔ یہ مرثیہ حضرت عباسؑ کے حال میں تھا۔

اساتذہ : تقریباً دس برس میر ضمیر لکھنوی سے استفادہ کیا۔ میر ضمیر نے تخلص دبیر لکھا۔ شاد عظیم آبادی کہتے ہیں، میر عشق: فرزندِ انس لکھنوی نے بھی مرثیہ کے نوک و پلک سنوارنے میں مدد کی۔

شاگرد : مرزا دبیر کے شاگردوں کی فہرست بڑی ہے، ہم یہاں صرف منتخب شاگردوں کے نام پیش کریں گے:

(1) محمد جعفر اوج (2) محمد ہادی حسین عطارد (3) محمد نظیر (4) میر بادشاہ بقا (5) شاد عظیم آبادی (6) منیر شکوہ آبادی (7) مشیر لکھنوی (8) صغیر لکھنوی

(9) ممتاز الدولہ (10) ملکہ زمانی (11) سلطان عالیہ (12) زیب النسا حاجی (13) قدیر دہلوی (14) محمد تقی اختر (15) شیخ فقیر حسین عظیم (16) صفدر فیض آبادی (17) سیّد باقر مہدی بلیغ (18) محمد رضا ظہر (19) وہاب حیدر آبادی (20) امام باندی عفت (21) مطیر (22) سفیر (23) صبا (24) وزیر (25) حقیر وغیرہ۔

پڑھنے کا طریقہ: مرزا دبیر منبر کے چوتھے زینے پر بیٹھتے تھے۔ پہلے منبر پر بیٹھ کر دو چار منٹ چاروں طرف مجلس کو دیکھتے۔ اکثر لوگوں سے سلامت اور مختصر مزاج پرسی کرتے۔ اِسی دوران زیرِ منبر کوئی مصاحب مرثیے کے کاغذات دیتے۔ مرزا صاحب ان کاغذات سے چند کاغذوں کا انتخاب کرکے زانو پر رکھ لیتے اور پھر ہاتھ اٹھا کر بہ آواز بلند فاتحہ کہتے اور خضوع و خشوع کے ساتھ سورۂ الحمد تمام کرکے بھی کچھ پڑھتے۔ خبیر لکھنوی 'رباعیات دبیر' میں لکھتے ہیں: ''آج بھی مرزا دبیر کے اہلِ خاندان اور ان کے خاندان کے تلامذہ پہلے فاتحہ کہہ لیتے ہیں، پھر رباعی سلام اور مرثیہ پڑھتے ہیں۔ میر انیس کے خاندان میں فاتحہ نہیں کہتے اور یہی دونوں خاندانوں کی اب پہچان رہ گئی ہے۔''

مرزا دبیر اہلِ مجلس کو زیادہ تر محبویا حضرات کے لفظ سے مخاطب کرتے جاتے۔ مصرع نصف ایک جانب اور نصف دوسری جانب نظر کرکے پڑھتے۔ پڑھتے وقت قریب سے دیکھنے والوں کو ان کی جوش کی حالت پوری محسوس ہوتی تھی۔ نصف مصرع کو ڈپٹ کر اور نصف کو بہت آہستہ ادا کرنا کچھ انھیں پر ختم ہوگیا۔ ہاتھ یا چہرے سے بتانا مطلق نہ تھا۔ حزن یا بین کی جگہ آواز کو نرم بنا کر سامعین پر اثر ڈالنا بھی چنداں نہ تھا۔ اکثر اہل مجلس کو روتے روتے غش آجاتا تھا۔ پورا مرثیہ از مطلع تا مقطع مسلسل پڑھتے میں نے نہیں سنا۔ مشکل سے مرثیہ کے ایک سو بند پڑھتے ہوں گے۔

آخر میں پسینے سے شرابور ہو جاتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹے تک پڑھ کر اتر آتے تھے۔''

مؤلف: ''حیات دبیر'' ثابت لکھنوی کہتے ہیں: ''مرزا دبیر جوشِ معرفت میں سینے کے زور سے پڑھتے تھے اور مجلس میں جب کبھی پڑھنے کو جاتے تھے وضو کر کے جاتے تھے۔ آواز بھاری اور پاٹ دار تھی، فطری طور پر کہیں خود بخود ہاتھ اٹھ جاتا تھا ورنہ منبر پر بیٹھ کر بتلانے کو وہ عیب جانتے تھے۔ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے مرثیہ خوانی سے بتانے کو کیا علاقہ ہے۔ اس مضمون کو اپنی ایک رباعی میں یوں بیان کرتے ہیں:

ناحق نہ چیخنا نہ چلّانا ہے
بے کار بنفسِ ہر بند پر بتلانا ہے
ابنِ شہِ مرداں کا ثنا خواں ہوں میں
صد شکر کہ پڑھنا مرا مردانہ ہے

حکایت : 1872 میں داروغہ میر واجد علی تسخیر لکھنوی کے امام باڑے میں دبیر نے یہ مرثیہ پڑھا تھا:

ع: پرچم ہے کس علم کا شعاعِ آفتاب کی'' تمام مجلس تصویر بنی ہمہ تن گوش تھی۔ یہاں تک کہ مرزا دبیر اس موقعے پر پہنچے کہ حضرت زینبؑ اپنے بچوں سے پوچھتی ہیں کہ تم نے شمر سے بات کیوں کی؟ اس موقع پر مرزا دبیر نے ایک مصرع تین طرح سے پڑھا۔ ہر مرتبہ مصرع کے ایک نئے معنی سامعین کے ذہن میں آئے:

(1) کیوں۔ تم نے میرے بھائی کے قاتل سے بات کی؟ (گھرکی لہجے میں)
(2) کیوں؟ تم نے میرے بھائی کے قاتل سے بات کی؟ (سوالیہ طور پر)
(3) کیوں تم نے میرے بھائی کے قاتل سے بات کی (تاسف کے لہجے میں)

اس مصرعے پر اس قدر رقت ہوئی کہ مرثیہ آگے نہ پڑھ سکے۔ مرزا دبیر

کو خاص کر بین کے مقامات پڑھنے میں کمال حاصل تھا۔ کہتے ہیں کہ مرزا دبیر کے پڑھنے کا انداز انھیں کے ساتھ ختم ہوگیا۔ انھوں نے کسی اپنے شاگرد کو اپنے پڑھنے کا طرز نہیں سکھایا۔

طریقہ تصنیف: ثابت لکھنوی کے قول کے مطابق: ''جب تک طبیعت حاضر نہ ہوتی تھی، نہ کہتے تھے اور جب حضورِ قلب کا عالم ہوتا تھا، کہتے تھے اور جلد جلد کہتے تھے۔''

شاد عظیم آبادی 'پیمبرانِ سخن' میں لکھتے ہیں: ''آخر شب سے تہجد پڑھ کر مرثیے کی تصنیف شروع ہوتی تھی۔ صبح تک جتنے بند کہتے تھے بعد ادائے نماز اس کو لیے ہوئے باہر آتے تھے۔ کاتب موجود رہتے۔ خود بتا بتا کر اپنے سامنے صاف کرواتے تھے۔ یہ بھی مسودۂ دوم میں داخل ہوتا تھا۔ مسودہ اوّل و دوم سب مقفل کیا جاتا پھر شب کو مسودہ اوّل نکالا جاتا تھا۔ مرثیوں کی تصنیف یوں نہ ہوتی تھی کہ مطلع شروع کر کے چہرہ، صف آرائی، رخصت، لڑائی وغیرہ کے بند ترتیب کے ساتھ کہتے تھے بلکہ مثلاً تلوار یا گھوڑا یا صف آرائی یا چہرہ یا رخصت میں جتنے مضامین متعلق مرثیہ کہتے ہیں، ہر مضمون کے سو سو دو دو بند لکھے جاتے تھے، آخر میں اس ذخیرے سے بند لے کر پانچ پانچ چھ چھ مرثیے مرتب کر لیتے تھے۔ کچھ موٹی موٹی جلدیں کاتب سے صاف کروائی ہوئی، انھیں بے ترتیب بندوں کی، الگ رہتی تھیں اور جب یہ بند بصورتِ مرثیہ مرتب ہو جاتے تھے تو کتاب کے اندر ترتیب وار داخل کیے جاتے تھے۔ اسی طرح سلاموں، مخمسوں، قطعات وغیرہ کی جلدیں صاف کی ہوئی، الگ رہتی تھیں۔ کاتب کو دم لینے کی فرصت نہ تھی، تازہ تصنیف کو تو اپنے سامنے بٹھا کر صاف کرواتے تھے، ورنہ کاتب کے حوالے کر دیتے تھے وہ الگ بیٹھا لکھا کرتا تھا۔

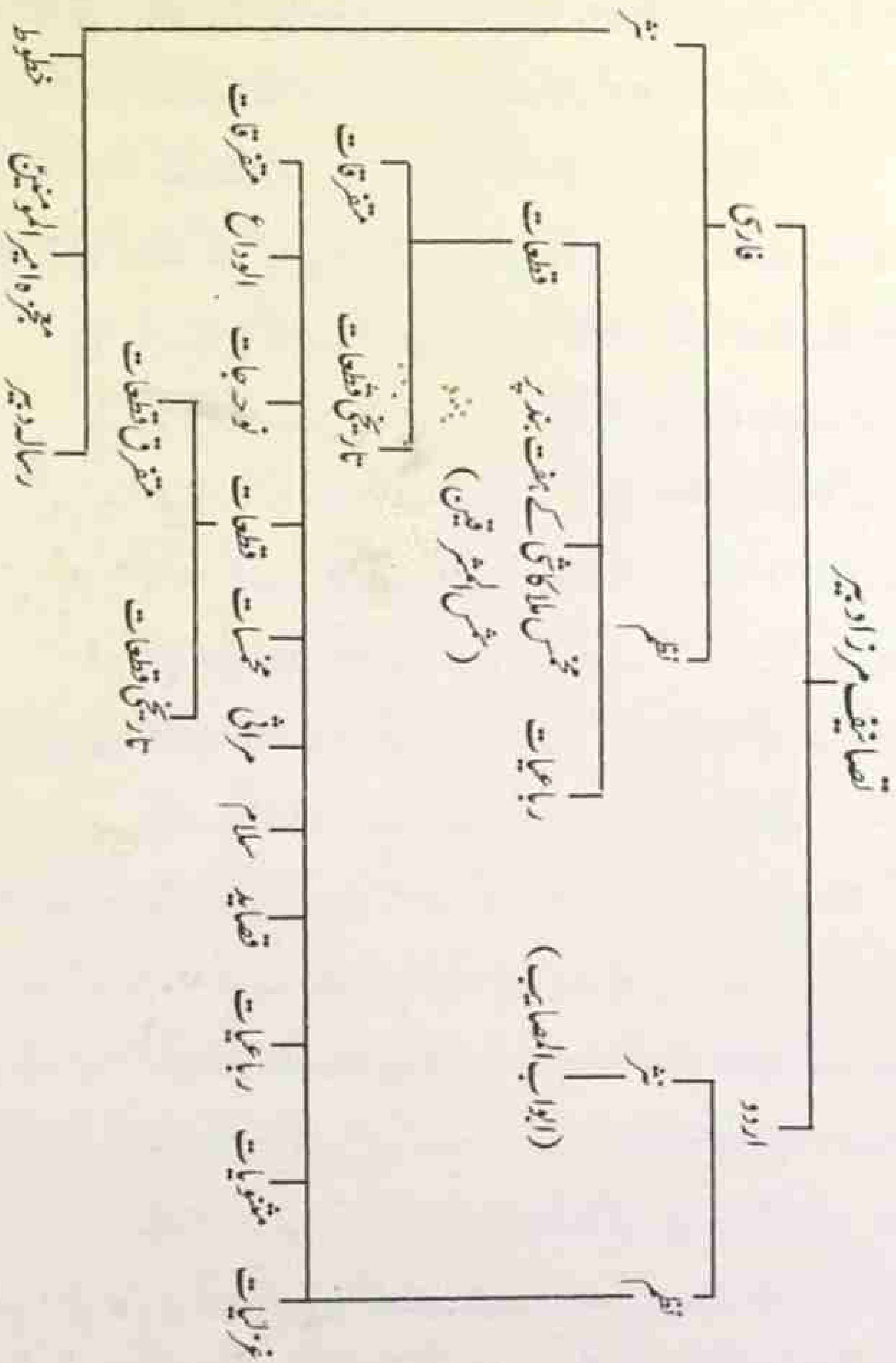
تصانیف مرزا دبیر
اردو
نظم
نثر
(ابواب المصایب)
غزلیات
مثنویات
رباعیات
قصاید
سلام
مراثی
مخمسات
قطعات
نوحہ جات
الوداع
متفرقات
تاریخی قطعات
متفرق قطعات
فارسی
نظم
نثر
رباعیات
مخمس ملا کاشی کے ہفت بند پر
(شمس المشرقین)
قطعات
تاریخی قطعات
متفرقات
رسالہ دبیر
معجزہ امیر المومنین
خطوط

تعداد مرثیہ : راقم مزید تحقیقی اطلاعات فراہم ہونے تک مطبوعہ مراثی کی تعداد 290 اور غیر مطبوعہ مراثی کی تعداد 285 اور کل موجود مراثی دبیر کی تعداد 675 رقم کرتا ہے۔

(1) ''دفترِ ماتم'' کی 14 جلدوں میں مطبوعہ مراثی کی تعداد = 338

(2) مختلف مرثیوں کی کتابوں میں مطبوعہ مراثی کی تعداد باون (52) ہے۔

= 338 + 52 = 390

(3) غیر مطبوعہ مرثیوں کی تعداد چھے قلمی بیاضوں میں 285 ہے = 285

(4) کل مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مرثیوں کی تعداد = 285 + 390 = 675

مرزا دبیر کے مطبوعہ مراثی کا جدول

نمبر شمار	نام	تعداد مراثی	سنہ طبع	مطبع
1	مرثیہ مرزا دبیر۔ جلد اول	35	1875	نول کشور پریس لکھنؤ
2	مرثیۂ مرزا دبیر۔ جلد دوم	34	1875	نول کشور پریس، لکھنؤ
3	دفترِ ماتم۔ جلد اوّل	25	1897	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ
4	دفترِ ماتم۔ جلد دوم	25	1896	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ
5	دفترِ ماتم۔ جلد سوم	29	1896	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ
6	دفترِ ماتم۔ جلد چہارم	27	1896	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ
7	دفترِ ماتم۔ جلد پنجم	27	1896	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ
8	دفترِ ماتم۔ جلد ششم	29	1896	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ
9	دفترِ ماتم۔ جلد ہفتم	25	1896	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ
10	دفترِ ماتم۔ جلد ہشتم	30	1896	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ
11	دفترِ ماتم۔ جلد نہم	26	1896	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ
12	دفترِ ماتم۔ جلد دہم	27	1896	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ
13	دفترِ ماتم۔ جلد یازدہم	27	1896	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ
14	دفترِ ماتم۔ جلد دوازدہم	29	1897	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ
15	دفترِ ماتم۔ جلد سیزدہم	23	1897	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ
16	دفترِ ماتم۔ جلد چہاردہم	19	1897	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ
17	نوائبِ کربلا۔ جلد اول	15	1928	مطبع یوسفی، دہلی
18	نوائبِ کربلا۔ جلد دوم	15	1928	مطبع یوسفی، دہلی
19	سبع مثانی۔ خبیر لکھنوی	14	1930	نظامی پریس، لکھنؤ

20	شعار دبیر۔ مہذب لکھنوی	7	1951	یونائیٹڈ انڈیا پریس، لکھنؤ
21	رزم نامۂ دبیر۔ خبر لکھنوی		1946	نظامی پریس، لکھنؤ
22	باقیات دبیر۔ اکبر حیدری	26	1994	مرزا پبلی کیشنز، حسن آباد، سری نگر
23	دفتر دبیر۔ بلال نقوی	25	1995	محمد ایجوکیشن اینڈ پبلی کیشنز، کراچی
24	منتخب مراثی دبیر	20	1980	مرتبہ: ڈاکٹر ظہیر فتح پوری مجلس ترقی ادب۔ لاہور
25	انتخاب مراثی مرزا دبیر	20	1980	مرتبہ اکبر حیدری اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ
26	انتخاب مراثی دبیر	8	1962	رام نرائن لال پبلیشرز، الہ آباد

مرثیوں کی بحریں: مرزا دبیر کے مراثی پانچ بحر کے نو زحافات میں لکھے گئے ہیں لیکن اغلب مرثیے ان پانچ اوزان میں ہیں۔

(1) بحر رمل مثمن مخبون محذوف / مسکن = فاعلاتن فاعلاتن مفاعلن فعلن

مثال: ''جب ہوئی ظہر تلک سپاہ شبیر''

(2) بحر مضارع مثمن مکفوف محذوف = مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

مثال: ''یارب! مجھے مرقع خلد بریں دکھا''

(3) بحر ہزج مثمن مکفوف مکسور محذوف = مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

مثال: ''اے دبدبۂ نظم! دو عالم کو ہلا دے''

(4) بحر مجتث مثمن مجنون محذوف = مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

مثال: ''روانہ نہر لبن کو جو شیر خوار ہوا''

(5) بحر سریع مسدس مطوی مکسوف = مفتعلن مفتعلن فاعلن

مثال: ''جب رہے میدان میں تنہا حسینؑ''

ایجادات : 'حیات دبیر' کے مولف ثابت لکھنوی نے مرزا دبیر کی اُن ایجادات کو بیان کیا ہے جو میر انیس کے کلام میں موجود نہیں۔ ہم اجمالی طور پر یہ

ایجادات یہاں بیان کرتے ہیں۔

1۔ مرثیے کو حمد و نعت و منقبت سے شروع کیا، بادشاہ اور مجتہدین عصر کی بھی مدح فرمائی۔ مثال: مطلع مرثیہ ''طغرا نویس کن فیکون ذوالجلال ہے''

2۔ چہاردہ (14) معصومین علیہم السلام کے حال میں علیحدہ علیحدہ مرثیے کہے، چنانچہ 'دفترِ ماتم' کی چودہ جلدوں میں یہ ترتیب ہے کہ ہر جلد ایک معصوم کے حال کے مرثیے سے شروع ہوتی ہے۔

حکایت : مرزا اوج کہتے ہیں جب نواب نادر مرزا صاحب فیض آبادی نے مرزا صاحب کو بلوایا تو ان سے خواہش کی کہ چودہ معصومین کے حال میں مختصر مرثیے لکھ دیں تاکہ وہ ہر معصوم کی وفات کے دن مجلس میں پڑھ سکیں، چنانچہ جب مرزا صاحب پالکی میں واپس شہر لکھنؤ آئے تو راستے میں تمام مرثیوں کو کہہ اُن لوگوں کے ہاتھ جو مرزا صاحب کو لکھنؤ لائے دے دیے کہ نواب صاحب کو دے دیں۔ یہ مرثیہ مختصر مرثیے ہیں۔ مرزا دبیر کا خیال تھا کہ وہ ہر معصوم کے حال میں ایک طولانی مرثیہ کہیں گے، چنانچہ امام موسیٰ کاظم کے حال میں ان کا ایک طولانی مرثیہ موجود ہے۔

3۔ حالِ ولادتِ حضرت عباسؑ: ''انجیلِ مسیح لبِ شبیرؑ ہیں عباسؑ'' — اور حالِ ولادتِ حضرت علی اکبرؑ: ''جب رونقِ مرقع کون و مکاں ہوئی'' لکھا۔

4۔ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کی شادی کا حال اس مرثیہ میں نظم کیا جس کا مطلع ہے:

ع: ''جب فاطمہؑ سے عقدِ شہِ لافتیٰ ہوا'' یہی نہیں بلکہ عقدِ حضرت علیؑ، جو حمیدہ ام البنین سے ہوا، اس کا ذکر مرثیہ ع: انجیلِ مسیحِ لبِ شبیرؑ ہیں عباسؑ'' میں ہے۔ اسی طرح حضرت عباسؑ کی شادی کا حال: ''جب اخترِ یعقوب پہ کی مہر خدا نے'' میں ذکر کیا ہے۔

5۔ مرزا دبیر کے زمانے میں ترکوں نے کربلائے معلیٰ میں قتل عام کیا تھا

جس میں بائیس (22) ہزار افراد قتل ہوئے۔ اس قتل و غارت کو مرزا صاحب نے کئی رباعیات میں نظم کیا اور تفصیل سے اس مرثیے میں نظم کیا جس کا مطلع ہے: ع: ''اے قہرِ خدا! رومیوں کو زیر و زبر کر''

6۔ حالاتِ تاریخی پر مرثیہ لکھا: ع: ''فہرست یہ شبیرؑ کے لشکر کی رقم ہے''

7۔ مرثیے میں مناظراتی پہلو۔ مرزا صاحب کے دور میں ایک شخص نے شدت سے تعزیہ داری کی مخالفت کی تھی تو مرزا صاحب نے اس کا جواب اس مرثیے میں لکھا: ع: ''اے شمعِ قلم انجمن افروز رقم ہو''

8۔ مرثیوں میں طرزِ بیان کے جدید نکات، جیسے شام کے زنداں میں حضرت سکینہؑ کو سُلانے کے لیے حضرت زینبؑ کا کہانی کہنا، جو امام حسینؑ کی کہانی تھی: ع: ''جب کہ زنداں میں نبیؐ زادیوں کو رات ہوئی''

9۔ مرثیوں میں بہت سی معتبر روایتوں کو نظم کیا جیسے ع: ''جب رن میں بعدِ فتح عدو ایک شب رہے'' میں نصرانی تاجر کا واقعہ وغیرہ ہے۔

10۔ مرثیے میں قاتلانِ حسینؑ سے انتقام، حالِ حضرت مختارؒ، ع: ''جب تیغِ انتقام برہنہ خدا نے کی''

11۔ مرثیے میں حُر کا سراپا لکھا: ع: ''اب تک کسی نے حُر کا سراپا نہیں کہا'' اصحابِ حسینؑ: حبیب ابنِ مظاہر، زہیر ابنِ قین، وہب ابن کلبی کے متعلق مراثی لکھا۔

12۔ پانی اور آگ کا مناظرہ: ان دونوں عنصروں کے سبب سے جو ظلم اہلِ بیتؑ پر ہوئے: ع: ''آتش سے، سبب دشمنیِ آب کا کیا ہے؟''

13۔ مرزا دبیر سے پہلے اور ان کے ہم عصروں میں بھی عموماً مرثیے چار بحروں: رمل، ہزج، مضارع اور مجتث میں کہے جاتے تھے لیکن مرزا صاحب نے دوسری بحروں میں بھی مزید اور طویل مراثی کہے، جو مقبول ہوئے۔

14۔ مرزا دبیر نے ایک مرثیے میں کئی مطلع لکھنے کو رواج دیا یعنی ایک مرثیے

میں رخصت، لڑائی، شہادت کے موقعے پر کئی مطلع دیتے تھے۔

15۔ ایک مرثیہ : ع : ''آہوئے کعبہ قربانی داور ہے حسینؑ'' — میں تمام احکام ذبیحہ نظم کیے، اسی طرح ع : ''کیا شان روضۂ خلفِ بوتراب ہے۔'' میں زیارتِ ناصیۂ مقدسہ کے اکثر فقروں کا مطلب بیان کیا ہے۔

16۔ سلاموں میں طویل قطعہ بند رکھنا بھی مرزا دبیر ہی کی ایجاد ہے، جیسے سلام میں حُر اور ابن سعد کی گفتگو۔ دبیر کے بعد ان کے شاگردوں نے بھی سلاموں میں قطعہ بند رکھے۔

17۔ دبیر نے مرثیوں میں خطباتِ امام حسینؑ نظم کیے۔

18۔ دبیر نے ایک مرثیے میں تمام علم بیان اور علم بدیع کی صنعتوں کو جمع کیا جس کا مطلع ہے : ع : ''لعلِ لبِ شبیرؑ گہربار ہے رن میں''

19۔ دبیر نے باکردار علما کی مدح وستایش کے عنصر کا اضافہ کیا۔

20۔ دبیر نے محافل کے لیے بشکلِ مثنوی 'احسن القصص'، 'معراج نامہ' اور 'فضائل چہاردہ معصوم' نظم کیے۔

21۔ دبیر نے مرثیوں کے مطلعوں میں 'جب' ایک سو سے زیادہ اور 'جو' پچاس سے زیادہ مقامات پر آیا ہے۔ یہ اسلوب دبیر کے گہرے قرآنی مطالعے کا نتیجہ ہے۔ بعض سورتوں اور آیتوں کا آغاز 'اذا' سے ہوا ہے جس کے معنی 'جب' کے ہیں۔ مرزا دبیر کے مراثی میں آیات واحادیث کے ٹکڑے نظم کیے گئے ہیں:

ع : ''جب ختم کیا سورۂ واللیل قمر نے''

ع : ''یارو کریم وہ ہے جو وعدہ وفا کرے''

یکتائے زمان:

ف 1: مرزا دبیر اردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے اُردو شعرا میں سب سے زیادہ شعر کہے۔ دبیر کے مطبوعہ اشعار کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار (1,20,000)

سے زیادہ ہے۔

ف 2: مرزا دبیر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے سب سے زیادہ مرثیے لکھے۔ مرزا دبیر کے مطبوعہ مرثیوں کی تعداد (390) اور غیر قلمی مطبوعہ مرثیوں کی تعداد (285)، یعنی کل مرثیوں کی تعداد (675) ہے۔

ف 3: مرزادبیر اردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے سب سے زیادہ رباعیاں کہی ہیں۔ مرزا دبیر کی رباعیات کی تعداد (1332) ہے۔

ف 4: مرزا دبیر اردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے۔ ہم نے نظیر اکبرآبادی کا کلیات جس میں تقریباً ساڑھے آٹھ ہزار اشعار ہیں، کھنگالا تو معلوم ہوا کہ یہ روایتی اور رعایاتی جملہ کہ نظیر اکبرآبادی نے سب سے زیادہ اردو کے الفاظ استعمال کیے ہیں بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔ انیس اور دبیر کے مقابل نظیر کے الفاظ کی تعداد بہت کم ہے۔

ف 5: مرزا دبیر اردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے صنعتِ غیر منقوط یا مہملہ میں سب سے زیادہ اشعار کہے۔ انشاء اللہ خاں انشاء، جو دبیر کے سگے نانا خسر تھے، ان کے غیر منقوط اشعار دبیر سے تعداد میں کم ہیں۔

ف 6: مرزا دبیر اردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس کی آمدنی لاکھوں روپیوں تک تجاوز کرگئی تھی اور وہ سب اہلِ حاجت میں تقسیم ہوتی تھی۔

ف 7: مرزا دبیر اردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے علمِ بدیع کی لفظی اور معنوی صنعتوں کو سب سے زیادہ استعمال کیا ہے۔

ف 8: مرزا دبیر اردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس کے حسب، نسب، کسب، مذہب، حیات، فن اور شخصیت پر حملے کیے گئے اور بعض حملے دوست استاد اور شاگردوں کی جانب سے ہوئے۔

ف 9: مرزا دبیر اردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس کے دوست دبیریے اور مخالف انیسیے شدید تھے۔ اردو ادب نے ایسی چشمک نہیں دیکھی، اگرچہ خود دبیر اور

انیس کے دل ایک دوسرے سے صاف تھے اور ایک دوسرے کی قدر کرتے تھے۔

ف 10 : مرزا دبیر اردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے نثری کتاب ''ابواب المصائب'' کے علاوہ شاعری کی ہر ہیئت اور صنف یعنی غزل، نظم، قصیدہ، مثنوی، قطعہ، مخمس، مسدس، تاریخ، رباعی، سلام، مرثیہ، شہر آشوب اور تضمین میں شاہکار چھوڑے ہیں۔

ف 11 : مرزا دبیر اردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے اپنی وفات کی تاریخ کی دعا مانگی اور وہ مستجاب ہوئی۔ دبیر کا انتقال 30 محرم 1292 ہجری کو ہوا۔ یہ رباعی ملاحظہ کیجیے:

جب مصحفِ ہستی مرا برہم کرنا ۔۔۔ سی پارۂ ایام محرم کرنا
برباد نہ جائے مری خاک اے گردوں ۔۔۔ تیار چراغِ بزمِ ماتم کرنا

مشاہیر سخن و ادب کی نظر میں:

(1) مرزا غالب : مرثیہ گوئی مرزا دبیر کا حق ہے، دوسرا اس راہ میں قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ یہ حصہ دبیر کا ہے۔ وہ مرثیہ گوئی میں فوق لے گیا۔ ہم سے آگے نہ چلا گیا۔ نا تمام رہ گیا۔

الطاف حسین حالی نے مرزا غالب کے قول کو یوں نقل کیا:

''ہندستان میں انیس، اور دبیر جیسا مرثیہ گو نہ ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا۔''

(2) شیخ ناسخ : مرزا دبیر کے یہ شعر سن کر فرمایا: سلامت علی سا طبیعت دار خلاق مضامین نہ ہوا ہے نہ ہوگا:

یاں پنجۂ مریم کہوں پنجے کو پلک کے
گہوارے میں عیسیٰ کو سلاتی ہیں تھپک کے

(3) خواجہ آتش : مرزا دبیر کے غیر منقوط مرثیے کو سن کر کہا: ''کبھی فیضی کی غیر منقوط تفسیر سنی تھی اور اب سلامت علی کا یہ غیر منقوط مرثیہ۔'' کوہِ رقیم

پر جو علیؑ کا گزر ہوا۔'' سن کر کہا:

ارے میاں! ایسے مضامین کہو گے تو مر جاؤ گے یا خون تھوکو گے۔

(4) میر انیس: انیس کے دل میں دبیر کی بڑی عزت تھی۔ میر نفیس کا بیان ہے کہ والد کے سامنے کوئی شخص صراحتاً یا کنایتاً مرزا دبیر کی تنقیص نہیں کرسکتا تھا اسی طرح مرزا دبیر کے یہاں کسی کی مجال نہ تھی کہ میر انیس پر بے جا حملے کرے۔ دونوں ایک دوسرے کی نسبت فرماتے تھے کہ ایسا صاحبِ کمال شاید پھر پیدا نہ ہو۔

○

حیدرؑ نے ہر اقلیم کو تسخیر کیا
مالک نے اُنھیں مالکِ شمشیر کیا
قابل جو ولادت کے نہ تھا کوئی گھر
گھر حق کا خلیلِ حق نے تعمیر کیا

○

کہنے کو اذان کے دین سب ملتا ہے
گر نامِ علیؑ نہ لو تو کب ملتا ہے
اعداد محمدؐ و علیؑ کو گن لو
92 112
یہ دونوں جو باہم ہوں تو رب ملتا ہے
200

سلام

مدحِ علیؑ میں ہے یہ بلندی کلام کی — عرشِ بریں زمیں ہے ہمارے سلام کی
اللہ رے بوترابؑ کہ جس کا غبار راہ — بہرِ زمیں کمند ہے گردوں کے بام کی
زیرِ نگینِ شمس و قمر کیوں نہ ہوں جہاں — مہریں ہیں اُن پہ حیدرِؑ صفدر کے نام کی
انگشتِ اعتقاد سے گر لے کے کوئی کور — ق — اک ذرّہ خاکِ پائے جنابِ امامؑ کی
مانندِ سُرمہ دیدۂ بے نور میں لگائے — بقدرت وہیں نظر پڑے ربِّ انام کی
روشن ہوں ہفت پردۂ چشم اُس کے اِس قدر — سب لوگ پوچھ جائیں خبر ہر مقام کی
مثلِ دو طفل شمس و قمر آئیں درس کو — زیرِ بغل کتاب لیے صبح و شام کی
بے عینک و چراغ اندھیرے میں رات کو — فر فر وہ سرنوشت پڑھیں خاص و عام کی
تسبیح حق میں صرف کیا رشتہ حیات — دیکھو خدا کے واسطے طاعت امامؑ کی
اک دم میں قصرِ چار عناصر بہا دیا — اللہ رے آبِ تیغ جناب امامؑ کی
انصاف و حلم و علم و دلیری و جود و زہد — تجھ پر خدا نے ساری فضیلت تمام کی

پردہ کھلا بلندیِ کرسی و عرش کا
مسند ہے وہ علیؑ کی یہ خیر الانامؐ کی

○

طغرا نویس کن فیکوں ذوالجلال ہے

طغرا نویس کن فیکوں ذوالجلال ہے
فرمانِ حق میں سلطنت بے زوال ہے
بندے سے ہو خدا کی ثنا یہ محال ہے
اس جا زبان طوطیِ سدرہ کی لال ہے
عالم کو اپنے زور کا عالم دکھا دیا
ظلمت کو نور خاک کو آدم بنادیا

خورشید کا غروب قمر کا طلوع ہے
آخر ہوئی جو شب تو سپیدا شروع ہے
ہر ایک سوئے قبلہ طاعت رجوع ہے
ظاہر ہے ماہِ نو سے کہ صرف رکوع ہے
لطف و غضب سے چہرے سفید وسیاہ ہیں
وحدت پہ اُس کی شام و سحر دو گواہ ہیں

ابری ہے مشق خانہ قدرت ہر اک سحاب
دھوتا ہے اُس کو خادم باراں بہ آب و تاب
ابری کے خشک کرنے پر سرگرم آفتاب
ہر نقطہ مثل اختر تابندہ انتخاب
جاری جو نقش بندِ ازل نے قلم کیا
کیا خوب شش جہت کا مسدّس رقم کیا

اے جلّ شانہ وہ غفور الرحیم ہے
ہم سب ہیں درد مند وہ کل کا حکیم ہے
رحمان و مستعان و رؤف و حلیم ہے
اُس کے سوا بھلا کوئی ایسا کریم ہے
ایماں بھی دے مراد بھی دے عز و جاہ بھی
روزی بھی بخشے خلد بھی بخشے گناہ بھی

ماہی کو آب ماہ کو بخشا ہے قرص ناں
تاروں کو نقل شمس کو تنور آسماں
نرگس کو آنکھ، غنچہ کو گل سرو کو زباں
پتھر کو لعل ، کوہ کو بخشی شکوہ و شاں

قطرے کو دُر عطا کیا ذرے کو زر دیا
کیا خشک و تر کو فیض سے آسودہ کر دیا

کیا کیا بیاں کروں میں عنایات کبریا
پیدا پیمبروں کو پے رہبری کیا
ہم کو محمدؐ عربی سا نبیؐ دیا
بسم اللہ صحیفہ فہرستِ انبیاء
آگے جو ابنیائے ذوی الاقتدار تھے
محبوبؐ کردگار کے وہ پیشکار تھے

آفاق بہرہ ور ہوا حضرت کی ذات سے
آگاہ ذات نے کیا حق کی صفات سے
تصدیق حکم رب کی ہوئی بات بات سے
رفتار نے لگا دیا راہِ نجات سے
سیکھے طریقے قربِ خدا کے حضور سے
گمراہ آئے راہ پہ نزدیک و دور سے

سینوں سے سب کے دور ہوا درد بے دلی
باقی رہی نہ پیروں میں سستی و کاہلی
معراج ان کے ہاتھ سے اعجاز کو ملی
واں چاند ٹکڑے ہوگیا انگلی جویاں ہلی
انگلی سے دو قمر کیا کس جلال سے
غل تھا کہ قفل چاند کا کھولا ہلال سے

سر تا قدم لطیف تھا پیکر مثالِ جاں
اس وجہ سے نہ سایہ بدن کا ہوا عیاں
قالب میں سایہ ہوتا ہے پر روح میں کہاں
سایہ انھیں کا ہے یہ زمینوں پہ آسماں
معراج میں جو واردِ چرخ نہم ہوئے
سائے کی طرح راہ سے جبرئیل گم ہوئے

سایا میں ڈھونڈتا تھا رسولِ غیور کا
سائے کے بدلے مل گیا مضمون نور کا
قالب جو بن چکا ملک و جن و حور کا
تقسیم شیعوں میں ہوا یہ حضور کا
سائے سے ان کے شیعوں کے پُرنور دل بنے
دل بن چکے تو دیدۂ حق بیں کے تل بنے

ظلمت میں خضر کے لیے آب بقا ہوا انداز ایک سائے کا ہر جا نیا ہوا
اوج ہوا میں شاہوں کی خاطر ہما ہوا جنت میں چشم حور کا وہ طوطیا ہوا
بالعکس یہ مقولے ہیں اہل شعور میں
اندھیر ہے جو سایہ ہو خالق کے نور میں

محبوب سے ہمیشہ وصالِ خدا رہا سایہ بدن کا پاس ادب سے جدا رہا
سائے سے اپنے دور رسول ہدا رہا یہ عاشق خدا بھی خدا پر فدا رہا
دیکھو یہ باغ نظم جو رغبت ہو سیر کی
پرچھائیں تک نہیں یہاں مضمون غیر کی

آدھی تو اوڑھتے تھے اور آدھی بچھاتے تھے مصرف میں اک عبا کو شب و روز لاتے تھے
امت کے بھوکے رہنے کا خود رنج کھاتے تھے سائل کو اپنا قوت خوشی سے کھلاتے تھے
ناداروں کا قلق سے افاقہ پسند تھا
اپنا اور اپنی آل کا فاقہ پسند تھا

بیگانوں کے گلے سے زباں آشنا نہ کی لوح جبیں پہ سنگ لگا بد دعا نہ کی
بخشی شفا مریضوں کو اپنی دوا نہ کی اور عین عارضے میں نظر جز خدا نہ کی
شکرانہ عافیت پہ تحمل بلا پہ تھا
ہر حال میں نبی کو توکل خدا پہ تھا

کرسی ہے ان کی منبر نہہ زینہ فلک آدم ہے قبلہ اور ہے مسجود ہر ملک
حوروں کی آنکھیں فرش ہیں عرش علا تلک جاروبِ صحن خانہ ہے جبریل کی پلک
لطف خدا کا مومنوں پر اختتام ہے
ایسا نبیؐ ہے اور علیؑ سا امام ہے

اغیار لاف زن ہیں شہِ لافتا یہ ہیں اہل عطا میں تاج سرِ ہل اتا یہ ہیں
کافی ہے یہ شرف کہ شہِ قل کفا یہ ہیں خورشید انور فلکِ انما یہ ہیں

ممتاز گو خلیل رسولانِ دیں میں ہیں
کاشف ہے لو کشف یہ زیادہ یقیں میں ہیں

باطل ہر اک مذہبِ دیرینہ کردیا
سینوں سے غم دلوں سے جدا کینہ کردیا
لبریز حبِ حق سے ہر ایک سینہ کردیا
آئین دین و شرع کا آئینہ کردیا
روشن ہے یہ حدیث رسولؐ غیور سے
پیدا ہوئے ہم اور علیؑ ایک نور سے

حق سے کیا علیحدہ باطل کو یک قلم
کعبے سے بُت یقین سے شک عدل سے ستم
وحدت سے شرک، خیر سے شر دیر سے حرم
عصیاں سے توبہ کفر سے دیں، بخل سے کرم
ثابت ہر ایک قطعِ نے توحید کو کیا
چُن چُن کے مشرکوں کو تہِ تیغ دو کیا

مولا علیؑ امام علیؑ مقتدا علیؑ
دستِ خدا علیؑ ہے زبانِ خدا علیؑ
ہم کیا ہیں انبیاؑ کا ہے مشکل کشا علیؑ
مشکل میں سب کے منہ سے نکلتا ہے یاعلیؑ
ہر سمت بے عصا جو رواں چرخ پیر ہے
باعث یہ ہے کہ نامِ علیؑ دستگیر ہے

کعبے کو فخر اس شہِ گردوں نشیں سے ہے
ممتاز وہ ولادتِ سلطان دیں سے ہے
بیشک شرف مکان کا ذاتِ مکیں سے ہے
کرسی کا پایہ اوج پہ عرش بریں سے ہے
پر حق خانہ زادیِ حق کیا ادا کیا
مسجد میں روزہ دار نے سر کو فدا کیا

کعبے میں زیب دوش نبیؐ یہ امام ہے
ہمنام حق کا مہر نبوت مقام ہے
زیر نگیں جہاں ہے زمانہ غلام ہے
روشن اسی نگینے سے خاتم کا نام ہے
پوشیدہ حکم حق سے پیمبر جو ہوگئے
تکیہ خدا پہ کرکے یہ بستر پہ سوگئے

تھا قابلِ ولادت حیدرؑ نہ کوئی گھر کعبہ کیا خلیل نے تعمیر سر بسر
پایا خدا کے ہاتھ کو راغب جو تیغ پر آئی زمیں پہ عرش سے شمشیر شعلہ ور
قابل خدا کے ہاتھ کے بس ذوالفقار ہے
نو قبہ فلک سے چمک جس کی پار ہے

گیارہ اماموں کے ہیں پدر شاہِ ذوالفقار پر بارھواں امام ہے مہدیؑ نامدار
غیبت میں ان کے فیض سے ایماں ہے برقرار بدلی میں آفتاب ہے اور دن ہے آشکار
یوں اہل حق نے ان کو امام ہدا کہا
بن دیکھے جس طرح سے خدا کو خدا کہا

گو شیعوں پر ازل سے ہے افضال ذوالمنن پر اب محیط اعظم رحمت ہے موج زن
اس عہد کی بہار ہے غیرت وہ چمن شکر خدا سے غنچوں کا لبریز ہے دہن
یہ یمن تا جدارِ ظلِ الٰہ ہے
امجد علی سا شاہِ فلک بارگاہ ہے

شاہوں کی زیب ہوتی ہے تخت و کلاہ سے پر حسن تاج و تخت ہے اس بادشاہ سے
گویا خمیر لب کا ہے ذکرِ الٰہ سے مالوف سجدہ سر سے ہے سر سجدہ گاہ سے
سلطان کربلا کی ولا صاف دل میں ہے
سچے کی طرح یادِ خدا آب و گل میں ہے

عالم پناہ شاہِ زمان و ابو الظفر انجم سپاہ و بدر نگیں و فلک سیر
پرہیز گار و منصف و فیاض و دادگر مجتمع جمیع فضائل ملک سیر
شاہی کو بے عبادت حق بد سمجھتے ہیں
سجادہ نماز کو مسند سمجھتے ہیں

ہر اک صفت میں فخر سلاطین باسلف یکتائے عہد گوہر شہوار نہ صدف
آدم کا یہ خلف ہے خلف کا ہے یہ شرف سر تاج شیعیانِ جناب شہِ نجف

دُرِّ یتیم معدنِ خوش گوہری یہ ہیں
خورشید آسمانِ بلند اختری یہ ہیں

بازار ہو کہ شہر محل ہو کہ بوستاں ہر جا ہے روئے دل سوئے معبودِ انس و جاں
صانع نے رو بقبلہ بنایا ہے ہر مکاں اس گھر سے اہلِ بیت کا اخلاص ہے عیاں
ممتاز اس قدر ہیں خدا کی جناب میں
آیا ہے لفظ قبلہ عالم خطاب میں

سن کر سوال دیتے ہیں یوں سیم و زر شتاب جس طرح سے کلام کا بیساختہ جواب
داد و دہش ہے دولتِ دنیا کی بے حساب خمس و زکوۃ سے بھی زمانہ ہے فیضیاب
حضرت کے اس عطیہ پہ ہم جان دیتے ہیں
بے دینوں کو یہ دین اور ایمان دیتے ہیں

سُبحے سے رازِ حق سرِدست آشکارہ ہے ہر دم مشیر شاہِ زماں استخارہ ہے
پردے میں امر و نہی خدا کا اشارہ ہے دانا کو دل سے ان کی اطاعت گوارہ ہے
ظاہر میں بادشہ کی رضا پر عمل کیا
باطن میں خاص حکم خدا پر عمل کیا

یہ جنس معدلت سے ہے معمور ہر دکاں دلّال کی جگہ نہیں سودے کے درمیاں
ہر شے کا فائدے سے مبدل ہوا زیاں سم رشک زہر مہرہ ہے اور نیش نوش جاں
اس عہد میں فساد کا زور بدن گیا
فتنہ بدل کے اپنا اثر عطر بن گیا

خارِ جفا سے راستوں کو صاف کردیا نوشیرواں کو قائل انصاف کردیا
بس عین عدل قاف سے تا قاف کردیا دنیائے دوں کو تابعِ اشراف کردیا
چہرہ ستم کا ہے نظری اہل دید میں
اب ظلم چھپ کے بیٹھا ہے قبر یزید میں

وہ دن گئے کہ کرتی تھی اندھیر چاندنی
اب قصرِ زخم میں ہے بچھانے کی چاندنی
سوزن برائے بخیہ کرن چاندنی کی بنی
رہزن ہر ایک راہ میں بھولے ہیں رہزنی
ہر فعل ناسزا کی سزا بے دریغ ہے
رہزن کے کونچے کاٹنے کو راہ تیغ ہے

ہر شب ہے روز عید عجب روزگار ہے
انصاف سر بلند ہے کیا تاجدار ہے
اقبال یار شہر ہے کیا شہریار ہے
اس لطف پر یہ رحمتِ پروردگار ہے
عالم وہ ہیں کہ قدرتِ رب آشکار ہے
ہاتھوں سے جن کے مذہب حق پائدار ہے

اول تو جنابِ مجتہد العصر و الزماں
بسم اللہ صحیفۂ آیات عزو شاں
خضرِ زمانہ مرجع ساداتِ و مومناں
سلطانِ عالماں سند معنی و بیاں
چشم و چراغِ مجلس عالم جمال میں
خاص الخلاصۂ بنی آدم کمال میں

بابش علیؑ و ختم رُسل جد امجد ست
اِسمش جنابِ حضرت سید محمد ست
در راستی چو حرفِ نخستن ابجد ست
بالا نشینِ منبر و ایوان و مسند ست
ایمن شد است شہرز طورِ جمالِ او
اے من فدائے نورِ چراغ کمالِ او

ناجی وہی ہیں ان سے جنھیں اعتقاد ہے
وہ اعتقاد شیعوں کو زادالمعاد ہے
ارشدا وہ بجا ہے کہ اللہ شاد ہے
خیر الجہاد ان کے لیے اجتہاد ہے
شیعوں کو کہیے قبلہ شناس اس بیان سے
کہتے ہیں ان کو قبلہ و کعبہ زبان سے

بعد اِن کے سیّد العلما مجمع علوم
خاصانِ ذوالجلال میں کالبدر فی النجوم
اک طبع پاک اور شغلِ نیک کا ہجوم
اس پر بھی ہے وفور نوازش علی العموم

دنیا کے فخر دین کے بھی زیب و زین ہیں
وجہ حسن یہ ہے مسمّی حسینؑ ہیں

معنی حلم و لفظ حیا ، آیۂ کرم   تقویٰ و زہد و عدل و ورع سر سے تا قدم
انصاف کھا رہا ہے مرے قول پر قسم   مطلوب دادِ نظم ہے نے شہرۂ رقم
واقف ہے کبریا کہ دروغ و ریا نہیں
مقصد کوئی رضائے خدا کے سوا نہیں

قدرت خدا کی شکل بشر میں فرشتہ ہے   کیسا فرشتہ ان کو پیمبر سے رشتہ ہے
رگ رگ بدن کی سبحہ طاعت کا رشتہ ہے   جاری بلادِ شرع میں ان کا نوشتہ ہے
دامن قلم کا پاک حروفِ غلط سے ہے
روشن سوادِ کشورِ دیں ان کے خط سے ہے

یہ دونوں مقتدا ہیں یہ دونوں ہیں خضر راہ   بحرینِ علم و فضل و جلال و وقار و جاہ
سعدین برجِ صنع خدا قدرت الٰہ   اور مشرقین ملک ہدایت کے مہر و ماہ
ثابت ہے ان کے حلم سے یہ مومنین پر
دو قطب آسماں پہ ہیں دو ہیں زمین پر

حق الیقیں ہے ہم کو کہ پاک ان کی ذات ہے   چشمِ کرم مترجم عین الحیات ہے
دیدارِ پاک شرحِ کتاب الصلوٰۃ ہے   اخلاق وہ کہ مطلب تہذیب بات ہے
روشن ہے ان پہ جو ہیں مقر اصل وفرع کے
جوشن ہیں دو یہ بازوئے ایمان و شرع کے

اس عہد میں جلال ووقار وشرف ہے کیا   قدر ان کی عہد مہدی ہادی میں دیکھنا
اب گوشِ دل لگا کے سنیں راسخ الولا   رویائے معتبر کا سناتا ہوں ماجرا
اس خواب شب سے صبح الیقیں آشکارہ ہے
ہرگوشِ اعتقاد کا یہ گوشوارہ ہے

حاجی کعبہ زائر معبود پنجتن مرزا علی ولی علی عمدہ زمن
یوں زمزم مقال سے تر کرتے ہیں دہن ہجرت کے تھے ہزار دو صد اور ساٹھ سن
صبح مراد نیمہ شعباں کی رات تھی
آب و ہوائے کعبہ سے تازہ حیات تھی

روشن ہوئی جو مشعل پُرنور آفتاب آیا حرم سے وادیِ تنعیم میں شتاب
بخشی بدن کو غسلِ طہارت سے آب و تاب احرام باندھتے ہی کھلا عقدہ ثواب
لبیک زن رواں سوئے بیت الحرم ہوا
یاں تک کہ داخل حرم محترم ہوا

عمرِ کہن ہوئی عمل عمرہ سے جدید پھر وہ پڑھیں دعائیں کہ جو ہیں بہت مفید
پڑھتے ہیں جو شبِ عرفہ حاجی سعید اور بعد ازاں زیارت شاہنشہ شہید
جس شاہ کا جہاز تباہی میں آگیا
کعبے سے عرفہ کو جو سوئے کربلا گیا

باقی تھی نصف رات کہ آیا میں اپنے گھر اور بعض ادعیہ وہ پڑھے خواب گاہ پر
جن کے اثر سے خوابِ سعید آتے ہیں نظر اور ہوتے ہیں جمالِ ائمہ سے بہرہ ور
پڑھتا ہوا دعائیں یہ بندہ تو سوگیا
لیکن نصیب خواب کا بیدار ہوگیا

کیا دیکھتا ہے خواب میں بندہ خدا گواہ آندھی ہے وہ سیاہ کہ اللہ کی پناہ
آتا ہے یاد حشر کا دن خلق ہے تباہ میرا بھی بند بند ہے لرزاں دم نگاہ
ناگہ گھٹا کے پردے میں حق کا کرم بڑھا
آگے نہ پھر ہوائے سیہ کا قدم بڑھا

بارانِ رحمتِ احدی دُرفشاں ہوا اور کوئی شخص کعبے سے اُس دم عیاں ہوا
آکر غریب خانہ پہ رطب اللساں ہوا اے بے خبر ظہورِ امام زماں ہوا

کیا کیا محبّ رکابِ امام اُمم میں ہیں
میں نے کہا کہاں وہ پکارا حرم میں ہیں

بندہ چلا حرم کو اسی طرح باحواس یعنی بدن میں تھا وہی احرام کا لباس
مسجد میں جاکے پایا مسلمانوں کو اُداس دیکھے گروہ چار مصلوں کے آس پاس
ہر فرقہ اپنے ہادیِ مرشد کے سات ہے
اور انتظار حکم شہ کائنات ہے

بندے نے اس خیال میں ہر سو اٹھایا سر یارب ترے علیؑ کے موالی ہیں یاں کدھر
ناگہ عجم کے کچھ عُلما آئے واں نظر ہیں جمع زیر منبرِ اقدس ادھر اُدھر
فی الفور اُس گروہ میں میں خستہ دل گیا
یہ حق شناس حق کی جماعت میں مل گیا

پوچھا امام عصر کو تو سب نے یہ کہا جس مدرسے میں محکمہ عدل ہے بپا
دوڑا میں اُس طرف کو تو یہ غلغلہ اٹھا آتا ہے کوئی شخص بحکم شہِ ہدا
دیکھا تو صاف رحمتِ باری نمود ہے
کعبے میں سیّد العلما کا ورود ہے

کپڑے سفید، سبز عصا، ہاتھ میں نمود خادم بھی ایک ساتھ ہے ان کے دمِ ورود
پاس اس کے دست پاک ہے اور شانہ کبود کنٹھا وہ خوشنما کہ پڑھیں جس پہ سب درود
ساعت وہ نیک جس سے عیاں خوش دلی ہوئی
وقت ظہور سے وہ گھڑی تھی ملی ہوئی

احقر جو دست بوس ہوا اُس جناب کا فرمایا تم بھی پہنچے بتائید کبریا
بندے نے کی یہ عرض کہ اے میرے پیشوا خادم کا اعتقاد تو پہلے ہی سے یہ تھا
کیا شاد اس گھڑی دلِ رنجور ہوگیا
حضرت جو پاس آئے تو غم دور ہوگیا

آہستہ آپ نے یہ کہا اے خوش اعتقاد — اس دم کیا ہے قبلہ و کعبہ نے تجھ کو یاد
واں سے جو مدرسے میں گیا بندہ شاد شاد — دیکھی ترقی قمرِ برجِ اجتہاد
ہمسائیگی ہے مہدیِ عالی مقام سے
کل فاصلہ ہے اک درجہ کا امام سے

ارشاد مجھ سے قبلہ و کعبہ نے یہ کیا — تنہا ہیں سید العلما ان کے پاس جا
ہمراہ ہوں فصیح بھی اس دم تو ہے بجا — ناگاہ گوش زد ہوئی بالا سے یہ صدا
کافی خدا ہے ان کی حمایت کے واسطے
بھیجا ہے ان کو ہم نے ہدایت کے واسطے

ہیں آج وہ غنی مدد خاص و عام سے — پایا ہے حکم نائبِ خیرالانام سے
تلقین کو گئے ہیں رضائے امام سے — عقدے کھلیں گے سب شہِ مرداں کے نام سے
کانوں میں یہ صدا تھی کہ جو آنکھ وا ہوئی
اور ساتھ ہی اذانِ سحر جابجا ہوئی

کیوں مومنو سنا علما کا جلال و جاہ — خوش باطنوں کو اس میں نہ شک ہے نہ اشتباہ
پر وہم و وسوسہ کو ہے جن کے دلوں میں راہ — دیکھیں نظائر اس کے کریں غور سے نگاہ
لازم ہے سعی قربِ الٰہی کے واسطے
توقیع ہے مفید گواہی کے واسطے

واضح یہ اک دلیل ہے توقیع کے سوا — یوں حالِ میر باقرِ داماد ہے لکھا
حیرت تھی اُن کو چند مسائل میں بارہا — اک قافلے نے شقۂ مہری انھیں دیا
ہر مسئلہ کا اُس میں مفصل جواب تھا
سطریں کرن تھیں اور ورق آفتاب تھا

پڑھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے تعظیم کے لیے — سر پر کبھی دھرا اُسے بوسے کبھی لیے
راقم کے نام کے جو نشاں مہر نے دیے — سیّد نے پتلیوں کے نگینے فدا کیے

تقہ عجب طرح کا ملا کاروان سے
گویا کہ آئی وحی خدا آسمان سے

پوچھا، تو اہلِ قافلہ نے یہ کیا کلام گھر اپنے کربلا سے پھرے جبکہ خاص و عام
رستے میں اک جوان نے ہم کو کیا سلام یہ نامہ دے کے ہم کو بتایا تمھارا نام
صولت میں شیرِ حق تھے سراپا جواں تھے وہ
یہ مسکرا کے بولے امام زماں تھے وہ

اب شیعوں کی جناب میں میرا ہے یہ سوال جن کے سبب سے مرتبہ بخشے یہ ذوالجلال
کیا قہر ہے ذلیل کریں اُس کو بد خصال مہلت نہ حج کی پائے رسولؐ خدا کا لال
کیوں عرشِ کبریا نہ گرا اس گناہ پر
تلوار، بوسہ گاہِ رسالت پناہ پر

خاصانِ ذوالجلال اور انبوہِ عام میں سیدانیاں مدینے کی بازارِ شام میں
سر ننگے اہلِ بیت عزائے امام میں اور اہلِ کوفہ شادیوں کے اہتمام میں
عاشور کا وہ دن ہے کہ سب خلق روتی ہے
کعبے میں ہائے آج تلک عید ہوتی ہے

بس اے دبیرؔ طولِ سخن کو نہ دے زیاد آباد لکھنؤ کو رکھے خالقِ عباد
والیِ ملک حافظ جاں ہے بہ عدل وداد عالم ہیں وہ کہ حافظِ ایمان و اعتقاد
یارب ظہورِ مہدیِؑ ہادی شتاب ہو
دیدار سے ہر ایک محبّ فیضیاب ہو

○

○

کیا قامتِ زہراؑ و علیؑ زیبا ہیں
بے شک ایمان کی دو الف اک جا ہیں
ان دونوں کے فرزند ہیں گیارہ معصومؑ
جیسے دو الف سے یازدہ پیدا ہیں

○

''ح'' نام میں ہے حق کی حمایت کے لیے
اور ''س'' ہے سائل سے سخاوت کے لیے
ہیں نام حسینؑ میں بھی کیا خوب حروف
''ی'' ''ن'' ہے تاریخ شہادت کے لیے

سلام

اے مجرئی جو اشک مری چشمِ تر میں ہے
ایسا گہر کہاں کسی سلکِ گہر میں ہے

سمجھو نہ وقتِ صبح شفق گردِ آفتاب
خونِ حسینؑ طائرِ زریں کے پر میں ہے

سینے میں نیزہ حلق پہ خنجر زباں پہ شکر
یہ حلم جز حسینؑ بھلا کس بشر میں ہے

طوفاں اُٹھا ہے آبِ دمِ ذوالفقار سے
ہستیِ اہلِ ظلم کی کشتی بھنور میں ہے

ہے گشت میں حسینؑ کا مرکب جو دشت میں
عزمِ رواں رُکی ہوئی فوجِ عمر میں ہے

شمشیرِ شہؑ کی خوف سے سب کا اڑا ہے رنگ
جوہر نہ تیغ میں ہے نہ روغن سپر میں ہے

لرزاں ہیں غرب وشرق نہ یوں برق بھی ہو غرق
یہ تیغ گاہ خود میں اور گاہ سر میں ہے

چھپتا ہے سر گلے میں گلا سب کا سینے میں
سینہ بھی دل بھی جان بھی خوف وخطر میں ہے

کیسی کمر کہ ڈھونڈتی ہے تیغ جس کا تن
تقدیر عرض کرتی ہے وہ تو سقر میں ہے

حُر نے کہا کہ ہاں حق و باطل ہے آئینہ
میرا مقام خلد میں تیرا سقر میں

میں حیدری ہوں اور تو یزیدی ہے او شقی
کب ربط نور و نار میں اور خیر وشر میں ہے

میں پیروِ امامؑ تو محکومِ میرِ شام
تفریق صدق و کذب میں عیب و ہنر میں ہے

پوچھا عمر نے کیا ہوسِ گنجِ زر نہیں
حُر نے کہا کہ گنجِ شہیداں نظر میں ہے

آئی ندائے غیب ہوا خاتمہ بخیر
اے حُر تری جگہ دلِ خیر البشرؐ میں ہے

حسرت چراغِ قبر کی ہم کو نہیں دبیرؔ
داغِ غمِ حسینؑ کا جلوہ جگر میں ہے

بلقیس پاسباں ہے یہ کس کی جناب ہے

بلقیس پاسباں ہے یہ کس کی جناب ہے
مریم درود خواں ہے یہ کس کی جناب ہے
شان خدا عیاں ہے یہ کس کی جناب ہے
دہلیز آسماں ہے یہ کس کی جناب ہے

کرسی زمیں سے لیتی ہے گوشے پناہ کے
بیٹھا ہے عرش سایہ میں اس بارگاہ کے

حورانِ ہشت خلد ہیں اک اہتمام کو
دارالسلام در پہ جھکا ہے سلام کو
سجدہ یہیں حلال ہے بیت الحرام کو
سورج نثار صبح کو ہے چاند شام کو

دیکھا کریں کھڑے ہوئے اس آستان کو
یاں بیٹھنے کا حکم نہیں آسمان کو

صحرائے لامکاں کی فضا اس سے تنگ ہے
جنت کا نام اس کی بزرگی کا ننگ ہے
فضل خدا کے سایہ کا ہر جا پہ ڈھنگ ہے
یاں دھوپ میں بھی کاغذ ابری کا رنگ ہے

زائر کو اس حریم کے عیش و نشاط ہے
اس کا بچھونا رحمت حق کی بساط ہے

عفت پکارتی ہے مقام حجاب ہے
شیعو جناب فاطمہ کی یہ جناب ہے
حوا و آسیہ کا یہ باہم خطاب ہے
زہراؑ کے رعب و دبدبے سے زہرہ آب ہے

جاری ہے منہ سے جاریۂ فاطمہؑ ہیں ہم
مخدومہ جہاں کی وہ اک خادمہ ہیں ہم

ہر خشت روضہ دفتر حکمت کی فرد ہے
معدوم یاں زمانے کا ہر گرم و سرد ہے
یاں غم کا ہے غبار نہ کلفت کی گرد ہے
پر صاحب رواق کے پہلو میں درد ہے

ہم تم یہ جانتے تھے کہ سوتی ہیں فاطمہؑ
اس کی خبر نہیں ہے کہ روتی ہیں فاطمہؑ
شان خدا ہے صلی علیٰ شان فاطمہؑ حیدرؑ کی جا نماز ہے دامانِ فاطمہؑ
روزہ ہر ایک روز ہے مہمان فاطمہؑ کہتی ہے عید فطر میں قربان فاطمہؑ
بہر نماز قوت کی تقلیل کرتی ہیں
تسبیح حق میں آپ کو تہلیل کرتی ہیں
مدہوش ہیں فضائل زہرا میں چشم و گوش خود بے لباس اور خلائق کی پردہ پوش
عُسرت سے بیحواس مگر یاد حق کا ہوش فاقہ سے چہرہ خشک پہ دریادلی کا جوش
مستغنی المزاج ہیں عالم نواز ہیں
زیور سے مثل ذات خدا بے نیاز ہیں
باغ فدک جو غصب ستمگار نے کیا تپ کو مطیع فاطمہؑ غفار نے کیا
حاکم ہر ایک درد کا مختار نے کیا زہراؑ نے جو کہا وہ ہر آزار نے کیا
صادق سے اس بیان کی صحت حصول ہے
روشن دعائے نور سے شان بتولؑ ہے
رخ جلوہ گار قدرت پروردگار ہے دل راز دار خلوت پروردگار ہے
سرجاں نثار رحمت پروردگار ہے تن خاکسار طاعت پروردگار ہے
تسبیح سے عیاں شرف فاطمہؑ ہوا
ذکر خدا کا فاطمہؑ پر خاتمہ ہوا
باغوں میں خُلد نہروں میں کوثر ہے انتخاب قبلوں میں کعبہ مصحفوں میں آخری کتاب
تاروں میں آفتاب مبین پھولوں میں گلاب سب عورتوں میں فاطمہؑ مردوں میں بو تراب
شاہ زمانِ وقت مسیحا کی ماں ہوئیں
زہراؑ ہر ایک عصر میں شاہ زناں ہوئیں

الفت خدا کے بعد حبیب خدا کی ہے　　منصف کے آگے یہ بھی ملا کبریا کی ہے
پروا نہ فاقہ کی نہ شکایت جفا کی ہے　　ایذا فقط جدائی خیر الوریٰ کی ہے
آب وغذا کی فکر نہ سونے کا دھیان ہے
آنکھوں میں شکل باپ کی رونے کا دھیان ہے

کچھ نوش کرلیا جو کسی نے کھلا دیا　　لیکن عزا میں کچھ نہ غذا نے مزا دیا
غش میں کسی نے آکے جو پانی پلا دیا　　قطرہ پیا اور آنکھوں سے دریا بہا دیا
نسبت ہے کس سے فاطمہؑ کے شور وشین کو
زہراؑ کے بعد روئی ہیں زینبؑ حسینؑ کو

سن کم قلق زیادہ قلق سے فغاں سوا　　سینہ سے دل تو دل سے جگر ناتواں سوا
رونے سے چشم پاک ہوئی خوں فشاں سوا　　تپ وہ کہ نبضوں سے طپش استخواں سوا
جب فاطمہؑ نے ہائے پدر کہہ کے آہ کی
ہلنے لگی ضریح رسالتؐ پناہ کی

فضہ کنیز فاطمہؑ کرتی ہے یہ بیاں　　گھر سے ہوا جنازہ پیمبرؐ کا جب رواں
بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی مخدومۂ جہاں　　اک ہفتہ رات دن رہیں حجرے میں نیم جاں
دیکھا جو میں نے جھانک کے تو آنکھ بند ہے
آواز آہ آہ کی دل سے بلند ہے

بیٹے پکارتے ہیں کہ للّٰہ باہر آؤ　　اماں نہ اتنا روؤ غلاموں پہ رحم کھاؤ
نانا کہاں گئے ہیں بلالائیں ہم بتاؤ　　ہم گرتے پھاڑتے ہیں نہیں تو گلے لگاؤ
نانا کے بعد ہائے یہ بے قدر ہم ہوئے
سب اِک طرف حضور کے بھی پیار کم ہوئے

ہمسائیاں یہ کہتی ہیں اے عاشق پدر　　دیدار مصطفےٰ تو ہے موقوف حشر پر
ان کے عوض تو اپنی زیارت سے شاد کر　　حجرے میں پیٹتی ہے یہ کہہ کر وہ نوحہ گر

اب میں ہوں اور ہر ایک حقارت ہے صاحبو
مجھ بے پدر کی خاک زیارت ہے صاحبو

القصہ بعد ہفتہ کے دن آٹھواں ہوا اور نیل پوش ظلمت شب سے جہاں ہوا
یاں مہر برج حجرۂ ماتم عیاں ہوا پر اس طرح کہ مردہ کا سب کو گماں ہوا
یہ شکل ہوگئی تھی عزا میں رسولؐ کی
پہچانی بیٹوں نے نہ صورت بتولؑ کی

وہ وقت شام اور وہ اندھیر ادھر اُدھر ششدر ہر ایک رہ گیا منہ دیکھ دیکھ کر
زینب نے جا کے حجرہ میں ڈھونڈھا بچشم تر چلائی وہ کہ ہائے نکل جاؤں میں کدھر
ماں میری کیا ہوئیں میں قلق سے ملول ہوں
مڑ کر پکاریں آپ میں ہی تو بتول ہوں

فضہ بیان کرتی ہے اُس وقت کا یہ حال تن زار ہو کے بن گیا تھا صورت ہلال
ماتم کے نیل سینے پہ رونے سے آنکھیں لال منہ زرد ہونٹ خشک پریشان سر کے بال
روتی چلیں مزار رسولؑ انام کو
جس طرح شمع گور غریباں ہو شام کو

اندھیر فاطمہؑ کے نکلنے سے ہوگیا طوفان نوح اشکوں کے ڈھلنے سے ہوگیا
برہم زمانہ ہاتھوں کے ملنے سے ہوگیا عاجز فلک بھی راہ کے چلنے سے ہوگیا
حوا کفن سے قبر میں منہ ڈھانپنے لگی
آدم لحد میں تڑپے زمیں کانپنے لگی

جز اشک دونوں آنکھوں میں ہر شے تھی خار خار گر کر ردا الجھتی تھی قدموں سے بار بار
تھا ماتمی قبا کا گریبان تار تار دل تھا ضعیف و زار یہ روتی تھی زار زار
جب آہ کی تو چار طرف بجلیاں گریں
تھرا کے یاں گریں کبھی غش کھا کے واں گریں

قدسی کھڑے تھے عرش معلی کے آس پاس تسبیح کی خبر تھی نہ تہلیل کے حواس
دوزخ جدا خروش میں مالک جدا اداس غلمان و حور و جن و پری پر ہجوم یاس
غل تھا کہ سب کے دل کو ہلاتی ہیں فاطمہؑ
قبر رسولؐ پاک پہ آتی ہیں فاطمہؑ

رستہ سے لوگ فضہ نے بڑھ کر ہٹادیے ہمسایوں نے غرفوں کے پردے گرا دیے
مردوں کے منہ پہ دوڑ کے دامان اوڑھا دیے سب نے چراغ اپنے گھروں کے بجھا دیے
کہتی تھیں فاطمہؑ کے پدر کا یہ شہر ہے
نامحرموں نے بی بی کو دیکھا تو قہر ہے

یثرب میں وقت شام یہ زہرا کا تھا ادب دن کو پھرایا بلوبیمین زینب کو ہے غضب
القصہ آئی قبر پہ وہ کشتہ تعب پر کس گھڑی کہ ہلتی تھی قبر رسول رب
تربت کے گرد پھرنے سے طاقت جو گھٹ گئی
لے کر بلائیں قبر سے زہراؑ لپٹ گئی

چلائی آہ واہ ابتاوا محمدا نور الٰہ وا ابتاوا محمدا
شاہوں کے شاہ وا ابتاوا محمدا وا سیداہ وا ابتاوا محمدا
بابا بتول آئی ہے تسلیم کے لیے
اٹھیے یتیم بیٹی کی تعظیم کے لیے

گزرے ہیں آٹھ دن کہ زیارت نہیں ہوئی اس بے نصیب سے کوئی خدمت نہیں ہوئی
منبر ہے سونا وعظ و نصیحت نہیں ہوئی مسجد میں بھی نماز جماعت نہیں ہوئی
حضرت کے منہ سے وحی خدا بھی نہیں سنی
جبریل کے پروں کی صدا بھی نہیں سنی

حجرہ وہی ہے گھر ہے وہی ایک تم نہیں تارے وہی قمر ہے وہی ایک تم نہیں
شب ہے وہی سحر ہے وہی ایک تم نہی ہے ہے یہ بے پدر ہے وہی ایک تم نہیں

دیتے ہیں سب دعا کہ شفا پائے فاطمہؑ
اور فاطمہؑ یہ کہتی ہے مرجائے فاطمہؑ

تسلیم میری اے پدر نامدار لو　　تربت پہ اپنی تم مجھے صدقے اتار لو
قربان تم پہ ہوں خبر دل فگار لو　　مشتاق ہوں کہ فاطمہؑ کہہ کر پکار لو
پوچھو یہ تم مزاج تمھارا بخیر ہے
لونڈی کہے کہ حال جدائی سے غیر ہے

دل کس کا غم میں آپ کے نوحہ کناں نہیں　　وہ کون گھر ہے جس میں کہ آہ و فغاں نہیں
آنسو وہ کون ہے جو مسلسل رواں نہیں　　امت پہ آپ سا کوئی اب مہرباں نہیں
خالق کے بعد بندوں کے جو کچھ تھے آپ تھے
بیوؤں کے پردہ دار یتیموں کے باپ تھے

خواہاں ہر ایک دم رہے امت کے چین کے　　کی مہر تم نے قتل پہ میرے حسینؑ کے
احساں ہیں شیعوں پر نبی مشرقین کے　　نعرے بلند کرتے ہیں سب شور و شین کے
بے حشر کے تمھاری زیارت نہ ہوئے گی
ہوگی وہ کون آنکھ جو تم پر نہ روئے گی

آساں پسر کا داغ ہے مشکل پدر کا داغ　　وہ کچھ دنوں کا داغ ہے یہ عمر بھر کا داغ
یہ تن بدن کا داغ ہے وہ اک جگر کا داغ　　پیدا ہوا پسر تو مٹا اُس پسر کا داغ
اولاد کا بدل ہے پدر کا بدل نہیں
یہ درد وہ ہے جس کی دوا جز اجل نہیں

اور باپ بھی وہ باپ کہ سرتاج انبیا　　نور خدا جلال خدا رحمتِ خدا
روز ازل سے تا بہ ابد کل کا پیشوا　　بیٹی پہ صدقے بیٹی کے بچوں پہ بھی فدا
کیونکر نہ اپنی موت مجھے اب قبول ہو
دنیا میں ایسا باپ نہ ہو اور بتول ہو

کیا سو رہے ہو قبر میں تنہا جواب دو چلا رہی ہے آپ کو زہراؑ جواب دو
مولا جواب دو مرے آقا جواب دو دل مانتا نہیں میں کروں کیا جواب دو
بولو میں صدقہ جاؤں بہت دل ملول ہوں
بابا بتول ہوں میں تمھاری بتول ہوں

پھرتے تھے جب سفر سے میرے پاس آتے تھے لونڈی سے بے ملے کبھی باہر نہ جاتے تھے
فاقہ مرا جو سنتے تھے کھانا نہ کھاتے تھے جو جو میں ناز کرتی تھی حضرت اٹھاتے تھے
کیسی حقیر بعد رسول کریم ہوں
در یتیم آگے تھی اب تو یتیم ہوں

بابا اذاں بلال کے منہ کی مجھے سناؤ بابا نمازی آئے ہیں مسجد میں تم بھی جاؤ
بابا وصی کو اپنے بلاکر گلے لگاؤ بابا نواسے ڈھونڈتے پھرتے ہیں منہ دکھاؤ
اک اک گھڑی پہاڑ ہے مجھ دل ملول کو
بابا کہو بلاؤگے کس دن بتول کو

پھرتی ہے یاں سکینہ کی عزت نگاہ میں زہراؑ نبی کی قبر پہ تھی اشک و آہ میں
آئے جو اونٹ بیوؤں کے مقتل کی راہ میں بے ساختہ سکینہ گری قتل گاہ میں
بیداد اہل ظلم نے کی شور و شین پر
رونے دیا نہ بیٹی کو لاش حسینؑ پر

القصہ فاطمہؑ ہوئی بیہوش قبر پر زینبؑ کے پاس دوڑی گئی فضہ ننگے سر
زینبؑ نے پوچھا خیر تو ہے بولی پیٹ کر جامہ نبی کا دو تو سنگھاؤں میں نوحہ کر
ہمسائیاں ہیں گرد ہراساں کھڑی ہوئیں
بی بی کی اماں جان ہیں غش میں پڑی ہوئیں

نانا کا خاص جامہ نواسی نے لادیا فضہ نے جاکے بی بی کو غش میں سونگھا دیا
خوشبو نے اس کی روح کو ایسا مزا دیا جامہ پہ بوسہ فاطمہ نے جا بجا دیا

پڑھ کر درود بات سنائی وہ یاس کی
جو بیبیاں تڑپنے لگیں آس پاس کی

وہ یہ سخن ہے آہ پکاری وہ بے پدر یعقوب نے جو سونگھا تھا پیراہن پسر
یوسف کے دیکھنے کی توقع تھی کس قدر میری امید قطع ہے بابا سے عمر بھر
پوچھوں کہاں تلاش کروں کس دیار میں
یوسف تو میرا سوتا ہے لوگو مزار میں

رونے لگیں یہ کہہ کے وہ خاتون نیک ذات گھر میں زنان ہاشمیہ لائیں ہاتھوں ہات
کافر بھی رحم کھائے جو دیکھے یہ واردات امت کا اب سلوک سنو فاطمہؑ کے سات
نظروں سے نورِ چشم نبی کو گرادیا
دروازۂ علیؑ ولی کو گرادیا

آگے نہ سن سکیں گے غلامان فاطمہؑ در کے تلے بلند ہے افغان فاطمہؑ
کیا وقت بے کسی ہے میں قربان فاطمہؑ رکتی ہے سانس ہونٹوں پہ ہے جان فاطمہؑ
محسن جدا تڑپتا ہے پہلو میں دل جدا
ماں مضمحل جدا ہے پسر مضمحل جدا

سہمے ہوئے حسینؑ و حسن پاس آتے ہیں دروازہ ننھے ہاتھوں سے مل کر اٹھاتے ہیں
گھبرائیو نہ والدہ یہ کہتے جاتے ہیں اٹھتا نہیں جو در تو علی کو بلاتے ہیں
زہراؑ پکارتی تھی وصی رسولؐ کو
اے ابن عم کہاں ہو بچاؤ بتولؑ کو

سن کر یہ استغاثہ خاتون دوسرا یوں دوڑے مرتضیٰ کہ گری دوش سے عبا
دروازے کو اٹھایا تو اے وا مصیبتا پہلو شکستہ لاشہ محسن جدا ملا
دریا لہو کے دیدۂ حق بیں سے بہہ گئے
اللہ رے صبر شکر خدا کرکے رہ گئے

اس پر بھی ظالموں نے نہ خوف خدا کیا سامان قتل نائب خیرالورا کیا
انبوہ گرد حضرت مشکل کشا کیا اچھا علاج پہلوئے خیر النسا کیا
گھر سے کنندۂ در خیبر کو لے چلے
رسّی گلے میں باندھ کے حیدر کو لے چلے

بولا فلک میں بندۂ احساں ہوں یا علیؑ قدرت پکاری تابع فرماں ہوں یا علیؑ
کی عرض موت نے میں نگہباں ہوں یا علیؑ دل نے کہا میں صبر کا خواہاں ہوں یا علیؑ
بیجا نہیں گلے میں گرہ ریسماں کی ہے
ہشیار یا علیؑ یہ گھڑی امتحاں کی ہے

کیا کیا گلا رسن میں گھٹا دم خفا ہوا پر شکر حق میں بند نہ مشکل کشا ہوا
غُل تھا خدا کا شیر اسیر جفا ہوا خیر الامم کے مرتے ہی ہے ہے یہ کیا ہوا
رسی گلے میں ہے ستم تازہ دیکھنا
ایمان کی کتاب کا شیرازہ دیکھنا

پہنچا جو بزم کفر میں وہ دیں کا کبریا دیکھا نبی کی قبر کو اور آیا یہ پڑھا
موسیٰ کے آگے وِرد جو ہارون نے کیا نکلا لرز کے پنجۂ خورشید برملا
اعجاز سے رسولؐ کے روشن جہاں ہوا
یعنی لحد سے دست مبارک عیاں ہوا

آئی ندا ارے یہ ہمارا وزیر ہے حیدر نہیں اسیر پیمبر اسیر ہے
تم سب غلام ہو یہ تمھارا امیر ہے کیا قہر ہے کہ دست خدا دستگیر ہے
شر کرتے ہو برادر خیر الورا سے تم
کیوں بُت پرستو پھر گئے آخر خدا سے تم

ہم نے غدیر خم میں کیا تھا وصی کسے کہتی ہے خلق صاحب ناد علی کسے
مشکل کے وقت ڈھونڈتے تھے سب نبی کسے قدرت ہے یہ سوائے علی ولی کسے

اول مدد سے خوش دل آدم کو کردیا
پھر غم سے تم کو تم سے جدا غم کو کردیا
کعبہ میں کس نے پہلے اذان دی ہے برمحل سویا ہے کون فرش پہ میرے مری بدل
کس بندہ کا خدا کے لیے ہے ہر اک عمل کس کی عطا کا عقدہ ہوا ہل اتنے سے حل
توریت میں خدا نے انوشنطیا کہا
انجیل میں جو نام لیا ایلیا کہا
تشریح قل کفٰی کی ہے کیا مرتضٰی علی تصریح انما کی ہے کیا مرتضٰی علی
تفسیر لافتا کی ہے کیا مرتضٰی علی تاثیر ہر دعا کی ہے کیا مرتضٰی علی
گنجینہ علوم خداداد کون ہے
جبرئیل سے فرشتے کا استاد کون ہے
سب سن رہے تھے یہ کہ ہوا حشر جابجا دیکھا زنان ہاشمیہ ہیں برہنہ پا
اور ام سلمہ زوجۂ پیمبر خدا پہلو سنبھالے فاطمہ کا وا مصیبتا
زہراؑ خموش آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے
جامہ رسولؐ پاک کا سر پر دھرے ہوئے
پہنچیں قریب حاکم ظالم جو وہ جناب لہجے میں مصطفٰے کے کیا اس نے یہ خطاب
آ ہوش میں کہ صابروں کو اب نہیں ہے تاب ہاں بال کھولتی ہوں الٹتی ہوں میں نقاب
دنیا تباہ ہوگی مرا گھر تو لٹ گیا
بس بس بہت گلا مرے والی کا گھٹ گیا
کانپی یہ سن کے مسجد پیمبرؐ خدا دیواریں سب زمیں سے یکایک ہوئیں جدا
تعظیم آہ فاطمہؑ اٹھ اٹھ کے کی ادا کھولا مخالفوں نے گلوے شہ ہدا
گھر کو روانہ سیدۂ فاقہ کش ہوئیں
آتے ہی گر پڑیں صف ماتم پہ غش ہوئیں

قرآن لے کے بیٹیاں دوڑیں برہنہ سر منہ پر ورق ورق کی ہوا دی بچشم تر
تب چشم نیم وا سے یہ بولی وہ بے پدر اے بیٹیو نہ اُنس کرو مجھ سے اس قدر
رویت تھی جس پدر سے وہ سر پر رہا نہیں
دیکھوں میں گھر میں رہنے بھی پاتی ہوں یا نہیں

کیا کیا کہوں میں دخترِ خیر الامم کا درد پہلو کا درد ہاتھ کا درد اور شکم کا درد
بچوں کی بے کسی کا علی کے الم کا درد ہر اک غضب کا حادثہ ہر اک ستم کا درد
دو ماتم اور آہ وہ غربت بتول کی
محسن کا چہلم اور سہ ماہی رسولؐ کی

منہ سے پدر کا نام لیا اور رو دیا قرآن پڑھ کے ہدیہ کیا اور رو دیا
فرشِ نبی کی دیکھی ضیا اور رو دیا تکیوں کو سونگھا، بوسہ دیا اور رو دیا
صرفہ نہ آہ میں نہ بکا میں نہ بین میں
بے غش ہوئے افاقہ نہ تھا شور وشین میں

آخر وفورِ گریہ سے عاجز ہوئے عرب حیدر کے پاس رونے کی فریاد لائے سب
کی عرض فاطمہؑ سے کہو اے ولی رب یا سیدہ تمھاری رعایا ہے جان بلب
کھانے کا کوئی وقت نہ سونے کا وقت ہے
جو وقت ہے وہ آپ کے رونے کا وقت ہے

ماں باپ نے ہماری بھی دنیا سے کی قضا ہم تو نہ ایسا روئے نہ پیٹے نہ کی عزا
فرمایا مرتضیٰ نے کہ بتلاؤ تو بھلا تم میں سے کس کا باپ ہوا ہے رسولؐ سا
الزام کوئی دے نہیں سکتا بتولؑ کو
سمجھاتا ہوں میں خیر یتیمِ رسولؐ کو

باہر سے مرتضیٰ گئے گھر میں جھکائے سر منہ ڈھانپے رو رہی تھی اکیلی وہ خوش سیر
دینے لگے پیامِ عرب شاہ بحر و بر گھبرا کے بولی ہائے کروں کیا میں نوحہ گر

قابو میں موت ہووے تو مرجاؤں یا علیؑ
بابا کا سوگ لے کے کدھر جاؤں یا علیؑ

میری طرف سے اہل مدینہ کو دو پیام لوگوں خفا نہ ہو میری رخصت ہے صبح و شام
دو چار دن تمھارے محلہ میں ہے مقام رونے کی دھوم ہو چکی اب کام ہے تمام
دل جس کا مردہ ہو اُسے جینے سے کام کیا
بابا سدھارے مجھ کو مدینہ سے کام کیا

رونے میں اختیار نہیں بے پدر ہوں میں دل کو مرے نہ توڑو کہ خستہ جگر ہوں میں
امیدوار موت کی آٹھوں پہر ہوں میں گر شام کو بچی تو چراغ سحر ہوں میں
ماتم ہے غیر کا کہ تمھارے رسول کا
پر تم کو ناگوار ہے رونا بتول کا

سب کے نبی کا سوگ ہے کل کے نبی کا غم یہ بھی نصیب اپنا کہ الزام پائیں ہم
یہ کیا سمجھ کے منہ سے نکالا کہ روؤ کم بے رونقی رسول کے ماتم کی ہے ستم
بیجا تمھاری یہ خفگی ہے میں روؤں گی
کچھ ہو مرے تو جی کو لگی ہے میں روؤں گی

حیدر کا اس بیان سے ٹکڑے ہوا جگر بیت الحزن بنایا بقیعہ میں جلد تر
لکھا ہے ہاتھ تھام کے بیٹوں کا ہر سحر واں جا کے رویا کرتی تھی دن بھر وہ بے پدر
ہنگام شام حیدر کرار جاتے تھے
روح نبی کی دے کے قسم ان کو لاتے تھے

اک دن نگاہ کرتے ہیں کیا شاہ لافتا مطبخ ہے گرم آرد جو ہے گندھا ہوا
نہلا رہی ہیں بچوں کو مل مل کے دست و پا پھیلا دیئے ہیں کرتے بھی دھوکر جدا جدا
پوچھا کہ اتنے کاموں کا جو شغل آج ہے
اس وقت کچھ بحال تمھارا مزاج ہے

بولیں کہ آج رات کو ہو جاؤں گی بحال کل میرے کاروبار میں خود ہوگے تم نڈھال
خدمت کا میرے بچوں کی ہوگا کسے خیال نہلا دھلا دیا کہ پریشاں تھے سر کے بال
کرتے بھی دھوئے قوت بھی کل تک کا دے چلی
سہرا نہ دیکھا ایک یہ ارمان لے چلی

پوچھا علی نے تم کو یہ کیونکر ہوا یقین صدیقہ نے کہا کہ شدنی ہے یہ شک نہیں
پچھلے کو روتے روتے جو سوئی میں دل حزیں دیکھا کہ ایک باغ میں ہیں شاہ مرسلیں
محسن کو میرے اپنے گلے سے لگاتے ہیں
بہلاتے تھے نہ رو تری ماں کو بلاتے ہیں

مجرے کو میں جھکی تو کہا ہو کے بے قرار زہرا کہاں تھی تو ترا بابا ترے نثار
آ جلد ڈھونڈھتا ہے یہ معصوم بار بار یاں تو رہے گی چین سے میرا ہے اختیار
یاں غاصب فدک نہ کبھی آنے پائے گا
یاں تازیانہ تجھ کو نہ کوئی لگائے گا

یہ سن کے ننگے پاؤں میں اس باغ سے پھری بس دیکھنا تھا آپ کا دیدار آخری
سہواً اگر ہوئی ہو کچھ آزردہ خاطری بخشو مجھے کہ موت ہے نزدیک اب مری
رو کر کہا علی نے نہیں عذر خواہ ہیں
واللہ بے قصور ہو تم سب گواہ ہیں

معصومہ سے بھی ہوتی ہے بی بی خطا کبھی عسرت کا تم زبان پہ نہ لائیں گلا کبھی
اچھا لباس مانگا نہ اچھی غذا کبھی بیمار جب پڑیں نہ طلب کی دوا کبھی
کیا خوب تم نے مجھ سے نبا ہی ہے فاطمہ
کیونکر نہ ہو کہ نور الٰہی ہے فاطمہؑ

دنیا کے مال و جاہ پہ تم نے نظر نہ کی فرمائش ایک شے کی بھی مجھ سے مگر نہ کی
یوں صبر سے جہاں میں کسی نے بسر کی فاقے کیے اور اپنے پدر کو خبر نہ کی

پہلو پہ در گرا میں حمایت نہ کرسکا
شرمندہ ہوں کہ حق رعایت نہ کرسکا

وہ بولی یہ کنیز نوازی ہے سر بسر فرمایئے وصیت اول پہ اب نظر
ہر بے پدر کے بعد نبی آپ ہیں پدر سبطین تو حضور کے ہیں پارۂ جگر
گر چاہتے ہو قبر میں زہراؑ کے چین کو
دینا نہ رنج میرے حسنؑ اور حسینؑ کو

مغرب تلک بس اور ہے ماں ان کی سر پہ اب کل صبح یہ گھریں گے یتیمی میں ہے غضب
پروا نہ رہیو میرے چراغوں پہ روز و شب بن ماں کا جان کر کوئی گھڑکے نہ بے سبب
یہ دونوں ہیں سپرد جناب امیر کے
جو شن ہیں آپ میرے صغیر و کبیر کے

والی یتیم بچوں کا ہوتا ہے دل حباب چلا کے ان کی بات کا دینا نہ تم جواب
بہنوں کو ان کی ان سے سوا ہوگا اضطراب دل جوئی ان کی کیجیو بے حد و بے حساب
زینب سے ہوشیار کہ نازوں کی پالی ہے
اور دوسرے حسینؑ کی یہ رونے والی ہے

عرض دوم یہ ہے مجھے شب کو اٹھائیو اور قبر کا نشاں کئی جا بنائیو
تربت میں خود اتاریو اور خود لٹائیو پھر کانپ کر کہا کہ الٰہی بچائیو
آنکھوں کے آگے قبر کی تنہائی پھر گئی
موتی کی اک لڑی تھی کہ آنکھوں سے گر گئی

بولی کہ یا علی یہ قیامت کا وقت ہے مرنے سے سخت قبر کی وحشت کا وقت ہے
میت پہ بعد دفن کے یہ آفت کا وقت ہے اس وقت وارثوں کی محبت کا وقت ہے
ہمدم نہیں رفیق نہیں، مہرباں نہیں
یہ وہ جگہ ہے کوئی کسی کا جہاں نہیں

پہلے پہل وہ بستی سے ویرانے کا سفر وہ اجنبی مکان وہ اندھیرا ادھر اُدھر
ہمسایہ وہ کہ دوسرے سے ایک بے خبر نے شمع روشنی کے لیے نے شگاف در
کس کو کوئی پکارے کہاں جائے کیا کرے
آسان سب پہ قبر کی مشکل خدا کرے

تربت میں اپنے شیعوں کی لیتے ہیں یہ خبر اکثر تمھاری شان میں فرماتے تھے پدر
قرآن پڑھیو قبر کے پہلو میں بیٹھ کر امیدوار میں بھی ہوں یا شاہ بحرو بر
مردے لحد میں بیکس و بے یار ہوتے ہیں
زندوں سے اُنس کے یہ طلب گار ہوتے ہیں

ہوتے ہی دفن تجھ کو گلے سے لگاؤں گا آئی ندا رسول کی بیٹی میں آؤں گا
فاقہ کے بدلے میوہ طوبیٰ کھلاؤں گا آغوش میں لیے ہوئے جنت میں جاؤں گا
محبوبۂ خدا وَ نبی تیرا نام ہے
مدفن تیرے محبوں کا دارالسلام ہے

مسجد میں مرتضیٰ گئے محزون و خستہ حال ناگاہ مہر نے کیا دنیا سے انتقال
اسما سے بولی مظہر اسمائے ذوالجلال حجرے میں باپ کے گئی خاتون خوش خصال
کافور خلد فاطمہؑ زہراؑ کے پاس لا
پانی ہمارے غسل کو لا اور لباس لا

سجدے میں سر جھکا کے کہے اپنے دل کے راز حجرے میں غسل کر کے پڑھی آخری نماز
زہراؑ نے اپنے پاؤں کیے قبلہ کو دراز آواز ارجعی سے کیا حق نے سرفراز
حوروں نے پھر بہشت میں برپا یہ غل کیا
پنکھا قضا نے شمع پیمبر کو گل کیا

کلمہ کے بعد جب نہ صدا آئی زینہار یاں سب کھڑے تھے حجرے کے نزدیک بے قرار
چلائی اُم سلمیٰ میں لٹی جگر فگار حجرے میں بیٹھے ہوئے دوڑے سب ایک بار

اپنا بھی سوگوار رنڈاپے میں کر گئیں
جیتی رہی میں آپ جہاں سے گزر گئیں

پھر تو ہر ایک کوچہ میں محشر بپا ہوا اپنے پرائے دوڑے کہ ہے ہے یہ کیا ہوا
فضہ پکاری سیّدہ کا واقعا ہوا حجرہ بتول پاک کا ماتم سرا ہوا
سینے میں دم قلق سے رکا سانس الٹ گئی
منھ رکھ کے منھ پہ مردے کے زینب لپٹ گئی

لے کر بلائیں کہتی تھی بیٹی نثار ہو اماں میں ہول کھاتی ہوں تم ہوشیار ہو
بھیا زمیں پہ لوٹتے ہیں ہمکنار ہو تم آنکھ کھول دو تو سبھوں کو قرار ہو
ہے ہے یہ چپکے رہنے کی کیا بات ہوگئی
نانا کا فاتحہ نہ دیا رات ہوگئی

اُٹھیے چراغ قبر نبی پر جلایئے سونی پڑی ہے نانا کی صف جلد جایئے
پہلو کا درد کیسا ہے یہ تو بتایئے دیکھوں میں نبض ہاتھ تو اپنا بڑھایئے
کیوں آپ کھولتی نہیں چشم پر آب کو
کیا غش میں دیکھتی ہیں رسالت مآب کو

ہمسائیاں ہیں آپ کی بالیں پہ بے قرار اور پائنتی زنان قریشی کی ہے قطار
ہے پہلوؤں میں آپ کا کنبہ سب اشک بار سب پوچھتے ہیں آپ کو زینب سے بار بار
بی بی کہو کہاں کا پتا دوں کدھر گئیں
یہ تو نہیں زباں سے نکلتا کہ مرگئیں

میں دودھ بخشوانے نہ پائی کہ چل بسیں شربت بنا کے لانے نہ پائی کہ چل بسیں
سجادے سے اٹھانے نہ پائی کہ چل بسیں میں بے نصیب آنے نہ پائی کہ چل بسیں
کیا جانتی تھی وقت یہ ہے انتقال کا
باعث ہوا ہے یہ میرے رنج و ملال کا

اے مری فاقہ کش مری نادار والدہ اے میرے بے دوا مری بیمار والدہ
کنبہ کی آبرو مری سردار والدہ اے میرے صابرہ مری ناچار والدہ
نانا کی سوگوار کو تازہ خطاب دو
اماں جواب دو مری اماں جواب دو

ہمسائے غدر کے لیے ڈیوڑھی پہ ہیں بہم کہتے ہیں آپ روئیں مزاحم نہ ہوں گے ہم
خاطر ہوا ان کی جمع ندامت ہوا ان کی کم منہ ڈھانپ کر جو بین کریں آپ ایک دم
اتنا تو ان سے کہیو کہ احسان کیجیو
زینب جو مجھ کو روئے اسے رونے دیجیو

ناگاہ آئے روتے ہوئے شاہ اوصیا غسل و حنوط فاطمہ خود حجرے میں کیا
استبرق بہشت بریں کا کفن دیا میت کے نور سے ہوا تابوت پر ضیا
بولے کفن میں کھول کے رخسار فاطمہؑ
مشتاقو آؤ دیکھ لو دیدار فاطمہؑ

پھرنے لگیں کنیزیں جنازے کے آس پاس جھک کر بلائیں بیٹیوں نے لیں بحال یاس
اب کیا کہوں کہ شدت غم سے ہے دل اداس نزدیک ہے وہ وقت کہ سب ہوئیں بے حواس
گھر میں علی لحد میں نبی تھر تھراتے ہیں
بن ماں کے بیٹے ان کے جنازے پر آتے ہیں

ننھے سے کرتوں کے ہیں گریبان چاک چاک گیسو کھلے ہیں ڈالے ہوئے ہیں سروں پہ خاک
نزدیک ہے کہ والدہ کے غم سے ہوں ہلاک جاری زبان پر یہی نوحہ ہے دردناک
جاتی ہو تم نبی کی زیارت کے واسطے
اماں غلام آئے ہیں رخصت کے واسطے

نانا جو پوچھیں خادموں کی خیرو عافیت کہنا زمانہ خون کا پیاسا ہے بے جہت
بابا کے قتل کی ہے نمازوں میں مشورت نانا ہمارے دل کو ہو اب کس کی تقویت

شفقت کا ہاتھ آپ نے سر سے اٹھالیا
ایک والدہ تھیں پاس انھیں بھی بلا لیا

ہونے لگے وداع یہ کہہ کر وہ نیک نام   ننھے سے سر جھکا کے کیا آخری سلام
پھر تو وہ میت جگر سید الانام   تھرائی یوں کہ بند کفن کھل گئے تمام
عاشق کو بے ملے ہوئے کس طرح کل پڑے
زہراؑ کے دونوں ہاتھ کفن سے نکل پڑے

باہیں گلے میں پیار سے بیٹوں کے ڈال دیں   اور سینہ سے لپٹ گئے جھک کر وہ نازنیں
ہاتف نے دی علی کو ندا اے امیر دیں   روتے ہیں ہر فلک پہ ملک ہلتی ہے زمیں
تسکین عرش اعظم رب ہدا کرو
بیٹوں کو ماں کی لاش سے جدا کرو

منہ چوم کر یتیموں کا بولے یہ مرتضا   پیارو فرشتے روتے ہیں اب ان سے ہو جدا
فضہ پکاری بی بی کے اعجاز پر فدا   بس عاشق حسین و حسن پیار ہو چکا
باہیں نکالو دفن میں اب دیر ہوتی ہے
آئی ندا کہ روح نہیں سیر ہوتی ہے

اب نذر دے یہ مرثیہ اور عرض کر دبیرؔ   یا سیدہ تمھیں قسم خالق قدیر
بہر رسول پاک و پیٔ حضرت امیر   تم پہ فدا تھی والدۂ ذاکر حقیر
فرمایئے یہ لطف کہ وہ رستگار ہو
حلہ کفن ہو روضۂ رضوان مزار ہو

○

○

قطرے کو گُہر کی آبرو دیتا ہے
قد سرو کو گُل کو رنگ و بو دیتا ہے
بے کار تشخص ہے، تصنع بے سود
عزت وہی عزت ہے جو تو دیتا ہے

○

یارب جبروتی تجھے زیبندہ ہے
ہر تن ترے سجدے میں سر افگندہ ہے
توحید کا کلمہ یہی پڑھتا ہے دبیر
جو تیرے سوا ہے وہ ترا بندہ ہے

سلام

سلامی ذرّہ نہ دوں آفتاب کے بدلے
نہ لوں میں عرش درِ بوترابؑ کے بدلے

زہے حسینؑ کہ سازند سبحہ از خاکش
ہے خاک ذکر میں گویا جناب کے بدلے

نہ آرزو کوئی باقی تھی شاہؑ کو دمِ ذبح
کہ آبِ تیغ ہی کافی تھا آب کے بدلے

یہ شوقِ ذکرِ خدا تھا سو اب بذکرِ خدا
تراب ہے خلفِ بوترابؑ کے بدلے

اُدھر تو لشکرِ اعدا تھا صرفِ مے خواری
اِدھر تھی بادۂ کوثر شراب کے بدلے

قمر صفت تھا فلک سیر ذوالجناحِ حسینؑ
اِدھر اُدھر مہ نو تھے رکاب کے بدلے

جو بے وِلائے ائمہ ہیں صرفِ صوم و صلوٰۃ
عذاب اُن کو ملے گا ثواب کے بدلے

شفیعِ روز قیامت کے آلؑ اور محبوس
نہ حشر کیوں ہوا اس انقلاب کے بدلے

لقب رسولؐ کا اُمّی تھا پر بفضلِ خدا
پڑھا تھا علمِ لدُن ہر کتاب کے بدلے

نبیؐ مدینۂ علم اور اُس مدینہ میں
کنندۂ درِ خیبر ہے باب کے بدلے

کیا جو حُر کو ہراولِ امامؑ نے اپنا
تو اُس نے سر دیا نذرِ خطاب کے بدلے

دبیرؔ مجھ کو جو آٹھوں بہشت دے رضواں
نہ لوں میں ایک درِ بوترابؑ کے بدلے

○

ہم ہیں وطن میں اور طبیعت سفر میں ہے

ہم ہیں وطن میں اور طبیعت سفر میں ہے
سیاحی قلم رو مضموں نظر میں ہے
دریا میں ذہن ہے تو کبھی دشت و در میں ہے
درِّ سخن کی چاہ مگر خشک و تر میں ہے
تائیدِ ذوالمنن سے سخن بہرہ مند ہے
ہر دم زباں کو حمدِ الٰہی پسند ہے

کیا منہ کسی زباں کا جو شکرِ خدا کرے
ہے کم سے کم بہت سے بہت گر ادا کرے
کس کس عطا پہ مدح کے موتی فدا کرے
ممکن نہیں بیاں سے تسلسل جدا کرے
باریک بال سے بھی جو گھس کر زبان ہو
پھر بھی نہ شکرِ حق کا سرِ مو بیان ہو

چاہے وہ جس گدا کو سلیماں کا جاہ دے
ذرّے کو آفتاب کے سر کی کلاہ دے
بے دست و پا کو گوشہ راحت میں راہ دے
جس کو کوئی پناہ نہ دے وہ پناہ دے
تبدیل عشرتوں سے وہ بندے کا غم کرے
جس پر کوئی کرم نہ کرے وہ کرم کرے

پستی وہ دے جسے کوئی رفعت نہ دے سکے
بخشے جسے مرض کوئی صحت نہ دے سکے
عزت جسے وہ دے کوئی ذلّت نہ دے سکے
ذلّت جسے وہ دے کوئی عزت نہ دے سکے
عُسرت ہو عشرت اس کی رضا کا جو دھیان ہو
آفت ہو عافیت، جو خدا مہرباں ہو

بخشے جو بے سوال وہ فیاض رب ہے رب
ایسا سخی وہی ہے سخا جس کی بے سبب
نقدِ حیات اس نے دیا سب کو بے طلب
اب کیوں نہ دے کہ ہاتھوں کو پھیلا رہے ہیں سب

باعث یہ ہے جو لینے سے آسودہ ہم نہیں
اُس کے خزانے وہ ہیں جو دینے سے کم نہیں
بیچارگانِ محض کا وہ چارہ ساز ہے ایسا طبیب جس پہ مسیحا کو ناز ہے
لیکن وہ بے نیاز خلائق نواز ہے ہے واقعی کہ نامِ خدا بے نیاز ہے
ہم کو نہیں، جہاں کا طلسمات کچھ نہیں
سب کچھ ہے اُس ذات سے بالذات کچھ نہیں
ہر بندہ ناتواں ہے توانا خدا ہے بس ناداں تمام خلق ہے، دانا خدا ہے بس
حق جس کا منکروں نے بھی مانا خدا ہے بس جس کو خدا بتوں نے بھی جانا خدا ہے بس
فخر یہ بندگی میں خدائی خود آئی ہے
حقاً فقط خدا ہی کی خاطر خدائی ہے
شامل ہو لطفِ حق تو سفر اور وطن ہے ایک بادِ سموم اور نسیم چمن ہے ایک
اقسام ہیں علیحدہ ورنہ سخن ہے ایک جیسے سخن کا رنگ ہزار اور دہن ہے ایک
مداحوں کے معین امام غیور ہیں
جس طرح زائروں کے نگہباں حضور ہیں
طوفاں سے گر جہاز دخانی ہَوا ہوا واں نوحِ کربلا کا کرم ناخدا ہوا
بھولے جو راہ، خضر نجف رہنما ہوا مشکل کشا کے صدقے سے ہر عُقدہ وا ہوا
یوں پنجتن کے نام سے رد ہر بلا ہوئی
دہ چند خواہشِ سفرِ کربلا ہوئی
زائر ہیں شاہِ دیں کے ہمارے وطن میں بھی ہیں روحِ خلد جو وہ ہیں گل اس چمن میں بھی
ہیں غرق بحرِ اُلفتِ خیبر شکن میں بھی ڈوبے ہوئے ولائے حسینؑ و حسنؑ میں بھی
پایا فروغ لطفِ خدائے غفور سے
روشن یہ سر زمین ہے ایماں کے نور سے

یہ شہر تو ہے ملکِ سلیمانِ اہلِ بیتؑ　　ذرّے پکارتے ہیں کہ قربانِ اہلِ بیتؑ
آب و ہوا ہے تابعِ فرمانِ اہلِ بیتؑ　　وہ کیا ہے اشک و آہِ محبانِ اہلِ بیتؑ
یاں گھر جو دوستانِ بلند آبرو کے ہیں
اعلیٰ کے جو عدو ہیں وہی لکھنؤ کے ہیں

پر شاہِ کربلا کی ہے جن شہروں پر مدد　　ساکن وہاں کے بھی نہیں رونے سے نابلد
اللہ رے ماتم خلفِ ضیغمِ صمد　　یہ وہ بیاں ہے جس کو نہیں حاجت سند
جب ہم نے کربلا کا مرقّع دکھا دیا
تصویر کی بھی آنکھ کو رونا سکھا دیا

لیکن سخن کو مدح سے جن کی اثر ملے　　مداحوں کو سفر میں نویدِ ظفر ملے
غُربت میں ان کے رہنے کو ہے ہے نہ گھر ملے　　چہلم کے بعد لاشہ بے سر سے سر ملے
جن کی وِلا میں خیر سے اہلِ سفر پھریں
ہے ہے وہ بے دیار ہوں، نیزوں پہ سر پھریں

یعقوبؑ کی طرح سے اب آنکھیں ہیں خونفشاں　　کنعانِ دل سے یوسفؑ آرام ہے رواں
لو یاد آگیا سفرِ شاہِ انس و جاں　　ہوتا ہے بے چراغ پیمبرؐ کا خانداں
اک بارگی مدینے میں آفت یہ پڑ گئی
جنگل بسا، بتولؑ کی بستی اُجڑ گئی

ساعت سفر کی نکلی ہے حضرت کے واسطے　　جس میں خزاں ہے باغِ رسالت کے واسطے
زندان ہے حسینؑ کی عترت کے واسطے　　ہاں نار سے رہائی ہے اُمت کے واسطے
یہ دردِ روحِ حضرتِ زہراؑ سے پوچھیے
زہراؑ کے بعد فاطمہ صغراؑ سے پوچھیے

تنہائی چھا رہی ہے مزارِ رسولؐ پر　　بے وارثی برستی ہے قبرِ بتولؑ پر
کنبے کا ہے ہجوم شہؑ دل ملول پر　　جھرمٹ ہے عندلیبوں کا زہراؑ کے پھول پر

آگے نبی کے خُلد میں زہراؑ تڑپتی ہے
یاں سامنے حسینؑ کے صغرا تڑپتی ہے
جب گل نہ ہو تو بلبلِ شیدا کی موت ہے
سبزہ نہ ہو تو آہوئے صحرا کی موت ہے
پانی بغیر ماہیٔ دریا کی موت ہے
چھٹنا مرض میں باپ سے صغرا کی موت ہے
اک آن بھی رہیں نہ زمانے میں چین سے
زہراؑ نبی سے چھوٹ کے صغراؑ حسینؑ سے

کہتی ہے باپ سے کہ نہ کیونکر ہو بے کلی
زہراؑ چھٹیں نبیؐ سے تو موجود تھے علیؑ
لیکن عجب قلق میں ہے اس دم یہ دل جلی
ہے ہے قضا مدینے کی رونق کو لے چلی
بچپن بھی، تپ بھی اور یہ غضب کی جدائی بھی
ماں باپ بھی بچھڑتے ہیں بہنیں بھی بھائی بھی

دامن پکڑ کے کہتی ہے بابا کب آؤ گے
لے جاؤ گے ہمیں کہ یہیں چھوڑ جاؤ گے
بیمار کی خبر بھی کسی سے منگاؤ گے
یا پیار میں سکینہؑ کے ہم کو بھلاؤ گے
لینے کو میرے بھیجو گے کس کو مدینے سے
یا ناامید ہی میں رہوں اپنے جینے سے

دیکھیں تو آپ حال تپش کے وفور کا
لو سے ہے دل کباب وُحوش و طیور کا
نزدیک کا سفر ہے میں واری کہ دور کا
کل تیس دن کا ہے علی اصغرؑ حضورؐ کا
اس سن کے بچے چین سے جھولے میں سوتے ہیں
یہ اک مہینے کے وطن آوارہ ہوتے ہیں

لکھ بھیجئے نہ دوستوں کو اپنے ہیں کہ غیر؟
دشوار ان دنوں ہے عراق عرب کی سیر
تو نسے ہوئے تڑپتے ہیں جھیلوں میں وحش وطیر
گرمی کے بعد آؤں گا میں زندگی بخیر
شاید مجھے بھی قیدِ مرض سے نجات ہو
پھر کوچ کیجیے تو یہ لونڈی بھی سات ہو

بابا ابھی نہ حکم سواری کا دیجیے نادان کی بھی بات یہ اک مان لیجیے
قرآن لاؤں مشورہ خالق سے کیجیے لاکھوں برس حبیب نبیؐ و علیؑ جیے
رستے کی آفتوں سے خدا ہی پناہ دے
بسم اللہ استخارہ، سفر کو جو راہ دے

فرماتے ہیں حسینؑ توقف کی جا نہیں اس کوچ میں مقام کوئی عذر کا نہیں
بے درد و غم کے حُبِّ خدا کا مزا نہیں اس راہ میں بقا ہی بقا ہے فنا نہیں
اہل ادب سنبھل کے یہاں پاؤں دھرتے ہیں
یہ راہ وہ ہے سر سے جسے قطع کرتے ہیں

یہ راہ انبیائے اولوالعزم کم چلے لیکن خدا کے عاشق ثابت قدم چلے
اک حضرت امیر چلے ایک ہم چلے سجدے سے سر نہ سر کے جو تیغِ ستم چلے
گزرے سو گزرے ہوئے جو ہونا ہو ڈر نہیں
سودا خدا کے عشق کا ہے فکر سر نہیں

واللہ اعلم آئیں گے اب یا نہ آئیں گے کس کو خبر ہے حد سے ہم آگے نہ جائیں گے
موقع ہوا تو بی بی کو اپنی بلائیں گے بے کربلا کے رتبہ عالی نہ پائیں گے
مشتاق امتحان کا رب غفور ہے
عاشور کو وہاں مرا ہونا ضرور ہے

سبطِ رسولؐ نے جو لیا نام کربلا چھائی بھرے محل پہ اُداسی ہر ایک جا
فریاد امِ سلمہ نے کی وامحمداً منہ دیکھ کر حسینؑ کا حسرت سے یہ کہا
کیوں واری کربلا یہ وہی ارض پاک ہے
شیشے میں جس زمینِ مقدس کی خاک ہے؟

شہؑ نے بھری اک آہ کہ ہاں اماں جان ہاں نانا سے اس زمیں کا سنا ہوئے گا بیاں
اماں یہ بے نشانوں کی قبروں کا ہے نشاں صغرا پکاری ہائے نکل جاؤں میں کہاں

باتیں سفر کی رمز و کنایہ میں ہوتی ہیں
بابا تو ضبط کرتے ہیں اور نانی روتی ہیں
جبراً کیا تھا آپ کی فرقت کو اختیار پر اب کلامِ یاس سے لونڈی ہے بیقرار
کیا جانیں پھر ملیں نہ ملیں شاہِ نامدار اب میں ہوں اور بہنوں کے ناقوں کی ہے مہار
چلنا گوارا کیجیے اس تلخ کام کا
صدقہ سکینہؑ بی بی کے کوچ اور مقام کا
بہنوں کو، والدہ کو مبارک عماریاں معراج سمجھوں گی میں بٹھا دوگے تم جہاں
تکیہ عصا بچھونا میں سب چھوڑوں گی یہاں پھر اور کیا ہے کچھ نہیں، مٹھی بھر استخواں
مشکل سفر کی کنبے پر آسان ہوئے گی
بیمار تندرستوں پہ قربان ہوئے گی
اس التجا نے شاہ کی حالت تباہ کی آنکھوں کو ڈبڈبا کے حرم پر نگاہ کی
سب نے بیاں مریض سے تکلیف راہ کی آخر کہا خوشی تمھیں لازم ہے شاہ کی
بہرِ خدا نہ چشم کو خونریز کیجیے
بی بی کو تپ ہے کوچ سے پرہیز کیجیے
صغرا پکاری ہائے مقدر دہائی ہے دنیا میں کیا مجھی کو انوکھی تپ آئی ہے
تپ ہے تو خیر تپ کی دوا بھی ٹھنڈائی ہے ہے ہے مرے بخار کا درماں جدائی ہے
بیمار کی خبر نہیں ماں باپ لیتے ہیں؟
تپ آتی ہے تو بیٹیوں کو چھوڑ دیتے ہیں؟
لوگو یہی سہی، مری غربت پہ رحم کھاؤ بیمار خود پڑی ہوں خطا میری بخشواؤ
للہ اس قصور کی تعذیر سے بچاؤ حضرت کو دو قسم کو نہ صغرا کو چھوڑ جاؤ
یہ جان لو جو گھر میں رہی میں تو مرگئی
اور اونٹ پر چڑھی تو وہیں تپ اتر گئی

اے لوگو بے حواس نہ ہو تپ کے آنے سے
تپ اس گھڑی تو آئی ہے بابا کے جانے سے
میں بھی دونوں لال ہیں آنسو بہانے سے
منہ زرد ہوگیا ہے فقط ہول کھانے سے
رومال سے جو ماتھے کو باندھا تو کیا ہوا
سر پیٹنے سے درد سر اس دم سوا ہُوا

تپ کی حرارت اور قلق کا بخار اور
وہ تھر تھرانا اور ہے یہ اضطرار اور
وہ سانس چڑھنا اور یہ دم کا شمار اور
سر پھرنا اور گردش لیل و نہار اور
عیسیٰ کو میرے حال کی جلدی خبر کرو
دیکھا تھا کل بھی چہرہ اور اب بھی نظر کرو

کل بھی بھلا تڑپتے تھے ہم لو تمھیں کہو
چلنے میں کانپتے تھے قدم لو تمھیں کہو
کل بھی کمر تھی ضعف سے خم، لو تمھیں کہو
رونے سے آنکھوں پر تھا ورم لو تمھیں کہو
کپڑا بندھا تھا سر پہ، رخ ایسا ہی زرد تھا؟
کھاؤ تو میرے سر کی قسم کل یہ درد تھا؟

کیوں لوگو! شام کو بھی تھی میں مضمحل یونہیں؟
دیکھو تو ہاتھ رکھ کے اُچھلتا تھا دل یونہیں؟
ناطاقتی سے آتے تھے غش متصل یونہیں؟
کل بھی تھی اپنے آنسوؤں سے پا بہ گل یونہیں؟
کل خود اُٹھی تھی باپ کی تعظیم کے لیے
اور آج اٹھا یا فضہ نے تسلیم کے لیے

مشکل ہے آن بان مرض میں نباہنا
اُٹھنے میں بیٹھنے میں نہ امداد چاہنا
ان عارضوں میں میرے جگر کو سراہنا
اب نہ سنا نہ ہوئے گا میرا کراہنا
اکثر ہوا کہ ہوش بھی تپ میں رہا نہیں
پر منہ سے یا علیؑ کے سوا کچھ کہا نہیں

وہ دن گئے کہ ضبط کا یارا تھا اب کہاں
بابا کی پرورش کا سہارا تھا اب کہاں
اماں کو بھی خیال ہمارا تھا اب کہاں
آگے کرم جو ہم پہ تمھارا تھا اب کہاں

کیونکر نہ زندگی سے ہو یہ ناتواں خفا
کنبہ خفا، نصیب خفا، باپ ماں خفا
سب سے کمی ہے والدہ کے التفات میں   پاتی ہوں فرق لطفِ شہِ کائنات میں
اب موت میں مزا ہے نہ لذت حیات میں   سچ ہے نصیبہ شرط ہے ہر ایک بات میں
اب سب تو چین اٹھائیں گے حضرت کے ساتھ کا
پائیں گے ہم کفن بھی نہ بابا کے ہاتھ کا
پھر اشکِ یاس آنکھوں سے بیساختہ ڈھلے   اٹھی اک آہ بھر کے کہا سب سے ہم چلے
جلتا ہے دل، اندھیرا ہے اب آنکھ کے تلے   اس تپ میں بستر اپنا بھلا اور ہم بھلے
برگشتگی نصیب کی میزے عیاں ہوئی
کنبہ تو سب خفا ہوا تپ مہرباں ہوئی
ناگاہ غل اٹھا درِ دولت پہ برملا   ناقوں کی اور سمندوں کی آنے لگی صدا
کی عرض آ کے فضہ نے اسباب لد چلا   نزدیک تھا کہ روح ہو بیمار کی جدا
پہلو میں دل تڑپنے لگا سینہ شق ہوا
دھک دھک کلیجہ کرنے لگا ، رنگ فق ہوا
بیت الشرف سے مہرِ عرب نے کیا ظہور   مانندِ فال نیک برآمد ہوئے حضور
پروا نہ رخ کی لو پہ بنا خود چراغ طور   یہ کیا ہے حسن بندہ تھا اور خانہ زاد نور
پھر دل کلیم کا نہ رہا اختیار میں
پہلے ہوئے تھے طور پہ غش اب مزار میں
چاوشوں نے ادب سے دو جانب کیا ہجوم   شہؑ کے جلو کے جلوے سے خادم بنے نجوم
سلطانِ دیں پناہ سلامت اُدھر یہ دھوم   آمین یا کریم یہ غُل یاں علی العموم
شانِ حسینؑ ، قدرتِ پروردگار ہے
خورشید چتردار، کرن چوبدار ہے

وہ صبح کوچ کی وہ مقام امید و بیم وہ ہر طرف گلِ رخِ شبیرؑ کی شمیم
سکتے میں ذوالجناح تھا یا دم بخود نسیم اللہ رے اوج زیرِ قدم جنت النعیم
گرمایا باد پا جو شہِ انس و جن چڑھے
خورشید دوڑ دھوپ میں جس طرح دن چڑھے

ہمراہیوں میں حسن کا تھا اور ہی وقار پیدا کمر کے بندھنے سے گلدستے کی بہار
اکبرؑ کے گردو پیش جوانانِ گلعذار اُن سے جو کچھ مُسن تھے وہ عباسؑ پر نثار
ہر ایک ہالہ ماہِ بنی ہاشمی کا تھا
روشن رسالہ ماہِ بنی ہاشمی کا تھا

زینبؑ کے لال دُرِ نجف غازی اور جری جن کو عقیل کہتے تھے گلہائے جعفری
جوہر میں فرد، معرکے میں تیغ حیدری وہ منزلوں کا شوق، وہ پہلی مسافری
پٹکے وہ چُست چُست کمر کے بندھے ہوئے
تعویذ بازوؤں پہ سفر کے بندھے ہوئے

وہ مجمعِ عرب وہ غریبانِ کربلا آداب وہ حضورِ سلیمانِ کربلا
لے کر سلام کہتے تھے سلطانِ کربلا یہ پھول اور خاکِ بیابانِ کربلا
دشتِ بلا کی یثربیوں کو زمیں ملے
سچ ہے جہاں کی خاک ہو جا کر وہیں ملے

پھر سب کو بندگی کے صلے برملا دیے اصطبل سے پیادوں کو گھوڑے منگا دیے
جو تھے نہتے ان کو سلاحِ وغا دیے اور زادِ راہ در ہم صبر و رضا دیے
جس شے کی احتیاج تھی کوچ اور مقام پر
لکھی امام دیں نے توکل کے نام پر

عباسؑ نامور سے مخاطب ہوئے امام سونپا تمھیں سواری زینبؑ کا اہتمام
ہم دیکھ آئیں تربتِ پیغمبرِ انام یہ آخری وداع ہے اور آخری سلام

زینبؔ سوار ہو تو خبر کیجیو ہمیں
روضے سے مصطفیٰؐ کے بلا لیجیو ہمیں

راہی ہوئے رواق نبی کو شہ ہُدا قبرِ حبیبِ حق پہ چلی رحمتِ خدا
محوِ طواف جسم جُدا اور جاں جُدا واں قبر کی ندا تھی کہ روحی لک الفدا
یاں روضے کو نواسے نے دیکھا جو پیار سے
واں روح صدقے ہونے کو نکلی مزار سے

غل پڑ گیا جہاں میں یہ کیا انقلاب ہے بس اب چلے حسینؑ مدینہ خراب ہے
جو شہسوارِ دوشِ رسالت مآب ہے وہ ظالموں کے ہاتھ سے پا در رکاب ہے
پوچھو نبیؐ کی قبر سے جانا حسینؑ کا
اب حشر تک نہ ہوئے گا آنا حسینؑ کا

اُس دم ہُوا یہ حکم خداوند مشرقین جائیں مقربانِ خدا بھی بہ زیب زین
اس دم حبیبِ حق کی زیارت ہے فرض عین بہرِ وداع قبر چلا ہے مرا حسینؑ
یہ شرکتِ طواف کوئی پھر نہ پائے گا
اب قبر مصطفیٰؐ پہ نواسا نہ آئے گا

سُکّانِ عرش قبرِ نبی کی طرف چلے اور حافظانِ لوح و قلم صف بہ صف چلے
باغِ جناں سے سب نبیؐ ما سلف چلے ساتھ ان کے اوصیائے جلیل الشرف چلے
کثرت یہ تھی رواقِ شہِ دیں پناہ میں
سرمہ نگاہ ہوگئی پس پس کے راہ میں

ہر نجم ذرّۂ درِ خیرالبشر بنا جھک کر ہلال حلقۂ بیرونِ در بنا
شمسہ فلک کی سبحہ کا شمسِ سحر بنا تسبیحِ حورِ خلد کی مقری قمر بنا
کثرت یہ تھی فلک پہ فلک تھا پڑا ہوا
خود عرش کفش کن میں سمٹ کر کھڑا ہوا

جز روح تھی نہ روضے میں گنجائش بدن جبریل روح بن کے لحد پر تھے بوسہ زن
روحانیوں کی ایک طرف جمع انجمن قالب مثال جاں تو زباں صورتِ سخن
فردوسیوں کا در پہ ہجوم اس قدر ہوا
رضواں بنا بہشت کی بو، تب گزر ہوا

نزدیکِ کفشِ کن جو شہِ بے عدیل آئے غل پڑگیا وہ فخر کلیم و خلیل آئے
چھتری پروں کی کھولے ہوئے جبریل آئے سر خم کیے ملائک عرش جلیل آئے
ایک ایک پر گرا کہ میں ہی یہ ثواب لوں
نعلین نور عین رسالت مآب لوں

آئی ندا محل ہے نصیب آزمائی کا عہدہ یہ ہے حسینؑ کے عباسؑ بھائی کا
شہرہ ہے جس کے بختِ رسا کی رسائی کا فدیہ ہے جو ازل سے خدا کے فدائی کا
نعلین جھک کے لے وہ امام مدینہ کی
جو کربلا میں مشک اٹھالے سکینہؑ کی

القصہ ننگے پاؤں گئے روضے میں امام ٹھہرے وہاں جو خاص زیارت کا تھا مقام
پڑھنے لگے زیارتِ پیغمبرِ انام صف باندھ کر شریک ہوئے انبیا تمام
پڑھ کر زیارت اہلِ سمٰوٰت ہٹ گئے
قبرِ نبیؐ سے دوڑ کے مولا لپٹ گئے

چلائے اے ضریحِ ضیا بار الوداع اے خوابگاہِ قبلہ ابرار الوداع
اے جدِ امجد احمدؐ مختار الوداع جاتا ہوں کارواں ہوا تیار الوداع
امت یہ چاہتی ہے کہ روضے سے دور ہوں
نانا گواہ رہیو کہ میں بے قصور ہوں

ناحق مجھے ستاتے ہیں بدخواہ کیا کروں کیونکر کٹے گی منزلِ جانکاہ کیا کروں
پھر ساتھ ننھے بچوں کا ہے آہ کیا کروں لے جاؤں کس طرح سے نہ ہمراہ کیا کروں

ماں تو نہیں ہیں بہنیں مرے ساتھ چلتی ہیں
نانا! نواسیاں بھی تمھاری نکلتی ہیں
میں اور بھلا حضور کے روضے سے ہوتا دور ایسے ہی نامے آئے کہ جانا پڑا ضرور
اعدا کے بُغض و کیں سے تو آگاہ ہیں حضور نانا گواہ رہیو نواسا ہے بے قصور
یکساں ہے اب جہاں میں بسے یا کہ لُٹ گئے
سب خاک ہے جب آپ کی تربت سے چھٹ گئے
چھینا تھا میرے باپ نے کس کلمہ گو کا گھر تم نے کسے پھرایا تھا گرمی میں در بدر؟
بھائی حسنؑ نے خانہ نشینی میں کی بسر دسواں برس ہے میری امامت کو بھی مگر
طبل و علم سے کام نہ مطلب خزینے سے
پھر کس گنہ پہ مجھ کو نکالا مدینے سے
ناگہ یہ کہتے کہتے غش آیا حسینؑ کو فردوس میں نبیؐ نے بلایا حسینؑ کو
اُنگلی سے قصرِ سرخ دکھایا حسینؑ کو منہ چوم کر گلے سے لگایا حسینؑ کو
لیکن جدا گلے سے جو ہونے لگے نبیؐ
پھر لپٹے یوں حسینؑ کہ رونے لگے نبیؐ
فرمایا جاؤ جلد تمھیں ہم بلائیں گے یہ بولے ہم نہ جائیں گے نانا نہ جائیں گے
گھر میں بھی اور سفر میں بھی اعدا ستائیں گے آرام ان کے ہاتھ سے پایا نہ پائیں گے
دنیا سے کچھ علاقہ نہیں اب حسینؑ کو
دیکھے نہ زیرِ تیغ یہ زینبؑ حسینؑ کو
بولے نبیؐ حمایت اسلام کیجیے روشن علیؑ و فاطمہؑ کا نام کیجیے
کارِ خدا کا پہلے سر انجام کیجیے پھر آیئے بہشت میں آرام کیجیے
یاں تم نہ آؤ گے تو کہاں جاؤ گے حسینؑ
پر کربلا میں جا کے یہاں آؤ گے حسینؑ

بستی مری اجاڑ کے جنگل کو جا تو لو　　اک شہر اپنے نام کا بیٹا بسا تو لو
انیس سو جراحتِ بیداد کھا تو لو　　جدو پدر کے دوستوں کو بخشوا تو لو
نانا کے پاس آنے میں اب کتنی دیر ہے
منزل ہے ایک آنے میں رستے کا پھیر ہے

دنیا میں اک حسینؑ ہے اور ایک کربلا　　ہونا ہے واں ضرور تمھیں موردِ بلا
لپٹے رہو گے میرے گلے سے جو تم بھلا　　کاٹے گا شمر سجدے میں کس پیاسے کا گلا
کس بے گنہ کے غم میں فلک خون روئے گا
کیا دوسرا حسینؑ ہے جو ذبح ہوئے گا

کوئی کسی کی قبر میں سوتا نہیں حسینؑ　　تبدیل یہ مکاں کبھی ہوتا نہیں حسینؑ
یوں چرخ گھر کسی کا ڈبوتا نہیں حسینؑ　　کب تیری بیکسی پہ میں روتا نہیں حسینؑ
اللہ کی امان میں پیارے دیا تمھیں
جاؤ سدھارو نانا نے رخصت کیا تمھیں

کہتے تھے شاہ سنتا تھا میں یہ بیان درد　　ناگاہ روئے سرخ ہوا مصطفٰے کا زرد
گیسوئے عنبریں میں بھری بال بال گرد　　میں دیکھ کر ڈرا تو کہا بھر کے آہ سرد
نانا تمھارے سوگ میں غمناک ہے حسینؑ
جس خاک میں ملو گے یہ وہ خاک ہے حسینؑ

غش سے جو ہوشیار شہِ انس و جاں ہوئے　　ماں یاد آئیں، سوئے بقیعہ رواں ہوئے
حسرت سے قبر دیکھ کے یوں خوں فشاں ہوئے　　جو بیقرار عرش کے تسبیح خواں ہوئے
قبل از وداع ماں کی لحد کانپنے لگی
میت کفن کے کونے سے منہ ڈھانپنے لگی

چلّایا کربلا کا مسافر بہ شور و شین　　تسلیم اے حبیبۂ معبودِ مشرقین
آیا نہ بے جواب دیے فاطمہؑ کو چین　　بولیں کہ السلام علیک اے مرے حسینؑ

معذور ہم لحد میں ہیں بوس و کنار سے
آؤ لپٹ تو جاؤ ہمارے مزار سے

اے قبر بیکساں کے مجاور حسینؑ جان ہے ہے مرے غریب مسافر حسینؑ جان
پیدا ہوئے تھے ذبح کی خاطر حسینؑ جان زہراؑ بھی ہے رکاب میں حاضر حسینؑ جان
امت کو کیا خبر ہے مرے دل کے داغ کی
اندھیر ہے کہ قبر مری بے چراغ کی

واری بتاؤ تو مری صغرا سے کیا کہا غش ہوگئی کہ ہوش کچھ اس کا بجا رہا
بن کر لہو جگر تو نہیں آنکھ سے بہا کس طرح سے مسوس کے دل کو یہ غم سہا
پوتی کو حق نے دادی کا ورثہ عطا کیا
زہراؑ نے بھی تو صبر کیا اور کیا کیا

ناگاہ پکارے آکے یہ عباسؑ نیک نام اسوار ہوچکے حرم محترم تمام
باقی ہے اک سواری مخدومہ انام جس کا حضور سے متعلق ہے اہتمام
فرّاش قاعدے سے قناتیں لگاتے ہیں
در پہ کھڑے حضور کو اکبرؑ بلاتے ہیں

فرمایا شہؑ نے چلتے ہیں اے حاملِ علم اپنی بہن کا آنکھوں سے پردہ کریں گے ہم
کچھ اماں جان کہتی ہیں اپنا غم و الم منہ ڈھانپتی ہیں میری غریبی پہ دم بدم
عباسؑ جھک کے بولے کہ مجرا مرا کہو
آئی ندا ہماری طرف سے دعا کہو

جانِ وفا نصیب ِعلمداری حسینؑ لیکن رہے خیال مددگاریِ حسینؑ
سارا جہاں ہے صرف دلآزاریِ حسینؑ یثرب سے کربلا کو ہے تیاری حسینؑ
رستے میں ہوجیو نہ کنارے حسینؑ سے
عباسؑ! ہوشیار ہمارے حسینؑ سے

یہ سن کے پردہ پوشِ خلائق ہوا رواں دیکھا قناتیں پردے کی ہیں گردِ آستاں
گہری گھٹا ہو قبلے سے جیسے کبھی عیاں پردہ اُٹھا کے فضہ سے بولے شہِ زماں
ہاں عرض کر بہن سے کہ تیار ہوجئے
ہم آئے اہتمام کو اسوار ہوجئے

شہراہ میں کھڑے ہوئے پھر شاہِ حق پسند ہر بام کی طرف سرِ اقدس کیا بلند
یہ دیکھ کر پکارے نقیبانِ ہوش مند رستے، دریچے، غرفے، جھروکے ہوں سارے بند
ہشیار! کوئی بے ادبی اس گھڑی نہ ہو
لڑکے کولے کے کوٹھے پہ عورت کھڑی نہ ہو

مخدومہ خدیجہ حشم ہوتی ہے سوار پُشت و پناہ اہلِ حرم ہوتی ہے سوار
فخر عرب شکوہِ عجم ہوتی ہے سوار ہمشیر بادشاہِ اُمم ہوتی ہے سوار
ماں اکبرؑ دلیر کی بیٹی بتولؑ کی
زینبؑ فلک جناب نواسی رسولؐ کی

پھر تو نہ شہر میں کوئی دروازہ وا رہا اللہ کا مگر درِ رحمت کھلا رہا
دنیا میں نام کو بھی نہ مرغِ ہوا رہا بہر نماز طائرِ قبلہ نما رہا
ہیبت نے آفتاب کے منہ کو پھرادیا
پردہ کرن کا چشم قمر پر گرا دیا

رہگیر بیٹھ بیٹھ گئے یاں وہاں تمام چھپ چھپ گئے مکانوں میں خرد و کلاں تمام
آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کے ہٹا کارواں تمام ناقوں سے کود کود پڑے ساربان تمام
سب حق شناس عترتِ اطہار ہٹ گئے
سر کے پیادے، راہ سے اسوار ہٹ گئے

غل اہتمام کا جو گیا تا حرم سرا مسند سے فاطمہ کے اُٹھی بنت مرتضیٰ
دوڑیں کنیزیں اور خواصیں برہنہ پا نعلین جھاڑی اور سنبھالی کبھی ردا

زینبؑ نے اس شکوہ پہ شکرِ خدا کیا
جس نے بلند رتبہ خیر الورا کیا

خدمت کے عہدے خدمتیوں نے اٹھا لیے پنکھا تھی ایک خادمہ بہر ہوا لیے
اک دستِ پاک و سبحۂ ذکر خدا لیے اک جانماز و مصحف و رحلِ دوتا لیے
رستے کی پیاس کا کوئی سامان کیے ہوئے
پانی کی سر بمہر صراحی لیے ہوئے

اس عظمت و شکوہ سے وہ صاحبِ حشم ڈیوڑھی کے پاس آئی کیے پشت و سر کو خم
پوچھا ادھر ہے کون پکارے حسینؑ ہم سایہ بھی غیر کا نہیں خالق کا ہے کرم
حاضر ہے بھائی ڈیوڑھی تک ہودج ملانے کو
اکبرؑ کھڑے ہیں آپ کی نعلین اٹھانے کو

ہودج کی سمت ڈر سے بڑھی وہ فلک جناب اکبرؑ نے موزے کھینچ لیے پاؤں سے شتاب
اللہ رے پاسِ خاطر بنت ابوترابؑ زانو خمیدہ کر کے یہ شہؑ نے کیا خطاب
غربت میں ساتھ دیتی ہوئی بھائی نثار ہو
لو پاؤں میرے زانو پہ رکھ کر سوار ہو

رونے لگی لرز کے وہ حضرت کی قدرداں زانوئے شہؑ کو چوم کے بولی نہ بھائی جاں
واری بہن، نہ اتنے بہن پر ہو مہرباں ان شفقتوں کا لے کہیں بدلہ نہ آسماں
اس پردے سے یہ خوف ہے اے شاہؑ دیں مجھے
تقدیر ننگے سر نہ پھرائے کہیں مجھے

زانو تمھارا قبۂ عرش اللہ ہے شیعوں کی بوسہ گاہ مری سجدہ گاہ ہے
اس کا ادب فرشتوں کو مدِ نگاہ ہے افضل ہے سنگِ کعبہ سے قبلہ گواہ ہے
ہے ہے دھروں میں پاؤں ادب سے بعید ہے
زانو تمھارا رحل کلام مجید ہے

اس پرورش کا شکر کہاں تک ادا کروں　　بدلہ میں اس کنیز نوازی کا کیا کروں
بس ہو تو دل نکال کے تم پر فدا کروں　　ہر صبح و شام گرد تمھارے پھرا کروں
اب مجھ کو آسرا ہے نہ ماں کا نہ باپ کا
اللہ کوئی رنج دکھائے نہ آپ کا

شہؑ بولے میرے رنج کی پروا کرو نہ اب　　زانو پہ پاؤں رکھنے میں یہ عذر یہ ادب
اس وقت کیا قلق تمھیں ہوئے گا ہے غضب　　دیکھوگی میرے سینے پہ زانوئے شمر جب
تڑپے گا بھائی زانوئے جلّاد کے تلے
حلقوم ہوگا خنجرِ فولاد کے تلے

چھاتی دبے گی بوجھ سے قاتل کے اس قدر　　سینے کے تیر پیٹھ سے نکلیں گے سر بسر
یہ سن کے تھرتھرا گئے سب کے دل و جگر　　منہ پیٹتی سوار ہوئی وہ نکو سیر
ہمسائیاں پکاریں ہمیں ہول آتے ہیں
روتے ہوئے مدینے سے سادات جاتے ہیں

اٹھا یہ شور محمل بانو سے ناگہاں　　میری سکینہؑ جان ہے اے بیبیو کہاں
عباسؑ اتر کے گھوڑے سے گھر کو ہوئے رواں　　کیا دیکھتے ہیں واں کہ قیامت کا ہے سماں
صغراؑ تپ فراق سے بیہوش ہوتی ہے
تنہا سکینہؑ اُس کے قریں بیٹھی روتی ہے

بڑھ کر کہا سکینہؑ سے عباسؑ نے کہ واہ　　تم یاں بہن کے پاس ہو واں ڈھونڈتے ہیں شاہ
کیا کہتی ہیں یہ پوچھ لو کھوٹی کرو نہ راہ　　صغراؑ پکاری سہم کے میں کیا کہوں گی آہ
خود رحم کھا کے ملنے کو تشریف لائی ہیں
میں نے نہیں بلایا ہے یہ آپ آئی ہیں

عباسؑ بولے چاہتی ہیں تم سے یہ رضا　　بی بی کڑھو نہ اتنا ملائے گا پھر خدا
ماں ان کی بے قرار ہیں حضرت سے بھی سوا　　بولی سدھاریں روکا ہے کس نے نہیں بچا

میرے مرض سے امّاں کو وسواس آتے ہیں
کیوں ان کے پیارے بچے مرے پاس آتے ہیں

کہہ دیجیو گلے سے لگایا نہیں انھیں اپنے بچھونے پر بھی بٹھایا نہیں انھیں
کچھ درد اپنے دل کا سنایا نہیں انھیں پوچھا بہت یہ میں نے بتایا نہیں انھیں
روتی ہوں خود کسی کو میں رلوانے کیوں لگی
لے جائیں آپ ان کو میں ٹھہرانے کیوں لگی

منزل میں دیر ہوگی میں کیا جانتی نہیں کیا آنکھ اپنے کنبے کی پہچانتی نہیں
کس کس کی بے رخی مرا دل چھانتی نہیں اس اوپری دلاسے کو میں مانتی نہیں
تم بھی مرے لیے نہیں تشریف لائے ہو
اپنی سکینہؑ جان کے لینے کو آئے ہو

بس اے دبیرؔ گرچہ ہے مضمون ناتمام مجلس میں محوِ نامہ و ماتم ہیں خاص و عام
کر یہ دعا خدا سے کہ اے خالق انام مشتاق کربلا کی زیارت کا ہے غلام
مجھ کو مٹانے کے لیے گردوں ہے تاک میں
بندے کی خاک اڑ کے ملے خاک پاک میں

○

○

کیا روئے پیمبرؐ نے ضیا پائی ہے
فرقاں کی بلا فرق یہ زیبائی ہے
ہر شئے سے مقدم ہے ہمیں اس کا ادب
قرآن سے پہلے یہ کتاب آئی ہے

○

آدم نے شرف خیرِ بشرؐ سے پایا
رشتہ ایماں کا اِس گہر سے پایا
دو میمِ محمدؐ سے جہاں روشن ہے
مضموں یہ دلِ شمس و قمر سے پایا

سلام

سردارؑ و علم دارؑ کا مجرائی کو غم ہے
دل تعزیہ خانہ ہے تو ہر آہ علم ہے

وصفِ غمِ شبیرؑ میں روشن یہ رقم ہے
مجرائی ورق بدر ہے خورشید قلم ہے

رَن میں ہے عجب دبدبہ سے آمدِ اکبرؑ
نے کافروں میں جان نہ تلوار میں دم ہے

مدّاح سراپا لبِ انصاف سے سب ہیں
غُل ہے یہ جواں جانِ عرب جسمِ عجم ہے

بابا مدنی ماں عجمی جد اسدُ اللہؓ
خوٗد شکل میں محبوب خدا میرا اُمم ہے

یہ بختِ جواں ہے خضرِ پیر کا برحق
یہ حسن میں یوسفؑ سے سوا عمر میں کم ہے

وصفِ دہن تنگ میں عیسیٰؑ کی زباں لال
گویا یہ دلیلِ رہِ باریکِ عدم ہے

قامت ہے وہ قامت کہ حضورؐ اُس کے شرف سے
انگشت سے کم سروِ گلستانِ ارم ہے

دیکھو سر و پیشانی و ابرو کا قرینہ
یہ عرش ہے یہ لوح یہ قدرت کا قلم ہے

حق اس کا ہے نقاش خلیلؑ اُس کا ہے معمار
ابرو کے مقابل کہاں محرابِ حرم ہے

کیا رتبۂ یاقوت و شکر پیشِ لبِ سرخ
یہ لعل ہے وہ سنگ ہے یہ شہد وہ سم ہے

خود و زرہ و تن کی ثنا سب پہ کرو غور
وہ ابرِ کرم ہے تو یہ دریائے کرم ہے

جوہر نہیں چار آئینے میں ہے خطِ باریک
بس چار کتابوں کا خلاصہ یہ بہم ہے

حسرت ہے کہ یہ شیرِ قوی ہاتھ سے کھینچے
ہر وقت کمانِ فلک اِس واسطے خم ہے

تیغِ دو زبانِ شہِؑ مرداں ہے کمر میں
قبضے میں اِسی کے ملک الموت کا دم ہے

عنقا ہے یہ مرکب کہ عقابِ علی اکبرؑ
قدرت کا کرشمہ رگ و ریشے میں بہم ہے

چھل بل ہے چھلاوہ ہے توہّم ہے تصور
اژدر نفس و برق تک و صاعقہ دم ہے

دریا اثر و شعلہ خواص و شرر آگیں
آہو رم و طاؤس دم و شیرِ شیم ہے

اس رخش کا سایہ ہے ہُما جست ہے بجلی سیماب پسینہ ہے ہوا گردِ قدم ہے
خاقانِ سخن ہوں میں دبیرؔ جگر افگار
سکّہ ہے تخلص مرا اور نظم درم ہے

○

آمد خزاں کی گلشن خیرالورا پہ ہے

آمد خزاں کی گلشن خیرالورا پہ ہے نکہت گلِ بتول کی دوشِ فنا پہ ہے
رنگِ ریاضِ ساقیِ کوثر ہوا پہ ہے چھایا سحابِ غم دلِ آلِ عبا پہ ہے
تاراجیٔ چمن سے بہت حال غیر ہے
مدِ نظر حسینؑ کو جنت کی سیر ہے

مرگِ پسر سے خانۂ دل بے چراغ ہے نذرِ حسن کے غم سے جگر داغ داغ ہے
ویراں الم سے بھائی کے راحت کا باغ ہے فرقت میں بھانجوں کی پریشاں دماغ ہے
قالب میں روح جسم میں تاب و تواں نہیں
خاموش یوں کھڑے ہیں کہ گویا زباں نہیں

چہرہ ہے زرد آنکھوں میں نور و ضیا نہیں قابو میں آہ و دل نہیں اور دست و پا نہیں
ہوش و حواس و عقل و طبیعت بجا نہیں سوکھی زبان تالو سے ہوتی جدا نہیں
بیتاب دل ہے سینے میں تھرّائے جاتے ہیں
عالم یہ ضعف کا ہے غش آئے جاتے ہیں

دل بھی ہے چاک جیب قبا بھی پھٹا ہوا جامہ بھی رخ بھی خونِ پسر سے بھرا ہو
دل سے خطاب کرتے ہیں رو کر یہ کیا ہو سب ہوگئے جُدا نہ میرا سر جُدا ہو
حسرت سے جب اٹھاتے ہیں رو کر نگاہ کو
خیمے کو دیکھتے ہیں کبھی قتل گاہ کو

کہتا ہے دل کبھی کہ چلو جانبِ حرم مل لو بہن سے قتل میں وقفہ بہت ہے کم
کہتا ہے گہہ تڑپ کے اے سیّد امم اکبرؑ کی لاش دیکھ لو پھر چل کے ایک دم

ہر سمت اضطرار سے گھوڑا بڑھاتے ہیں
مقتل کو جاتے ہیں کبھی خیمہ کو جاتے ہیں

بیتابیٔ جگر سے جو مضطر ہوئے امام روکی عنانِ مرکبِ پیغمبرِ انام
منہ کرکے آسماں کی طرف یوں کیا کلام دے صبر میرے دل کو اب اے ربِ خاص و عام
ٹکڑے بدن ہو سر ہو قلم اور گھر جلے
پر داغ اقربا سے نہ میرا جگر جلے

یہ کہہ کے سوئے خیمہ چلے شاہِ نامدار دروازے پر جو آئے پکارے یہ بار بار
اے زینبؑ و سکینہ و کلثوم بے دیار اے بانو و رقیہ و کُبرا جگر فگار
ہم کھو کے سب کی دشت میں دولت کو آئے ہیں
پیاروں کے پاس جاتے ہیں رخصت کو آئے ہیں

میداں میں ایک ایک فدائی کو رو چکے تر دیکھ کر لہو سے ترائی کو رو چکے
بھائی کی اور بہن کی کمائی کو رو چکے رن میں پسر کو نہر پہ بھائی کو رو چکے
مل لو کہ ہم سے پھر نہ ملاقات ہوئے گی
اب فاطمہؑ حسین کے لاشے پہ روئے گی

اُس وقت اہل بیتؑ میں اک حشر تھا بپا پہنچا نہ کان تک یہ کلامِ شہِ ہُدا
لیکن سُنی سکینہؑ نے یہ شاہ کی صدا شانہ ہلا کے ماں کو پکاری وہ مہ لقا
پھر کر امام آئے ہیں شکرِ خدا کرو
اماں چلو زیارتِ شاہِ ہُدا کرو

دوڑے یہ سن کے بال بکھیرے ہوئے حرم دیکھا ہیں راہوار پہ زخمی شہِ اُمم
زخموں سے خون بہتا ہے پُشت و کمر ہے خم شدت سے تشنگی کی سماتا نہیں ہے دم
ہر سو نگاہِ یاس کبھی شاہ کرتے ہیں
ہاتھوں سے دل پکڑ کے کبھی آہ کرتے ہیں

زینبؑ نے رو کے پوچھا کہ یاور کہاں گئے عباسؑ و قاسمؑ و علی اکبرؑ کہاں گئے
مسلم کے لال، ضیغمِ حیدر کہاں گئے میرے پسر، عقیل کے دلبر کہاں گئے
کوئی نہیں رکابِ شہِ دیں پناہ میں
رو کر کہا کہ سوتے ہیں سب قتل گاہ میں

ہمشیر، سب ہمارے مددگار مرگئے بھائی، بھتیجے، بھانجے، انصار مرگئے
شانے کٹا کے بھائی علمدار مرگئے اکبرؑ بھی کھا کے نیزۂ خونخوار مرگئے
رخصت دو جلد فاطمہؑ کے نورِ عین کو
جُز مرگ اب نہیں کوئی چارہ حسینؑ کو

بولی تڑپ تڑپ کے وہ آفت کی مبتلا راہِ خدا میں مرگئے سب خویش و اقربا
پردیس میں جو آپ بھی ہم سے ہوئے جدا وارث ہمارا کون ہے پھر شاہِ دوسرا
بعد آپ کے جو ہم کو ستمگر ستائیں گے
یہ ننھے ننھے بچے کہاں لے کے جائیں گے

درّانہ خیمہ گاہ میں آئیں گے اشقیا خیمے جلا کے لوٹیں گے ہم کو یہ بے حیا
برباد ہوگی حرمتِ ناموسِ مصطفاؐ للّٰلہ مان لیں یہ گذارش شہِ ہدا
حالت ہے غیرِ غم سے ہر اک دل ملول کی
پہنچا دیں سب کو قبر پہ نانا رسول کی

بولے یہ کانپ کانپ کے مظلوم کربلا میں ہوں امام کون و مکاں حجت خدا
اس تہلکہ میں آپ سے ہوتا نہ مبتلا پر کیا کروں کہ نانا کی امت نے کی دغا
مہماں بلا کے لوٹ لیا قتل کرتے ہیں
اللہ جانتا ہے غریبی سے مرتے ہیں

کیونکر نہ زخمِ تیر و سناں کھاؤں کیا کروں ان سے بچا کے جان کہاں جاؤں کیا کروں
سنتا نہیں کوئی کسے سمجھاؤں کیا کروں بہرِ مدد میں فوج کہاں پاؤں کیا کروں

اظہار ان سے زورِ امامت کا کیا کروں
امّت ہے نانا جان کی کیا بددُعا کروں

یہ سن کے زرد ہوگئی وہ غم کی مبتلا　　اس درجہ پیٹی سر کہ کلیجہ اُلٹ گیا
چلّائی رو کے اے پسر شاہِ لافتا　　مقبولِ کبریا ہے دُعا آپ کی سدا
نفریں نہ ان کو اے خلف مرتضا کرو
رفع بلا کے واسطے حق سے دعا کرو

سنتے ہی یہ تڑپ گئے سلطانِ کربلا　　رو کر کہا کہ آچکی ہمشیر اب بلا
ہنگام یہ دعا کا نہیں کیا کروں دعا　　اب اختیار کیجیے تسلیم اور رضا
ممکن نہیں زوالِ بلا اب دعا کے ساتھ
بہتر ہے جھیل لیجئے صبر و رضا کے ساتھ

غش خاک پر یہ سن کے ہوئی بنت مرتضا　　اہل حرم میں شورِ قیامت ہوا بپا
رخصت حرم سے ہونے لگے شاہِ دوسرا　　ایک ایک کو گلے سے لگایا جدا جدا
پھر پھر کے گرد اہل حرم جان کھوتے تھے
لپٹائے شہ گلے سے سکینہؑ کو روتے تھے

وہ کہتی تھی کہ شاہِ مدینہ نہ جایئے　　صد چاک غم سے ہے مرا سینہ نہ جایئے
اُلفت کا یہ نہیں ہے قرینہ نہ جایئے　　مرجائے گی تڑپ کے سکینہ نہ جایئے
فرماتے ہیں امام کرو صبر باپ کو
بی بی کرو ہلاک نہ رو رو کے آپ کو

تسکین دے چکے جو سکینہ کو یوں امام　　چاہا بڑھائیں رن کی طرف رخش تیز گام
خاموش تھی کھڑی ہوئی بانوئے تشنہ کام　　دیکھا جو اس نے رن کو چلے سیّد انام
دوڑی سوئے حسینؑ عجب اضطراب سے
آخر لپٹ گئی شہِ دیں کی رکاب سے

روکر کہا کہ اے پسرِ شاہِ لافتاؑ کنبہ حضور کا تو ہے سب آلِ مصطفا
امت ضرور پاس کرے گی رسول کا اک غیر میں ہوں چھینے گی پہلے مری ردا
رن میں ابھی نہ واسطے حیدر کے جائیے
تدبیر میرے پردے کی کچھ کرکے جائیے

رخصت میں عذر کچھ نہیں پر ہے یہ اضطراب ناموسِ سید الشہدا ہوں میں دل کباب
گر اب ہوئی اسیر میں اے ابن بوتراب حضرت کا نام میرا بڑھاپا ہوا خراب
آگے ہوئی جو قید تو یہ آبرو نہ تھی
شہزادی تھی عجم کی علیؑ کی بہو نہ تھی

اکبرؑ کہاں جو میری حمایت کو آئیں گے قاسم نہیں جو لونڈی کی چادر بچائیں گے
عباسؑ ہیں کہاں جو وطن لے کے جائیں گے سب مرگئے مدد کو کسے ہم بلائیں گے
کوئی بھی بیکسی میں مرا دستگیر ہے
زین العباؑ مریض ہے باقر صغیر ہے

یہ سن کے آبدیدہ ہوئے شاہِ کربلا بانوئے بے قرار سے سمجھا کے پھر کہا
بہتر یہی ہے تم کو رہو راضیِ رضا نعمت خدا کی سمجھو گر آئے کوئی بلا
دل سے دعائیں کرتا تھا اس دن کے واسطے
دنیا تو قید خانہ ہے مومن کے واسطے

طوقِ گراں ہے گردنِ بیمار کے لیے قیدِ رسن ہے عترتِ اطہار کے لیے
دُرّہ ہے پشتِ زینبؑ ناچار کے لیے سیلی ہے میری بیٹی کے رخسار کے لیے
چوبِ ستم بنی ہے مرے لب کے واسطے
دربار ہے یزید کا زینبؑ کے واسطے

جس دم گرے گا خاک پہ زہراؑ کا یادگار آئے گا در پہ خیمہ کے بانو یہ راہوار
اس با وفا کی پشت پہ تم ہوجیو سوار فرما گئے جہاں کو ہیں محبوبِ کردگار

اُس دشت کی طرف یہ تمھیں لے کے جائے گا
فضلِ خدا سے فرق نہ پردے میں آئے گا

اُس نے کہا بجا ہے شہِ دیں کا یہ بیاں حق نے کیا ہے آپ کو سرتاجِ صادقاں
لیکن مجھے قرار ہو تب اے شہِ زماں وعدہ کرے جو اپنی زباں سے یہ بے زباں
لُٹنے نہ دے گا اسپِ رسولِ خدا مجھے
لے جائے گا خیام سے یہ باوفا مجھے

یوں رخشِ باوفا سے مخاطب ہوئے امام ہاں بے زباں زباں سے ہو تو بھی تو ہمکلام
کہنے لگا زبانِ فصاحت سے خوش خرام کہتے ہیں جو امام بجا لائے گا غلام
ہرگز نہ خوف کیجیے بلوائے شام سے
لے جاؤں گا حضور کو میں اس مقام سے

تم صاحبِ براق کی کہلاتی ہو بہو تم ہو یتیم راکبِ دُلدُل کی آبرو
واللہ مجھ پہ شاق ہے یہ اے خجستہ خو سر ننگے شہر شہر پھرائیں تمھیں عدو
کافی ہے اک اشارۂ سلطانِ دیں مجھے
اس کام میں تو جان بھی پیاری نہیں مجھے

چُپ ہوگئی وہ سن کے یہ حکمِ شہِ ہُدا ناگاہ شور لشکرِ سفاک سے اُٹھا
تنہا ہیں اب حسینؑ نہ یاور نہ اقربا خیمے کو بڑھ کے لوٹ لو اور دیکھتے ہو کیا
چھینو رِدا بہن کی برادر کے سامنے
سر کاٹ لو حسینؑ کا خواہر کے سامنے

یہ سُن کے غیظ آگیا منہ سرخ ہوگیا بیٹھے سنبھل کے زین پہ مظلوم کربلا
بے ساختہ یہ آلِ پیمبرؐ کو دی صدا لو الوداع اے حرمِ شیرِ کبریا
زینبؑ سے بولے ظلم بہت ہونے والے ہیں
لو اب مری سکینہؑ تمھارے حوالے ہیں

تھاما یہ کہہ کے ہاتھ میں تسمہ لجام کا پھراور تھا چلن فرسِ تیزگام کا
دیکھا قدم قدم پہ جو عالم خرام کا ٹھہرا نہ رنگ پھر فلکِ نیل فام کا
دو ایک گام ساتھ ہوا چل کے رہ گئی
بجلی بھی وقتِ گرم روی جل کے رہ گئی

صورت میں حور، خو، میں ملک ناز میں بری ہنگام سیرِ عرش براقِ پیمبری
وقت جہاد چلنے میں شمشیرِ حیدری جودت میں طبع طبع میں قہر دلاوری
رنگِ بہار گل یہ گل نو بہار تھا
بو کی طرح دماغ ہوا پر سوار تھا

مثل عروسِ تازہ سراپا سجا ہوا پھولوں میں گل کی طرح سے تھا وہ بسا ہوا
طیش و غضب میں آگ بگولا بنا ہوا سُرعت میں وہ نسیم سے کوسوں بڑھا ہوا
ہینکل کے چاند مہر سے ضو میں لڑے ہوئے
نعلوں کے بدلے چار مہِ نو جڑے ہوئے

توسن کی یہ ثنا نہ سنی ہوگی آج تک ضیغم کی بو غزال کی خو برق کی چمک
سیاروں کی روانگی اور شعلہ کی چمک دریا کا غل گھٹا کی طرح رعد کی کڑک
روز ازل جو ربط یہ مجموعہ پا گیا
پھر روح بن کے حکمِ الٰہی سما گیا

جاتے تھے بادپا کو اڑائے ہوئے امام بڑھ بڑھ کے چومتی تھی ظفر قبضہ حسام
صف صف تھا غل یہ آئے وہ آئے شہ انام بھاگو کہ سرخ غیظ سے ہے روئے لالہ فام
قبضہ پہ ہاتھ ہے اسدِ حق کے شیر کا
ڈورا کھلا ہوا ہے حسام دلیر کا

آمد ہے بوستانِ اجل میں بہار کی گلچیں قضا ہے باغیچہ روگاز کی
لشکر میں بندھ رہی ہے ہوا ذو الفقار کی اک ضرب میں اجل ہے برابر ہزار کی

فوجِ ستم سے شہ کی سواری قریب ہے
فصل خزاں سے فصل بہاری قریب ہے

دیکھا جلال میں جو گل مصطفا کا رنگ   اڑنے لگا زمانے کی آب و ہوا کی رنگ
ہستی کے بوستان میں چھایا فنا کا رنگ   ہے چہرۂ حیات سے پیدا فضا کا رنگ
دریائے قہر سبط پیمبر ہے جوش پر
طوفاں کا شور ہے فلک نیل پوش پر

صحرا و کوہ و شہر و بیاباں لرزتے ہیں   محراب و بام و کعبہ و ایواں لرزتے ہیں
ہلتے ہیں تخت قیصر و خاقاں لرزتے ہیں   انسان کیا تمام بنی جاں لرزتے ہیں
خونِ عدو سے تازہ شفق آج پھولے گی
جھولے میں زلزلے کے زمیں رن کی جھولے گی

شیروں کا زہرہ آب، دلیروں کا رنگ زرد   مچھلی کا دل کباب ہے بجلی کا جسم سرد
گاوِ زمیں کو رعشہ ہے تاروں کے سر میں درد   برہم تمام دفترِ عالم ہے فرد فرد
وہ شئے ہے کون سی جو نہ ہو اضطراب میں
سب نقطہ ساں ہیں دائرۂ انقلاب میں

آیا جو رن میں ضیغم ضرغام کبریا   روکی عنانِ مرکبِ سلطان انبیا
پھر ہر ایک مورچہ کو روئے پُرضیا   فرمایا اس طرح سے کہ اے قوم اشقیا
بس بس نہ دل دکھاؤ بہت دل ملول کا
وارث ہوں زور و تیغ وصیِ رسول کا

جس نے قمر کو شق کیا اس کا قمر ہوں میں   دو مہرِ لازوال کا نورِ نظر ہوں میں
دو بدرِ با کمال کا لختِ جگر ہوں میں   دو تخم با شرف کا ضیائے بصر ہوں میں
یاقوتِ گوشوارۂ عرش جلیل ہوں
در یتیم ، درج ذبیح و خلیل ہوں

نکلی ہے جب حسام ہماری نیام سے	اُڑ اُڑ گئے ملائکہ اپنے مقام سے
ہے زرد روئے مہر اسی لالہ فام سے	مریخ کانپتا ہے سدا اس کے نام سے
قبضہ کیے ہوئے ہے یہی غرق و شرق پر
گرتی ہے مثل برق یہ کافر کے فرق پر

دیکھو سمجھ لو خوب کہ کس کے خلف ہیں ہم	جس کے صدف نہیں ہیں وہ درِ شرف ہیں ہم
زہراؑ کے لال، گوہر شاہِ نجف ہیں ہم	امت کی مغفرت کے لیے سر بکف ہیں ہم
حاکم کا خوف تم کو ہے خوفِ خدا نہیں
دیکھو ہمارا خون بہانا روا نہیں

مشہور ہے شہادتِ یحییٰ کا ماجرا	اک ان کے خون بہنے سے کس کس کا خوں بہا
لیکن ہمارا خون تو ہے خون مصطفا	گر یہ گرا زمیں پہ قیامت ہوئی بپا
مال و متاع کچھ بھی نہیں ہاتھ آئے گا
اک اک کی جان جائے گی ایمان جائے گا

اس کے سوا یہود و نصارا کہیں گے سب	اُمت نے مصطفا کی یہ کیسا کیا غضب
اپنے رسول زادے کا سر کاٹا بے سبب	اُس دم جواب میں نہ کھلیں گے تمھارے لب
تم ہم سے پھر کے دعویٰ اسلام کرتے ہو
کیوں امتِ رسولؐ کو بدنام کرتے ہو

لو اب بھی باز آؤ نہ جورو جفا کرو	مہماں کے قتل کرنے سے شرم و حیا کرو
خوفِ خدا، لحاظ رسولِ خدا کرو	دنیا کے واسطے نہ مرا سر جُدا کرو
بیکس ہوں بے دیار ہوں یارو پناہ دو
ترک و حبش کو یاں سے چلا جاؤں راہ دو

لو اب نہ روحِ فاطمہؑ کو خلد میں رلاؤ	سیّد پہ بے وطن پہ، مسافر پہ رحم کھاؤ
تھوڑا مجھے ستایا ہے بس بس نہ اب ستاؤ	پیاسا ہوں یارو پیاسا ہوں پانی مجھے پلاؤ

گلشن قلم کیا مرے نانا رسولؐ کا
کاٹو نہ اب چھری سے کلیجہ بتول کا

لشکر کا خاتمہ ہوا ہم رو کے رہ گئے — دولت حسن کی ہاتھوں سے ہم کھو کے رہ گئے
بیٹوں کے غم میں اشکوں سے منہ دھو کے رہ گئے — سب قافلے سے آج جدا ہو کے رہ گئے
سکتے میں اہل بیت ہیں خوف و ہراس سے
مرتے ہیں ننھے ننھے مرے بچے پیاس سے

بولے عدو کہ جاہ و جلالت دکھا چکے — کیوں اے حسینؑ زور شجاعت دکھا چکے
تیغِ علیؑ کی برش و ضربت دکھا چکے — بس بس بہت زباں کی طلاقت دکھا چکے
دو باتیں اب ہیں یا تو شہادت کرو قبول
اور یا امیرِ شام کی بیعت کرو قبول

یہ سُن کے تیغ ابروئے اقدس میں بل پڑا — پنجہ میانِ قبضۂ سیفِ اجل پڑا
جلّاد چرخ بُرج میاں سے نکل پڑا — یا ناریوں پہ آگ کا دریا اُبل پڑا
غل تھا عجیب تیغ دوسر کے جلال ہیں
بے آسماں کے آج عیاں دو ہلال ہیں

برسی جو تیغ اور ہی ساماں دکھادیا — ٹپکا سروں کا قصرِ بدن سے لگادیا
جل تھل لہو سے بھردیے دریا بہادیا — سیلابِ خوں نے موسمِ باراں بھلا دیا
رن میں کبھی گری کبھی برسی فرات پر
آتی تھی جھوم جھوم کے کشتِ حیات پر

مغفر پہ جب گرمی سرِ کفار کھاگئی — تقدیر کے لکھے کو جبیں سے مٹا گئی
پردے میں آنکھ بھر تماشا دکھاگئی — دریا تھی اور کوزے کے اندر سما گئی
جب تک نہ یہ ملی تھی گلے کو گِلہ رہا
جب یہ گلے ملی نہ گِلا نہ گلا رہا

آئی کڑک کے جب صفِ کفار گر پڑی اک غل اُٹھا وہ سیل سے دیوار گر پڑی
شانہ سے ہاتھ ہاتھ سے تلوار گر پڑی گردوں سے فرق فرق سے دستار گر پڑی
دل پارہ پارہ ہو کے تو کٹ کر جگر گرا
آنسو کی طرح آنکھوں سے نورِ نظر گرا

ماہی کے سر پہ گاہ سرِ آسماں پہ تھی گاوِ زمیں کی شاخ پہ گہہ کہکشاں پہ تھی
گہہ ابر رعد پر گہے برق تپاں پہ تھی دوشِ ہوا پہ تھی گہے آبِ رواں پہ تھی
شعلہ فگن تھی گہہ کرۂ زمہر یر پر
مہر منیر پر کبھی بدرِ منیر پر

کیا کیا ہنر یہ تیغِ دو پیکر نہ رکھتی تھی قالب میں روح جسم پہ یہ سر نہ رکھتی تھی
عنقا کی طرح پاؤں زمیں پر نہ رکھتی تھی پر فضلِ حق سمجھئے کہ یہ پر نہ رکھتی تھی
چار آئینہ بدن پہ برابر پگھلتے تھے
لوہے کی یہ کڑی تھی کہ پتھر پگھلتے تھے

اس لیلیٰ ظفر کی اداؤں کا تھا یہ حال مجنوں وہ بن گیا جسے دکھلا دیا جمال
کیا ناز تھا کہ مل کے گلے سے کیا حلال شیریں ادا پہ غش ہوئے ایسی چلی وہ چال
دشتِ عدم کو ڈر کے ختن سے ہرن گئے
مجنوں کی طرح شیر بھی دیوانہ بن گئے

آئی کڑک کے گنبدِ مغفر گرا گئی دستانے ہاتھوں سے وہ برابر گرا گئی
چار آئینہ کے کاٹ کے جوہر گرا گئی پُرزرے اڑا کے جسم کے بکتر گرا گئی
جب تک کھلا نہ قلعہ جوشن کھڑی رہی
کڑیاں زرہ کی نرم ہوئیں یہ کڑی رہی

سرپوش تھی زمین کا پر آسماں نہ تھی روشن تھی آسماں پہ ولے کہکشاں نہ تھی
دریا میں تھی رواں مگر آبِ رواں نہ تھی چمکی ہر ایک سمت پہ برقِ تپاں نہ تھی

اُن سے ملی یہ جن سے کبھی آشنا نہ تھی
چلتی تھی غرب و شرق پہ لیکن ہوا نہ تھی

معشوق دل نواز تھی وہ بے وفا نہ تھی　　سرخم تھا انکسار سے وہ کج ادا نہ تھی
قہرِ خدا تھی اور کوئی وہ بلا نہ تھی　　شمشیر عدل و داد تھی جور و جفا نہ تھی
فقروں سے اس کے موت شکنجوں میں رہتی تھی
ناخن نہ تھے پہ شیروں کے پنجوں میں رہتی تھی

اس کی ہوا نسیم چمن سے جو لڑگئی　　برقِ خزاں بہار گلستاں پہ پڑگئی
رنگت گلوں کی غنچوں کی صورت بگڑ گئی　　ہوکر خجل بلندی شمشاد گڑ گئی
آنکھوں میں عندلیب کے گل خار ہوگیا
اور سرو قمریوں کے لیے دار ہوگیا

دریا پہ قہر سے جو یہ سیلِ فنا گئی　　مچھلی تڑپ کے جانب تحت الثرا گئی
نہ کشتی فلک بھی تلاطم میں آگئی　　تڑپی وہ اس قدر کہ صدف تھرتھرا گئی
دریا پہ آبِ تیغ کا یہ خوف چھا گیا
موتی کی آب بن کے صدف میں سما گیا

برسا رہی تھی خون کا مینہ یوں وہ لالہ فام　　جو یک بیک ہوا ہوئی رن سے سپاہ شام
ننگ اپنا سمجھے ان کا تعقب شہِ انام　　سایہ میں اک درخت کے پھر کر کیا قیام
گو قہر سے تھی شہ کی کریمی بڑھی ہوئی
پر تیغ تھی کھنچی ہوئی تیوری چڑھی ہوئی

رکنا تھا تیغ کا کہ سمٹ آئی پھر سپاہ　　آمادۂ جدال پھرے سب وہ روسیاہ
دہنی طرف کو آکے ہوئے حملہ ور جو شاہ　　اک دم میں کجرووں کو بتائی عدم کی راہ
شعلہ فشاں تھی تیغ دو پیکر سپاہ میں
یا برق کوندتی تھی وہ ابرِ سیاہ میں

اونچی ہوئی تو نوکِ سناں لے کے اُڑگئی	کیسی سناں یہ زاغ کماں لے کے اڑگئی
سوفار کے لبوں کا نشاں لے کے اڑگئی	خنجر جو منہ چڑھا تو زباں لے کے اُڑگئی
جس تیغ پر بصورتِ صیقل یہ پھر گئی
رنگ اُس کا مثلِ رنگ اڑا باڑھ کر گئی

لائے نہ تابِ جنگ ستمگر ہوئے فرار	آ کر وہیں کھڑے ہوئے پھر شاہِ نامدار
کیا بے حیا تھی فوجِ یزید ستم شعار	مہلت ملی تو جمع ہوئے پھر وہ نابکار
صف صف بڑھے وہ تیغ و سناں تولتے ہوئے
حضرت چلے اِدھر سے صفیں رولتے ہوئے

آیا نظر جو رن میں ہجوم سیاہ شام	اٹھی برائے جائزہ تیغِ ظفر نیام
بے مثل پہلواں نظری ہوگئے تمام	چہروں سے خد و خال مٹے دفتروں سے نام
زیر و زبر بپا دے تھے برہم رسالے تھے
بس یک قلم پروں کے پرے کاٹ ڈالے تھے

جس صف پہ آئی پہلے حراول قلم کیے	جو خیرہ سر تھے ان کے سراول قلم کیے
تیروں کے دستے نیزوں کے جنگل قلم کیے	ڈھالوں کے پھول برچھیوں کے پھل قلم کیے
چار آئینوں میں عکس کی صورت سما گئی
تیری بدن میں چار عناصر کو کھا گئی

تیغ دو دم کے سایہ میں تھی برق کی سرشت	جل جل کے خاک ہوگئی عمرِ عدو کی کشت
عاجز ہوئی جو ضرب سے اس کی سپاہ زشت	بھاگی سقر کو، پُشت کیے جانب بہشت
میداں سے پھر فرار جو چھوٹے بڑے ہوئے
پھر کر اُسی شجر کے تلے شہ کھڑے ہوئے

سر الشہادتین میں آگے ہے یوں لکھا	اک نامہ آسمان سے آیا بصد ضیا
اور ہاتھ پر حسینؑ کے رونق فزا ہوا	کھولا تو اپنے قتل کا محضر نظر پڑا

واضح ہوا یہ شاہ پہ بین السطور سے
لکھا ہے پُشت نامہ پہ کچھ خط نور سے

کیا دیکھتے ہیں نامہ اُلٹ کر شہِ اُمم   مضمونِ نو یہ خامۂ قدرت سے ہے رقم
شبیر اپنے عزو شرف کی ہمیں قسم   زہراؑ سے بھی زیادہ تجھے چاہتے ہیں ہم
یہ مہر ہے تمھاری یہ محضر تمھارا ہے
اب شوقِ زیست ہے کہ شہادت گوارا ہے

راہِ خدا میں آج اگر سر نہ دیجیے   تو چاک اپنے خون کا محضر یہ کیجیے
راضی ہے حق کہ جامِ شہادت نہ پیجیے   نصرت میں بھیجتا ہوں کمک مجھ سے لیجیے
حاصل ہو فتح اور تمھیں رنج و الم نہ ہو
رتبہ جو ہے تمھارا وہ اک ذرہ کم نہ ہو

سر دینے کی جو دل میں تمھارے اُمنگ ہے   پھر کس لیے یہ غیظ ہے یہ طرزِ جنگ ہے
شبیر آج تیغ زنی کا وہ رنگ ہے   فوجِ یزید کیا ہے کہ دل سب کا دنگ ہے
بس لڑ چکے نیام میں صمصام کیجیے
اب آیئے بہشت میں آرام کیجیے

تھرا گئے یہ پڑھتے ہی مظلوم کربلا   پیچیدہ کرکے نامہ ہوا میں اڑا دیا
بے ساختہ نیام میں کی تیغ مرتضا   پھر یوں زبان حال سے کی رو کے التجا
بندو ں کا پردہ پوش خدائے جلیل ہے
اُمیدوار عفو یہ عبدِ ذلیل ہے

شاہی کی اب ہوس ہے نہ لشکر کا اشتیاق   صغراؑ کا اشتیاق نہ اب گھر کا اشتیاق
بس ہے تو وصلِ خالقِ اکبر کا اشتیاق   بچپن سے اس گلے کو ہے خنجر کا اشتیاق
تیرا مطیع ہو کے نہ سر کو فدا کروں
محضر پہ مہر کرکے نہ وعدہ وفا کروں

صدیقہ ماں ہے صادق الاقرار ہے حسینؑ مرنے پہ جان دینے پہ تیار ہے حسینؑ
اک تیغ کھینچنے کا گنہگار ہے حسینؑ نادم ہوا کرم کا سزاوار ہے حسینؑ
جو جو ستم کریں یہ ستمگر اٹھاؤں گا
محراب تیغ میں سرِ طاعت جھکاؤں گا

جو ظلم آج مجھ پہ ہوئے انتہا نہیں شکوے سے پر زبان مری آشنا نہیں
بیٹا جوان مرگیا ماتم کیا نہیں بھائی کے شانے کٹ گئے پر کچھ کہا نہیں
ہاتھوں پہ خونِ اصغرؑ بے شیر بہہ گیا
میں صبر کرکے رہ گیا۔ وہ مر کے رہ گیا

جنگل میں بوستانِ رسالت لُٹا چکا بھائی کی اور باپ کی دولت لُٹا چکا
پونجی حرم کی اپنی بضاعت لُٹا چکا سب کچھ برائے بخشش امت لٹا چکا
باقی کوئی شہیدوں کے دفتر میں اب نہیں
جز عابدِ مریض کوئی گھر میں اب نہیں

یوں ملتجی تھے حق سے امامِ فلک وقار جو آئی چار سمت سے پھر فوج بدمعاش
دیکھا کہ ہے نیام میں حیدرؑ کی ذوالفقار جرأت ہوئی ہر ایک کو بڑھ کر لگائے دار
یادِ خدا میں شاہ نے سب کو بھلا دیا
جب زخم کھایا شکر کیا، مسکرادیا

مارا کسی نے گرز جو سر پر کہا کہ شکر دل پر لگا جو نیزہ تو ہنس کر کہا کہ شکر
گزرے جو تیر سینے سے باہر کہا کہ شکر تیغیں جو نکلیں منہ کے برابر کہا کہ شکر
سنبھلا گیا نہ خانۂ زین پر امام سے
غش کھا کے گر پڑے فرسِ تیزگام سے

گر کر زمیں پہ گھوڑے سے کہنے لگے امام دشتِ ستم میں اب نہیں بہتر تیرا قیام
ہاں ذوالجناح جا سوئے ناموس تشنہ کام ہوویں گے منتظر ترے اہل حرم تمام

بس آخری اب ایک یہ خدمت ہماری ہے
جا کر خبر یہ کر کہ شہادت ہماری ہے

یہ سن کے سوئے خیمہ چلا اسپ باوفا   روراو قتل الحسین کا اعدا میں غل ہوا
اس شور سے لرز گئے ناموسِ مصطفا   گھبرا کے نکلی خیمہ سے زینبؑ برہنہ پا
اک اک سے پوچھتی تھی نواسی رسولؐ کی
باقی ہے یا اُجڑ گئی بستی بتولؑ کی

دوڑی یہ کہہ کے رن کی طرف وہ اسیرِ غم   منہ پیٹ کر پکارتی تھی یوں وہ ہر قدم
آواز دو کہاں ہو کہاں ہو شہِ اُمم   دیتی ہوں میں سکینہ کے سر کی تمھیں قسم
بھائی پکار لو مجھے بھائی پکار لو
آئے کہاں بتول کی جائی پکار لو

اے مصطفٰے کی گود کے پالے کہاں ہے تو   اے مرتضٰی کے گھر کے اُجالے کہاں ہے تو
اے فاطمہ کی گود کے پالے کہاں ہے تو   آ کر بہن گلے سے لگالے کہاں ہے تو
اکبرؑ کے پاس یا علی اصغر کے پاس ہو
یا نہر علقمہ پہ برادر کے پاس ہو

اے آلِ مصطفٰےؐ کے سہارے جواب دے   اے تین دن کی پیاس کے مارے جواب دے
اے عرشِ کبریا کے ستارے جواب دے   اے بھائی سرپرست ہمارے جواب دے
آواز دو بہن کو برادر کدھر گئے
جیتے ہو بھائی جان کہ جی سے گزر گئے

بھائی کو یوں پکارتی جاتی تھی وہ حزیں   ناگاہ پہنچی حضرت شبیر کے قریں
اور ساتھ ساتھ تھے حرم شاہ مرسلیں   دیکھا کہ خاک پر ہیں پڑے غش میں شاہ دیں
سینہ پہ شہ کے شمرِ ستمگر سوار ہے
حلقوم سے ملی ہوئی خنجر کی دھار ہے

تھرا گئی یہ دیکھ کے وہ غم کی مبتلا منہ پیٹ کر یہ شمرِ ستمگر کو دی صدا
جس کے یہ قتل کی ہے تجھے فکر بے حیا یہ پارۂ جگر ہے علی و بتول کا
للّٰلہ رحم کر کہ کئی دن کا پیاسا ہے
پیاسا ہے اور تیرے نبی کا نواسا ہے

اے شمر کیا تجھے نہیں خوفِ الٰہ ہے سیّد ہے بے دیار ہے اور بے گناہ ہے
ہم بیکسوں کا بس یہی پشت وپناہ ہے بعد اس کے خاندانِ نبوت تباہ ہے
ظالم قلم نہ کر شہِ دلگیر کا گلا
بھائی کے بدلے کاٹ لے ہمشیر کا گلا

منظور یہ نہ ہو جو تجھے اے ستم شعار مہلت دے اتنی شمر ہمیں بہر کردگار
صدقے ہوں گرد بھائی کے پھر کر میں سات بار بو، سونگھوں اور چوموں گلے کو میں دلفگار
دل سے لگاؤں بادشہِ کربلائی کو
جی بھر کے پیار کرلوں میں مظلوم بھائی کو

بے سایہ دھوپ میں ہے جگر بندِ مصطفا اے شمر گر کہے تو کروں سایۂ ردا
مہلت دے کچھ کہ ہے دمِ آخر حسینؑ کا کچھ باتیں کر لے بھائی سے یہ غم کی مبتلا
بھائی بہن میں حرف وحکایات ہوئے گی
بچھڑی جو اَب تو پھر نہ ملاقات ہوئے گی

اے شمر شرم کر تو رسولِ انام سے خنجر ابھی اٹھا لے گلوئے امام سے
سجادؑ کو بلالوں ذرا میں خیام سے کچھ بات کرلے یہ پسر تشنہ کام سے
روئے حسینؑ عابدِ بیمار دیکھ لے
بیٹے کو باپ باپ کو دلدار دیکھ لے

کہنے کو کیا نہ زینبؑ مغموم نے کہا پر نرم کچھ ہوا نہ دلِ شمر بے حیا
ناچار ہوگئی جو وہ آفت کی مبتلا مڑ کر سوئے بقیعہ یہ زہرا کو دی صدا

کیا اماں آپ قبر میں سوتی ہیں چین سے
آؤ یہاں بچھڑتی ہے زینبؑ حسینؑ سے
صدقے ہو بیٹی آپ کے اے اماں جلد آؤ دشت نجف سے شاہِ نجف کو بھی ساتھ لاؤ
بھائی کو میرے تیغِ جفا کار سے بچاؤ کچھ دیر قتل میں نہیں عرصہ نہ اب لگاؤ
دم ہے لبوں پہ اور ہے گردن ڈھلی ہوئی
تیغ جفا ہے خشک گلے سے ملی ہوئی
یہ کہہ کے دل جو فرطِ قلق سے اُلٹ گیا سر پیٹی اس قدر کہ قیامت ہوئی بپا
غش میں سنی جو شاہ نے ہمشیر کی صدا کھولی جو آنکھ دیکھا غضب کا ہے ماجرا
سینہ پہ شمر بیٹھا ہے خنجر لیے ہوئے
زینبؑ کھڑی ہے چاک گریباں کیے ہوئے
تغیر گو تھی حالتِ مظلوم کربلا غیرت سے بند بند مگر تھرتھرا گیا
رو کر کہا کہ اے جگر اشرف النسا بھائی کے جیتے جی یہ بہن تم نے کیا کیا
سر ننگے آئیں تم سپہ نابکار میں
ماں کا چلن بھلادیا بھائی کے پیار میں
وہ بولی صدقے جاؤں نہیں کچھ مری خطا جب اوقتل الحسین کی میں نے سنی صدا
بے اختیار ہو کے میں نکلی برہنہ پا فرمایا شہ نے خیر جو ہونا تھا سو ہوا
مصروف اب حسینؑ ہے یادِ اللہ میں
جاؤ ہمارے سر کی قسم خیمہ گاہ میں
یہ سُن کے سوئے خیمہ وہ مضطر رواں ہوئی یاں حلقِ شہ پہ تیغِ ستمگر رواں ہوئی
اور سوئے کوہ بانوئے سرورؑ رواں ہوئی گھر لوٹنے کو فوج برابر رواں ہوئی
بس اے دبیرؔ تاب نہیں اب قلم میں ہے
بلوائے عام خیمۂ شاہِ اُمم میں ہے

○

○

یوں دانے بھی آسیا میں کم پستے ہیں
سب اہلِ زمیں جیسے بہم پستے ہیں
اک سنگِ فلک دوسرا ہے سنگِ زمیں
دانوں کی طرح بیچ میں ہم پستے ہیں

○

دنیا کا عجب کارخانہ دیکھا
کس کس کا نہ یاں ہم نے زمانہ دیکھا
برسوں رہا جن کے سر پہ چترِ زریں
تربت پہ نہ ان کی شامیانہ دیکھا

سلام

مُجرئی ہے سوگوارِ ماہِ حیدرؑ چاندنی
اشک ہیں شبنم بُکا کرتی ہے شب بھر چاندنی

مجرئی فرشِ نجف سے کب ہو ہمسر چاندنی
چاندنی جھاڑو تو جھڑتی ہے زمیں پر چاندنی

اے فلک اندھیر ہے عابدؑ کا زنداں بے چراغ
اے زمیں کیا قہر ہے دنیا میں گھر گھر چاندنی

تا کمالِ چاردہ معصومؑ روشن سب پہ ہو
چودھویں شب کو رہا کرتی ہے شب بھر چاندنی

حلۂ نورانیِ فردوس کے مشتاق تھے
دیکھ کر عاشور کی شب کو بہتّر چاندنی

شمر نے چاہا کہ حضرت سے جدا عباسؑ ہوں
یہ نہ سمجھا چاند سے چھوٹے گی کیوں کر چاندنی

جب سفیدی روضۂ شبیرؑ میں ہونے لگی
گرد روضہ کے پھری چونے میں مل کر چاندنی

مال و زر کا کیا بھروسا چاہیے فکرِ مآل
فی المثل ہے چار دن کی اے تونگر چاندنی

ابروے ماہِ بنی ہاشمؑ سے روشن تھا جہاں
بدر سے اس ماہِ نو میں تھی فزوں تر چاندنی

بارہا لکھا ہے شب کو حُسنِ رخسارِ حسینؑ
روشنائی میں مرکب کی ہے اکثر چاندنی

خاکساروں کا ہر اک دھبّے سے دامن پاک ہے
گرد آلودہ نہیں ہوتی زمیں پر چاندنی

مہدیؑ دیں ہیں نہاں فیضِ ہدایت ہے عیاں
چاند جیسے ابر میں اور جلوہ گستر چاندنی

اے خوشا طالع کہ ہے نامِ حسنؑ سے ہم عدو
کیوں نہ ہو روشن دلوں میں نام آور چاندنی

اصغرؑ بے شیر کی تربت پہ رکھنا چاہیے
چاند کا ہے دودھ سے لبریز ساغرِ چاندنی

احمدؐ مختار ہیں نورِ خدا کے آسماں
حیدرؑ و زہراؑ قمر شبیرؑ و شبرؑ چاندنی

اک مہِ داغِ عزا میں کتنے جلوے ہیں دبیر
قبر پر باہر چراغاں اور اندر چاندنی

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے　　رستم کا جگر زیرِ کفن کانپ رہا ہے
ہر قصرِ سلاطین زمن کانپ رہا ہے　　سب ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو
جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

ہیبت سے ہیں نہ قلعہ افلاک کے در بند　　جلاد فلک بھی نظر آتا ہے نظر بند
وا ہے کمرِ چرخ سے جوزا کا کمر بند　　سیارے ہیں غلطاں صفتِ طائرِ پر بند
انگشتِ عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے
خورشید کے پنجے سے علم چھوٹ پڑا ہے

خود فتنہ و شر پڑھ رہے ہیں فاتحہ خیر　　کہتے ہیں انا العبد لرز کر صنم دیر
جاں غیر ہے تن غیر مکیں غیر مکاں غیر　　نے چرخ کا ہے دور نہ سیاروں کی ہے سیر
سکتے میں فلک خوف سے مانند زمیں ہے
جز بختِ یزید اب کوئی گردش میں نہیں ہے

بیہوش ہے بجلی، پہ سمندان کا ہے ہشیار　　خوابیدہ ہیں سب طالعِ عباسؑ ہے بیدار
پوشیدہ ہے خورشید، علم ان کا نمودار　　بے نور ہے منہ چاند کا رخ انکا ضیا بار
سب جزو ہیں کل رتبے میں کہلاتے ہیں عباسؑ
کونین پیادہ ہیں، سوار آتے ہیں عباسؑ

راحت کے محلوں کو بلا پوچھ رہی ہے　　ہستی کے مکانوں کو فنا پوچھ رہی ہے
تقدیر ہے عمر اپنی قضا پوچھ رہی ہے　　دوزخ کا پتہ فوجِ جفا پوچھ رہی ہے

غفلت کا تو دل چونک پڑا خوف سے ہل کر
فتنے نے کیا خواب گلے کفر سے مل کر

روکش ہے اس اک تن کا نہ بہمن نہ تہمن سُہراب نریمان و پشن ، بے سر و بے تن
قاروں کی طرح تخت زمیں غرق ہے قارن ہر عاشق دنیا کو ہے دنیا چہ بیژن
سب بھول گئے اپنا حسب اور نسب آج
آتا ہے جگر گوشہ قتال عرب آج

ہر خود نہاں ہوتا ہے خود کاسہ سر میں مانند رگ و ریشہ زرہ چھپتی ہے بر میں
بے رنگ ہے رنگ اسلحے کا فوج عمر میں جوہر ہے نہ تیغوں میں نہ روغن ہے سپر میں
رنگ اڑ کے بھرا ہے جو رخ فوج لعیں کا
چہرہ نظر آتا ہے فلک کا نہ زمیں کا

ہے شور فلک کا کہ یہ خورشید عرب ہے انصاف یہ کہتا ہے کہ چپ ترک ادب ہے
خورشید فلک پرتوِ عارض کا لقب ہے یہ قدرت رب، قدرتِ رب، قدرتِ رب ہے
ہر ایک کب اس کے شرف و جاہ کو سمجھے
اس بندے کو وہ سمجھے جو اللہ کو سمجھے

یوسفؑ ہے یہ کنعان میں سلیماں ہے سبا میں عیسیٰ ہے مسیحائی میں موسیٰ ہے دعا میں
ایوب ہے یہ صبر میں یحییٰ ہے بکا میں شبیر ہے مظلومی میں حیدرؑ ہے وغا میں
کیا غم جو نہ مادر نہ پدر رکھتے ہیں آدمؑ
عباس سا دنیا میں پسر رکھتے ہیں آدمؑ

پنجے میں ید اللہ ہے بازو میں ہے جعفر طاعت میں ملک ، خو میں حسن زور میں حیدرؑ
اقبال میں ہاشم ہے تواضع میں پیمبرؐ اور طنطنہ و دبدبہ میں حمزہؑ صفدر
جوہر کے دکھانے میں یہ شمشیرِ خدا ہے
اور سر کے کٹانے میں یہ شاہِ شہدا ہے

بے ان کے شرف کچھ بھی زمانہ نہیں رکھتا ایمان سوا ان کے خزانہ نہیں رکھتا
قرآن بھی کوئی اور فسانہ نہیں رکھتا شبیر بغیر ان کے یگانہ نہیں رکھتا
یہ روحِ مقدس ہے فقط جلوہ گری میں
یہ عقلِ مجرد ہے جمالِ بشری میں

صحرا میں گرا پرتو عارض جو قضا را سورج کی کرن نے کیا شرما کے کنارا
یوں دھوپ اڑی، آگ پہ جس طرح سے پارا موسیٰ کی طرح غش ہوئے سب، کیسا نظارا
جز مدح نہ دم روشنیِ طور نے مارا
شبخون عجب دھوپ پہ اس نور نے مارا

قربان ہوائے علم شاہِ امم کے سب خار ہرے ہو کے بنے سرو ارم کے
ہیں راز عیاں خالق ذوالفضل و کرم کے جبریل نے پر کھولے ہیں دامن میں علم کے
پرچم کا جہاں عکس گرا صاعقہ چمکا
پرچم کہیں دیکھا نہ سنا اس چم و خم کا

قرنا میں نہ دم ہے نہ جلاجل میں صدا ہے بوق و دہل و کوس کی بھی سانس ہوا ہے
ہر دل کے دھڑکنے کا مگر شور بپا ہے باجا جو سلامی کا اسے کہیے بجا ہے
سکتے میں جو آواز ہے نقارہ و دف کی
نوبت ہے ورودِ خلفِ شاہ نجف کی

مداح کو اب تازگی نظم میں کد ہے یاحضرت عباس علیؑ وقت مدد ہے
مولا کی مدد سے جو سخن ہے وہ سند ہے اس نظم کا جو ہو نہ مُقر اُس کو حسد ہے
حاسد سے صلہ بھی نہیں درکار ہے مجھ کو
سرکارِ حسینی سے سروکار ہے مجھ کو

گلزار ہے یہ نظم و بیاں، بیشہ نہیں ہے باغی کو بھی گلگشت میں اندیشہ نہیں ہے
ہر مصرع برجستہ ہے پھل، تیشہ نہیں ہے یاں مغزِ سخن میں ہے رنگ و ریشہ نہیں ہے

صحت مری تشخیص سے ہے نظم کے فن کی
مانند قلم ہاتھ میں ہے نبض سخن کی
گر کاہ ملے، فائدہ کیا کوہ کنی سے میں کاہ کو گل کرتا ہوں رنگیں سخنی سے
خوش رنگ ہیں الفاظ عقیق یمنی سے یہ ساز ہے سوزِ غم شاہ مدنی سے
آہن کو کروں نرم تو آئینہ بنالوں
پتھر کو کروں گرم تو عطر اس کا نکالوں
گو خلعتِ تحسیں مجھے حاصل ہے سراپا پر وصفِ سراپا کا تو مشکل ہے سراپا
ہر عضو تن اک قدرتِ کامل ہے سراپا یہ روح ہے سر تا بقدم دل ہے سراپا
کیا ملتا ہے گر کوئی جھگڑتا ہے کسی سے
مضمون بھی اپنا نہیں لڑتا ہے کسی سے
سورج کو چھپاتا ہے گہن، آئینہ کو زنگ داغی ہے قمر، سوختہ دل، لالہ خوش رنگ
کیا اصل دُر و لعل کی، وہ پانی ہے یہ سنگ دیکھو گل و غنچہ وہ پریشاں ہے یہ دل تنگ
اس چہرے کو داور ہی نے لاریب بنایا
بے عیب تھا خود نقش بھی بے عیب بنایا
انساں کہے اس چہرے کو کب چشمہ حیواں یہ نور وہ ظلمت، یہ نمودار وہ پنہاں
برسوں سے ہے آزار حرص میں مہ تاباں کب سے یرقاں مہر کو ہے اور نہیں درماں
آئینہ ہے گھر زنگ کا یہ رنگ نہیں ہے
اس آئینے میں رنگ ہے اور زنگ نہیں ہے
آئینہ کہا رخ کو تو کچھ بھی نہ ثنا کی صنعت وہ سکندر کی، یہ صنعت ہے خدا کی
واں خاک نے صیقل یہاں قدرت نے جلا کی طالع نے کس آئینے کو خوبی یہ عطا کی
ہر آئینے میں چہرۂ انساں نظر آیا
اس رخ میں جمالِ شہ مرداں نظر آیا

بس ایک یہ خورشید ہے افلاک و زمیں میں   بے مثل جبیں ہے نگہِ اہلِ یقیں میں
دو مچھلیاں ہیں چشمۂ خورشید مبیں میں   جلوہ ہے عجب ابروؤں کا قربِ جبیں میں
مردم کو اشارہ ہے یہ ابرو کا جبیں پر
ہیں دو مہ نو جلوہ نما چرخ بریں پر

اس نظم کے چہرے کی وہ ہو جائے گا بینی   بینی کے تو مضمون پہ یہ دعویٰ ہے یقینی
کی سایہ بینی نے فقط جلوہ گزینی   منظور نگہ کو جو ہوئی عرش نشینی
درکار اسی بینی کی محبت کا عصا ہے
یہ راہ تو ایماں سے بھی باریک سوا ہے

پُرنور بھوؤں پر مجھے شعلے کا گماں ہے   بینی کو کہوں شمع تو لو اُس کی کہاں ہے
ہاں زلفوں کے کوچوں سے ہوا تند رواں ہے   دو شعلے اور اک شمع، یہ حیرت کا مکاں ہے
سمجھو نہ بھویں بسکہ ہوا کا جو گذر ہے
یہ شمع کی لو گاہ ادھر گاہ اُدھر ہے

خورشید سے برگشتہ ہر اک ماہ فلک ہے   اس درجہ پسند اس رخ روشن کی چمک ہے
محراب دعائے بشر و جن و ملک ہے   ابرو کا یہ غل کعبۂ افلاک تلک ہے
دیکھا جو مہِ نو نے اس ابرو کے شرف کو
کعبے کی طرف پشت کی، رخ اس کی طرف کو

تپلی سے وہی کعبے کی تمثیل کا ہے فرق   جو معنی تحقیق سے تاویل کا ہے فرق
میل ایک طرف نور کی تکمیل کا ہے فرق   سرمے سے اور اس آنکھ سے اک میل کا ہے فرق
اس آنکھ پہ امت کے ذرا خشم کو دیکھو
ناوک کی سلائی کو اور اس چشم کو دیکھو

نرگس میں نہ پلکیں ہیں نہ تپلی نہ بصارت   گر آنکھ کو نرگس کہوں ہے عین حقارت
وہ عید کا مژدہ ہے یہ حیدرؑ کی بشارت   چہرے پہ مہ عید کی بیجا ہے اشارت

ابرو کی مہ نو میں نہ جنبش ہے نہ ضو ہے
اک شب وہ مہ نو ہے یہ ہر شب مہ نو ہے

منہ غرق عرق دیکھ کے خورشید ہوا تر ابرو سے ٹپکتا ہے نرا تیغ کا جوہر
آنکھوں کا عرق، روغن بادام سے بہتر عارض کا پسینہ ہے گلابِ گلِ احمر
قطرہ رخ پُرنور پہ ڈھلتے ہوئے دیکھو
عطرِ گل خورشید نکلتے ہوئے دیکھو

تسبیح کناں منہ میں زباں آٹھ پہر ہے گویا دہنِ غنچہ میں برگِ گل تر ہے
کب غنچہ و گلبرگ میں یہ نور مگر ہے یہ برج میں خورشید کے ماہی کا گذر ہے
تعریف میں ہونٹوں کی جو لب تر ہوا میرا
دنیا ہی میں قابو لبِ کوثر ہوا میرا

یہ منہ جو ردیفِ لبِ خوش رنگ ہوا ہے کیا قافیہ غنچے کا یہاں تنگ ہوا ہے
اب مدح دہن کا مجھے آہنگ ہوا ہے پر غنچے کا نام اس کے لیے ننگ ہوا ہے
غنچہ کہا اس منہ کو حذر اہلِ سخن سے
سونگھے کوئی بو آتی ہے غنچے کے دہن سے

شیریں رقموں میں، رقم اس لب کی جدا ہے اک نے شکر اور ایک نے یاقوت لکھا ہے
یاقوت کا لکھنا مگر انسب ہے بجا ہے یاقوت سے بڑھ کر جو لکھوں میں تو مزا ہے
چوسا ہے یہ لب مثلِ رطب حق کے ولی نے
یاقوت کا بوسہ لیا کس روز علیؑ نے؟

جانِ فصحا روح فصاحت ہے تو یہ ہے ہر کلمہ ہے موقع پہ بلاغت ہے تو یہ ہے
اعجاز مسیحا کی کرامت ہے تو یہ ہے قائل ہے نزاکت، کہ نزاکت ہے تو یہ ہے
یوں ہونٹوں پہ تصویر سخن وقت بیاں ہے
یاقوت سے گویا رگِ یاقوت عیاں ہے

اب اصل میں شیریں دہنی کی کروں تحریر طفلی میں کھلا جب کہ یہ غنچہ پے تقریر
پہلے یہ خبر دی کہ میں ہوں فدیۂ شبیر اس مژدے پہ مادر نے انھیں بخش دیا شیر
منہ حیدر کرار نے میٹھا کیا ان کا
شیرینی اعجاز سے منہ بھردیا ان کا

اس لب سے دم تازہ ہراک زندے نے پایا جیسے شہِ مرداں نے نصیری کو جلایا
جاں بخشی اموات کا گویا ہے یہ آیا ہمدم دم روح القدس ان کا نظرآیا
دم قالب بیجاں میں جو دم کرتے تھے عیسیٰ
ان ہونٹوں کے اعجاز کا دِم بھرتے تھے عیسیٰ

دانتوں کی لڑی سے یہ لڑی عقل خداداد وہ بات ٹھکانے کی کہوں اب کہ رہے یاد
یہ گوہرِ عباسؑ ہیں پاک ان کی ہے بنیاد عباسؑ و نجف ایک ہیں گنیے اگر اعداد
معدن کے شرف ہیں یہ جواہر کے شرف ہیں
دنداں دُرِ عباس ہیں تو دُرِ نجف ہیں

اب چاہنے والے کریں ہاتھوں کا نظارا دس انگلیاں ہیں مثل علم ان میں صف آرا
ہر پنجے کا ہے اپنے محبوں کو اشارا اے دوستوں عشرے میں علم رکھنا ہمارا
پہلے مرے آقا مرے سالار کو رونا
پھر زیرِ علم ان کے علمدار کو رونا

تاموئے کمر فکر کا رشتا نہیں جاتا فکر ایک طرف وہم بھی حاشا نہیں جاتا
پر فکر رسا کا مری دعوا نہیں جاتا مضمون یہ نازک ہے کہ باندھا نہیں جاتا
اب زیب کمر تیغ شرر بار جو کی ہے
عباسؑ نے شعلے کو گرہ بال سے دی ہے

مشتاق ہوں اب عالمِ بالا کی مدد کا در پیش ہے مضمون علمدار کے قد کا
یہ ہے قدِ بالا پسرِ شیر صمد کا یا سایہ مجسّم ہوا اللہ احد کا

اس قد پہ دو ابرو کی کشش کیا کوئی جانے
کھینچے ہیں دو مد ایک الف پر یہ خدا نے

نے چرخ کے سو دورے نہ اک رخش کا کاوا ... دیتا ہے سدا عمرِ رواں کو یہ بھلاوا
یہ قسم ہے ترکیب عناصر کے علاوا ... اللہ کی قدرت ہے نہ چھل بل نہ چھلاوا
چلتا ہے غضب چال، قدم شل ہے قضا کا
تو سن نہ کہوں رنگ اڑا ہے یہ ہوا کا

گردش میں ہر اک آنکھ ہے فانوس خیالی ... بندش میں ہیں نعل اس کے رباعی ہلالی
روشن ہے کہ جوزانے عناں دوش پہ ڈالی ... بھرتی سے ہے مضمون رکابوں کا بھی خالی
سرعت ہے اندھیرے اور اجالے میں غضب کی
اندھیاری اسے چاندنی ہے چودھویں شب کی

گردوں ہو کبھی ہم قدم اس کا یہ ہے دشوار ... وہ قافلے کی گرد ہے یہ قافلہ سالار
وہ ضعف ہے یہ زور، وہ مجبور یہ مختار ... یہ نام ہے وہ ننگ ہے یہ فخر ہے وہ عار
اک جست میں رہ جاتے ہیں یوں ارض وسما دور
جس طرح مسافر سے دمِ صبح سرا دور

جو بوند پسینے کی ہے شوخی سے بھری ہے ... ان قطروں میں پریوں سے سوا تیز پری ہے
گلشن میں صبا باغ میں یہ کبک دری ہے ... فانوس میں پروانہ ہے شیشے میں پری ہے
یہ ہے وہ ہما جس کے جلو دار ملک ہیں
سایے کی جگہ پر کے تلے ہفت فلک ہیں

ٹھہرے تو فلک سب کو زمیں پر نظر آئے ... دوڑے تو زمیں چرخ بریں پر نظر آئے
شہباز ہوا کا نہ کہیں پر نظر آئے ... راکب ہی فقط دامنِ زیں پر نظر آئے
اس راکب و مرکب کی برابر جو ثنا کی
یہ علم خدا کا وہ مشیت ہے خدا کی

شوخی میں پری، حسن میں ہے حور بہشتی　　طوفان میں راکب کے لیے نوح کی کشتی
کب ابلق دوراں میں ہے یہ نیک سرشتی　　یہ خیر ہے وہ شر ہے یہ خوبی ہے وہ زشتی
صحرا میں چمن، فصل بہاری ہے چمن میں
رہوار ہے اصطبل میں تلوار ہے رن میں

اس رخش کو عباسؑ اڑاتے ہوئے آئے　　کوس لمن الملک بجاتے ہوئے آئے
تکبیر سے سوتوں کو جگاتے ہوئے آئے　　اک تیغ نگہ سب پہ لگاتے ہوئے آئے
بے چلّے کے کھینچے ہوئے ابرو کی کماں کو
بے ہاتھ کے تانے ہوئے پلکوں کی سناں کو

لکھا ہے مورخ نے کہ اک گبرِ دلاور　　ہفتم سے فروکش تھا میانِ صفِ لشکر
روئیں تن و سنگیں دل و بدباطن و بدبر　　سر کر کے مہم نیزوں پہ لایا تھا کئی سر
ہمراہ شقی فوج تھی ڈنکا تھا نشاں تھا
جاگیر کے لینے کو سوئے شام رواں تھا

تقدیر جو رن میں شبِ ہفتم اسے لائی　　خلوت میں اسے بات عمر نے یہ سنائی
درپیش ہے سادات سے ہم کو بھی لڑائی　　واں پنجتنی چند ہیں یاں ساری خدائی
اکبرؑ کا نہ قاسمؑ کا نہ شبیرؑ کا ڈر ہے
دو لاکھ کو اللہ کی شمشیر کا ڈر ہے

بولا وہ لرز کر کہ ہوا مجھ کو بھی وسواس　　شمشیر خدا کون، عمر بولا کہ عباسؑ
اس نے کہا پھر فتح کی کیونکر ہے تجھے آس　　بولا کہ کئی روز سے اس شیر کو ہے پیاس
ہم بھی ہیں بہادر، نہیں ڈرتے ہیں کسی سے
پر روح نکلتی ہے تو عباسؑ علی سے

تشریف علمدار جری رن میں جو لایا　　اُس گبر کو چپکے سے عمر نے یہ سنایا
اندیشہ تھا جس شیر کے آنے کا وہ آیا　　سر اُس نے پرے سے سوئے عباسؑ اٹھایا

دیکھا تو کہا کانپ کے یہ فوج وغا سے
روبا ہو! لڑاتے ہو مجھے شیر خدا سے

مانا کہ خدا یہ نہیں قدرت ہے خدا کی
مجھ میں ہے بڑا زور یہ قوت ہے خدا کی
کی خوب ضیافت مری رحمت ہے خدا کی
سب نے کہا تجھ پر بھی عنایت ہے خدا کی
کیا عذر نہ کر نام ہے مردوں کا اسی سے
تو دبدبہ و زور میں کیا کم ہے کسی سے

بادل کی طرح سے وہ گرجتا ہوا نکلا
جلدی میں سلح جنگ کے بجتا ہوا نکلا
ہر گام رہِ عُمر کو تجتا ہوا نکلا
اور سامنے نقارہ بھی بجتا ہوا نکلا
غالب تھا تہمتن کی طرح اہلِ جہاں پر
دھنستی تھی زمیں پاؤں وہ رکھتا تھا جہاں پر

تیار کمر کس کے ہوا جنگ پہ خونخوار
اور پیک اجل آیا ہے کہ قبر بھی تیار
خنجر لیا منہ دیکھنے کو اور کبھی تلوار
مثلِ ورم مرگ چڑھا گھوڑے پہ اکبار
وہ رخش پہ یا دیوونی تخت زری پر
غل رن میں اٹھا کوہ چڑھا کبک دری پر

اس ہیئت و ہیبت سے وہ نخوت سیر آیا
آسیب کو بھی سایے سے اُس کے حذر آیا
میداں میں قیامت کو بھی محشر نظر آیا
گرد اپنے لیے نیزوں پہ کشتوں کے سر آیا
زندہ ہی پے سیر نہ ہر صف سے بڑھے تھے
سر مُردوں کے نیزوں پہ تماشے کو چڑھے تھے

سیدھا کبھی نیزے کو ہلایا کبھی آڑا
پڑھ پڑھ کے رجز باغ فصاحت کو اجاڑا
ظالم نے کئی پشت کے مُردوں کو اکھاڑا
بولا مری ہیبت نے جگر شیروں کا پھاڑا
ہم پنجہ نہ رستم ہے نہ سُہراب ہے میرا
مرحب بن عبدالقمر القاب ہے میرا

فتراک میں سر باندھتا ہوں پیل و ماں کا پنجہ میں سدا پھیرتا ہوں شیر ژیاں کا
نظارا ذرا کیجیے ہر شاخ سناں کا اُس نیزے پہ وہ سر ہے فلاں ابن فلاں کا
جو جو تھے یلانِ کُہن اس دورہ نو میں
تن اُن کے تہ خاک ہیں سر میری جلو میں

یاں سیفِ زباں سیفِ الٰہی نے علم کی فرمایا مرے آگے یہ تقریر ستم کی
اب منہ سے کہا کچھ تو زباں میں نے قلم کی کونین نے گردن مرے دروازے پہ خم کی
طاقت ہے ہماری اسد اللہ کی طاقت
پنجے میں ہمارے ہے یداللہ کی طاقت

خورشید درخشاں میں بتا نور ہے کس کا کلمہ ورق ماہ پہ مسطور ہے کس کا
اور سورۂ والشمس میں مذکور ہے کس کا ذرے کو کرے مہر یہ مقدور ہے کس کا
یہ صاحبِ مقدور نبیؐ اور علیؑ ہیں
یا ہم کہ غلامِ خلف الصدق نبیؐ ہیں

توبہ ! تو خدا جانتا ہے شمس و قمر کو وہ شام کو ہوتا ہے غروب اور یہ سحر کو
ایمان سمجھ مہرِ شہ جن و بشر کو شمعِ رہِ معراج ہیں یہ اہلِ نظر کو
خورشید بنی فاطمہؑ تو شاہِ امم ہیں
اور ماہ بنی ہاشمی آفاق میں ہم ہیں

دو چاند کو کرتی ہے اک انگشت ہماری ہے مُہر نبوت سے ملی پشت ہماری
ہے تیغ ظفر وقتِ زد و کشت ہماری سو گرز قضا ضربت یکمشت ہماری
قدرت کے نیستان کے ہم شیر ہیں ظالم
ہم شیر ہیں اور صاحبِ شمشیر ہیں ظالم

سب کو ہے فنا دور ہمیشہ ہے ہمارا سر پیش خدا رکھنا یہ پیشہ ہے ہمارا
ہیں شیر خدا جس میں وہ بیشہ ہے ہمارا عاری ہے اجل جس سے وہ تیشہ ہے ہمارا

ہم جزوِ بدن اُس کے ہیں جو کل کا شرف ہے
رشتے میں ہمارے گہر پاک نجف ہے

جوشن جو دعاؤں میں ہے وہ اپنی زرہ ہے   ہر عقدے کا ناخن مرے نیزے کی گرہ ہے
تلوار سے پانی جگر ہر کہ و مہ ہے   کاٹا پر جبریل کو جس تیغ نے یہ ہے
سر خود و کلہ کا نہیں محتاج ہمارا
شبیرؑ کا ہے نقشِ قدم تاج ہمارا

احمد ہے چچا میرا پدر حیدر صفدر   وہ کل کا پیمبر ہے یہ کونین کا رہبر
اور مادرِ زینبؑ کی ہے لونڈی مری مادر   بھائی مرا اک عون، دو عبداللہ و جعفر
اور شبر و شبیرؑ ہیں سردار ہمارے
ہم ان کے غلام اور وہ مختار ہمارے

قاسمؑ کا عزا دار ہوں اکبرؑ کا میں غمخوار   لشکر کا علمدار ہوں سرورؑ کا جلو دار
میں کرتا ہوں پردہ تو حرم ہوتے ہیں اسوار   تھا شب کو نگہبانِ خیام شہِ ابرار
اب تازہ یہ بخشش ہے خدائے ازلی کی
سقا کی بنا اُس کا جو پوتی ہے علیؑ کی

ہم بانٹتے ہیں روزیِ ہر بندۂ غفار   رزاق کی سرکار کے ہیں مالک و مختار
پر حق کی اطاعت ہے جو ہر کار میں درکار   خود وقتِ سحر روزے میں کھا لیتے ہیں تلوار
ہیں عقدہ کشا، دست کشا، قلعہ کشا بھی
پر صبر سے بندھواتے ہیں رسّی میں گلا بھی

اُس کے قدم پاک کا فدیہ ہے سر اپنا   قربان کیا جس پہ نبیؐ نے پسر اپنا
نذرِ سرِ اکبرؑ ہے دل اپنا جگر اپنا   بیت الشرفِ شاہ پہ صدقے ہے گھر اپنا
مشہور جو عباسؑ زمانے کا شرف ہے
شبیرؑ کی نعلین اٹھانے کا شرف ہے

شاہوں کا چراغ آتے ہی گل کردیا ہم نے　　ہر جا عملِ ختم رسل کردیا ہم نے
خندق پہ درِ قلعہ کو پل کردیا ہم نے　　اک جزو تھا کلمہ اُسے کل کردیا ہم نے
دھوکا نہ ہو یہ سب شرفِ شیر خدا ہیں
پھر وہ نہ جدا ہم سے نہ ہم ان سے جدا ہیں

ناری کو بہشتی کے رجز پر حسد آیا　　یوں جل کے پئے حملہ وہ ملعون بد آیا
گویا کہ سقر سے عمر عبدِود آیا　　اور لرزے میں مرحب بھی میانِ لحد آیا
نفریں کی خدا نے اُسے تحسیں کی عمر نے
مجرا کیا عباسؑ کو یاں فتح و ظفر نے

شبیرؑ کو بڑھ بڑھ کے نقیبوں نے پکارا　　لو ٹوٹتا ہے دستِ زبردست تمھارا
ہے مرحبِ عبدالقمر اب معرکہ آرا　　شبیرؑ یقیں جانو کہ عباسؑ کو مارا
یہ گرگ وہ یوسف یہ خزاں ہے وہ چمن ہے
وہ چاند یہ عقرب وہ سورج یہ گہن ہے

اس شور نے تڑپا دیا حضرت کے جگر کو　　اکبرؑ سے کہا جاؤ تو عمو کی خبر کو
اکبرؑ بڑھے اور مڑ کے پکارے یہ پدر کو　　گھیرا ہے کئی نحس ستاروں نے قمر کو
اک فوج نئی گرد علمدار ہے رن میں
لو ماہِ بنی ہاشمی آتا ہے گہن میں

اک گبر قوی آیا ہے کھینچے ہوئے تلوار　　کہتا ہے کہ اک حملے میں ہے فیصلۂ کار
سرکشتوں کے نیزوں پہ ہیں گرد اس کے نمودار　　یاں دست بہ قبضہ متبسم ہیں علمدار
اللہ کرے خیر کہ ہے قصدِ شر اس کو
سب کہتے ہیں مرحب بن عبدالقمر اس کو

غل ہے کہ دل آلِ عبا توڑے گا مرحب　　اب بازوئے شاہِ شہدا توڑے گا مرحب
بند کمرِ شیرِ خدا توڑے گا مرحب　　گوہر کہ تہِ سنگ جفا توڑے گا مرحب

مرحب کا نہ کچھ اُس کی توانائی کا ڈر ہے
فدوی کو چچا جان کی تنہائی کا ڈر ہے

شہ نے کہا کیا روحِ علی آئی نہ ہوگی نانا نے مرے کیا یہ خبر پائی نہ ہوگی
کیا فاطمہ فردوس میں گھبرائی نہ ہوگی سر ننگے وہ تشریف یہاں لائی نہ ہوگی
بندوں پہ عیاں زورِ خدا کرتے ہیں عباسؑ
پیارے مرے دیکھو تو کہ کیا کرتے ہیں عباسؑ

سن کر یہ خبر بیبیاں کرنے لگیں نالا ڈیوڑھی پہ کمر پکڑے گئے سیّد والا
چلّائے کہ فضہ علی اصغرؑ کو اٹھالا ہے وقتِ دعا چھوٹتا ہے گود کا پالا
سیدانیو سر کھول دو سجادہ بچھادو
دشمن پہ علمدار ہو غالب یہ دعا دو

خیمے میں قیامت ہوئی فریاد و بکا سے سہمی ہوئی کہتی تھی سکینہؑ یہ خدا سے
غارت ہو الٰہی جو لڑے میرے چچا سے وہ جیتے پھریں خیر میں مرجاؤں بلا سے
صدقے کروں قربان کروں اہلِ جفا کو
دو لاکھ نے گھیرا ہے میرے ایک چچا کو

ہے ہے کہیں اس ظلم و ستم کا ہے ٹھکانا سقے پہ سنا ہے کہیں تلوار اٹھانا
کوئی بھی روا رکھا ہے سیّد کا ستانا جائز ہے کسی پیاسے سے پانی کا چھپانا
ہفتم سے غذا کھائی ہے نے پانی پیا ہے
بے رحموں نے کس دکھ میں ہمیں ڈال دیا ہے

اچھی مری اماں مرے سقے کو بلاؤ کہہ دو کہ سکینہؑ ہوئی آخر اِدھر آؤ
اب پانی نہیں چاہیے تابوت منگاؤ کاندھے سے رکھو مشک جنازے کو اٹھاؤ
ملنے مری تربت کے گلے آئیں گے عباسؑ
یہ سنتے ہی گھبرا کے چلے آئیں گے عباسؑ

اس عرصے میں حملے کیے مرحب نے وہاں چار　　پر ایک بھی اس پنجتنی پہ نہ چلا وار
مانند دل و چشم ہر اک عضو تھا ہشیار　　عاری ہوئی تلوار مخالف ہوا ناچار
جب تیغ کو جھنجھلا کے رخ پاک پہ کھینچا
تلوار نے انگلی سے الف خاک پہ کھینچا

غازی نے کہا بس اس فن پر تھا تجھے ناز　　سیکھا نہ یداللہوں سے ضرب کا انداز
پھر کھینچی اس انداز سے تیغ شرر انداز　　جو میان کے بھی منہ سے ذرا نکلی نہ آواز
یاں خوف سے قالب کو کیا میان نے خالی
واں قالبِ اعدا کو کیا جان نے خالی

یہ تیغ سراپا جو برہنہ نظر آئی　　بجز جامۂ تن میں نہ کوئی روح سمائی
ہستی نے کہا توبہ قضا بولی دوہائی　　انصاف پکارا کہ ہے قبضے میں خدائی
لو فتح مجسّم کا وہ سر جیب سے نکلا
نصرت کے فلک کا مہ نو غیب سے نکلا

بجلی گری بجلی پہ اجل ڈر کے اجل پر　　اک زلزلہ طاری ہوا گردوں کے محل پر
سیّارے ہٹے کر کے نظر تیغ کے پھل پر　　خورشید تھا مریخ پہ مریخ زحل پر
یہ ہول دیا تیغ درخشاں کی چمک نے
جو تاروں کے دانتوں سے زمیں پکڑی فلک نے

مرحب سے مخاطب ہوئے عباسؑ دلاور　　شمشیر کے مانند سراپا ہوں میں جوہر
ممکن ہے اک ضرب میں دو ہو تو سراسر　　پر اس میں عیاں ہوں گے جوہر مرے تجھ پر
لے روک مرے وار ترے پاس سپر ہے
زخمی نہ کروں گا ابھی اظہارِ ہنر ہے

کاندھے سے سپر لے کے مقابل ہوا دشمن　　بتلانے لگے تیغ سے یہ ضرب کا ہر فن
یہ سینہ یہ بازو یہ کمر اور یہ گردن　　یہ خود یہ چار آئینہ یہ ڈھال یہ جوشن

کس وار کو وہ روکتا تلوار کہاں تھی
آنکھوں میں تو پھرتی تھی نگاہوں سے نہاں تھی
مرحب نے نہ پھر ڈھال نہ تلوار سنبھالی   اک ہاتھ سے سر ایک سے دستار سنبھالی
ظالم نے سناں غصے سے اکبار سنبھالی   اس شیر نے شمشیر شرر بار سنبھالی
تانی جو سناں اس نے علمدار کے اوپر
نیزہ یہ اڑا لے گئے تلوار کے اوپر
جو چال چلا وہ ہوا گمراہ و پریشاں   پھر زائچہ کھینچا جو کماں کا سرِ میداں
تیروں کی لڑائی پہ پڑا قرعہ پیکاں   تیروں کو قلم کرنے لگی تیغ درخشاں
جوہر سے نہ تیروں ہی کے پھل داغ بدل تھے
گرشت کے تھے ساٹھ تو چلے کے چھل تھے
اُس تیغ نے سرکش کے جو ترکش میں کیا گھر   غل تھا کہ نیستاں میں گری برق چمک کر
پر تیروں کے کٹ کٹ کے اڑے مثلِ کبوتر   مرحب ہوا مضطر صفتِ طائر بے پر
بڑھ کر کہا غازی نے بتا کس کی ظفر ہے
اب مرگ ہے اور تو ہے یہ تیغ اور یہ سر ہے
نامرد نے پوشیدہ کیا رخ کو سپر سے   اور کھینچ لیا خنجرِ ہندی کو کمر سے
خنجر تو اُدھر سے چلا اور تیغ اِدھر سے   اُس وقت ہوا چل نہ سکی بیچ میں ڈر سے
اللہ رے شمشیر علمدار کے جوہر
جوہر[1] کیے اُس خنجر خونخوار کے جوہر
خنجر کو جو کاٹا تو وہ ٹھہری نہ سپر پر   ٹھہری نہ سپر پر تو وہ سیدھی گئی سر پر
سیدھی گئی سر پر تو وہ تھی صدر و کمر پر   تھی صدر و کمر پر تو وہ تھی قلب و جگر پر
تھی قلب و جگر پر تو وہ تھی دامنِ زیں پر
تھی دامن زیں پر تو وہ راکب تھا زمیں پر

---

1 جوہر معنی نیست و نابود

ایماں نے اچھل کر کہا وہ کفر کو مارا	قدرت نے پکارا کہ یہ ہے زور ہمارا
حیدرؓ سے نبیؐ بولے یہ ہے فخر تمھارا	حیدرؓ نے کہا یہ مری پتلی کا ہے تارا
پروانۂ شمع رخ تاباں ہوئی زہراؑ
محسن کو لیے گود میں قربان ہوئیں زہراؑ

ہنگامہ ہوا گرم یہ ناری جو ہوا سرد	واں فوج نے لی باگ بڑھایاں یہ جوانمرد
ٹاپوں کی صدا سے سرِ قاروں میں ہوا درد	رنگِ رخ اعدا کی طرح اڑنے لگی گرد
قاروں کا زر گنج نہانی نکل آیا
یہ خاک اڑی رن سے کہ پانی نکل آیا

دریا کو چلے ابر صفت ساتھ لیے برق	مرحب کے شریکوں کا جدا کرتے ہوئے فرق
سردار میں اور فوج میں باقی نہ رہا فرق	مرحب کی طرح سب چہ ہب ہب میں ہوئے غرق
تلوار کی اک موج نے طوفان اٹھایا
طوفان نے سر پر وہ بیابان اٹھایا

پانی ہوئی ہر موج زرہ فوج کے تن میں	ملبوس میں زندے تھے کہ مُردے تھے کفن میں
خنجر کی زبانوں کو قلم کر کے دہن میں	اک تیغ سے تلواروں کو عاری کیا رن میں
حیدرؓ کا اسد قلزم لشکر میں در آیا
امڈے ہوئے بادل کی طرح نہر پر آیا

دریا کے نگہبان بڑھے ہونے کو چو رنگ	پہنے ہوئے مچھلی کی طرح بر میں زرہ تنگ
کھینچے ہوئے موجوں کی طرح خنجر بے زنگ	سقے نے کہا پانی پہ جائز ہے کہاں جنگ
دریا کے نگہبان ہو پر غفلت دیں ہے
مانند حباب آنکھ میں بینائی نہیں ہے

مذہب ہے یہ کیسا کہ رہِ شرع نہ جانی	مشرب ہے یہ کیسا کہ پلاتے نہیں پانی
برباد کیے دیتی ہے اب تشنہ دہانی	بے شیر کا بچپن علی اکبرؑ کی جوانی

لب خشک ہیں بچوں کی زباں پیاس سے شق ہے
دریا ہی سے تم پوچھ لو کس پیاسے کا حق ہے

پانی مجھے اک مشک ہے اس نہر سے درکار
بھر لینے دو مجھ کو نہ کرو حجت و تکرار
چلائے ستمگر ہے گزر نہر پہ دشوار
غازی نے کہا ہاں یہ ارادہ ہے تو ہشیار
لو سیل کو اور برقِ شرر بار کو روکو
رہوار کو روکو مری تلوار کو روکو

یہ کہہ کے کیا اسپ سبکتاز کو مہمیز
بجلی کی طرح کوند کے چمکا فرسِ تیز
اشرار کے سر پر ہوا مغلوں سے شرر ریز
سیلاب فنا تھا کہ وہ طوفانِ بلا خیز
جھپکی پلک اس رخش کو جب قہر میں دیکھا
پھر آنکھ کھلی جب تو رواں نہر میں دیکھا

دریا میں ہوا غل کہ وہ در نجف آیا
الیاسؑ و خضرؑ بولے ہمارا شرف آیا
عباسؑ شہنشاہِ نجف کا خلف آیا
پابوس کو موتی لیے دستِ صدف آیا
یاد آگئی پیاسوں کی جو حیدرؑ کے خلف کو
دل خون ہوا دیکھ کے دریا کی طرف کو

سوکھے ہوئے مشکیزے کا پھر کھولا دہانہ
بھرنے لگا خم ہو کے وہ سرتاجِ زمانہ
اعدا نے کیا دور سے تیروں کا نشانہ
اور چوم لیا روح یداللہ نے شانہ
فرمایا کہ کیا کیا مجھے خوش کرتے ہو بیٹا
پانی مری پوتی کے لیے بھرتے ہو بیٹا

کچھ فرق تری کوشش و ہمت میں نہیں ہے
پانی مگر اس پیاسی کی قسمت میں نہیں ہے
وقفہ مرے پیارے کی شہادت میں نہیں ہے
جو زخم میں لذت ہے وہ جرأت میں نہیں ہے
اک خوں کی نہر آنکھوں سے زہراؑ کی بہی ہے
رونے کو تری لاش پہ سر کھول رہی ہے

دریا سے جو نکلا اسد اللہ کا جانی　　تھا شور کہ وہ شیر لیے جاتا ہے پانی
پھر راہ میں حائل ہوئے سب ظلم کے بانی　　سقائے سکینہؑ کی یہ کی مرتبہ دانی
قبریں نبیؐ و حیدرؑ و زہراؑ کی ہلادیں
برچھوں کی جو نوکیں تھیں کلیجے سے ملادیں

وہ کون سا تھا تیر جو دل پر نہ لگایا　　مشکیزے کے پانے سے سوا خون بہایا
یہ نرغہ تھا، جو شمر نے حیلے سے سنایا　　عباسؑ بچو غول کمیں گاہ سے آیا
مڑ کر جو نظر کی خلفِ شیر خدا نے
شاخوں کو تہ تیغ کیا اہلِ جفا نے

لکھا ہے کہ اک نخل رطب تھا سرِ میداں　　ابن ورقہ زید لعیں اس میں تھا پنہاں
پہنچا جو وہاں سروِ روانِ شہ مرداں　　جو شانہ تھا مشک و علم و تیغ کے شایاں
وار اس پہ کیا زید نے شمشیر اجل سے
یہ پھولی پھلی شاخ کٹی تیغ کے پھل سے

مشک و علم و تیغ کو بائیں پہ سنبھالا　　اور جلد چلا عاشق روئے شہ والا
پر ابن طفیل آگے بڑھا تان کے بھالا　　برچھے کی انی سے تو کیا دل تہ و بالا
اور تیغ کی ضربت سے جگر شاہ کا کاٹا
وہ ہاتھ بھی فرزند یداللہ کا کاٹا

سقے نے کٹی باہوں پہ مشکیزے کو رکھ کر　　مانند زباں منہ میں لیا تسمہ سراسر
ناگاہ کئی تیر لگے آکے برابر　　اک مشک پہ اک آنکھ پہ اور ایک دہن پر
مشکیزے سے پانی بہا اور خوں بہا تن سے
عباسؑ گرے گھوڑے سے اور مشک دہن سے

گر کر لب زخمی سے علمدار پکارا　　کہہ دے کوئی پیاسوں سے کہ سقا گیا مارا
سن لی یہ صدا شاہِ شہیداں نے قضارا　　زینبؑ سے کہا لو نہ رہا کوئی ہمارا

اصغر کا گلا چھد گیا اکبرؑ کا جگر بھی
بازو بھی مرے ٹوٹ گئے اور کمر بھی

گویا کہ اسی وقت جلے خیمے ہمارے	ظالم نے طمانچے بھی مری بیٹی کو مارے
رسّی میں مرے خرد و کلاں بندھ گئے سارے	عباسؑ کے غم میں ہوئے ہم گور کنارے
اعدا میں ہے غل مالکِ شمشیر کو مارا
یہ کیوں نہیں کہتے ہیں کہ شبیرؑ کو مارا

زینبؑ نے کہا سچ ہے تمھیں مر گئے بھائی	سب کنبے کو عباسؑ فنا کر گئے بھائی
آفاق سے اب حمزہ و حیدر گئے بھائی	ہم مجلس حاکم میں کھلے سر گئے بھائی
میں جان چکی قیدِ مصیبت میں پڑی ہوں
اب گھر میں نہیں بلوے میں سر ننگے کھڑی ہوں

ناگاہ صدا آئی کہ اے فاطمہؑ کے لال	جلد آؤ کہ لاشہ مرا اب ہوتا ہے پامال
زینبؑ نے کہا زندہ ہیں عباسؑ خوش اقبال	تم جاؤ میں یاں بہر دعا کھولتی ہوں بال
شہ بولے لبِ گور سکینہؑ کا چچا ہے
اس فوج کا مارا ہوا کوئی بھی بچا ہے

اکبرؑ کے سہارے سے چلے نہر پہ آقا	گہ ہوش تھا گہ غش کبھی سکتہ کبھی نوحا
لکھا ہے کہ ٹکڑے ہوئے یوں سقے کے اعضا	اک ہاتھ تو مقتل میں ملا اک لبِ دریا
زہراؑ کا پسر رن میں جو زیرِ شجر آیا
اک ہاتھ تڑپتا ہوا شہ کو نظر آیا

گر کر شہِ والا نے یہ اکبرؑ سے کہی بات	اے لال اٹھالو مرے بازو کا ہے یہ ہات
یہ ہاتھ رکھے سینے پہ وہ وارثِ سادات	پہنچا جو سرِ لاشہ عباسؑ خوش اوقات
ہیہات قلم تیغوں سے شانے نظر آئے
سر ننگے یداللہ سرہانے نظر آئے

بے ساختہ ماتھے پہ رکھا شاہ نے ماتھا لب رکھ کے لبوں پہ کہا وا حسرت و دردا
یہ تیر یہ آنکھ اور یہ نیزہ یہ کلیجا وا قرۃ عینا مرے وا مہجۃ قلبا
کچھ منہ سے تو بولو مرے غمخوار برادر
عباسؑ، ابوالفضل، علمدار، برادر

اُس جاں شکنی میں جو سنا شیون مولا تعظیم کی نیت میں کٹے شانوں کو ٹیکا
پھر پاؤں سمیٹے کہ نہ ہوں پائینتی آقا شہ بولے نہ تکلیف کرو اے مرے شیدا
کی عرض میں پھیلائے ہوئے پاؤں پڑا ہوں
حضرت نے یہ فرمایا، سرہانے میں کھڑا ہوں

یاں تھی یہ قیامت وہاں خیمے میں یہ محشر در پر تھیں نبی زادیاں سب کھولے ہوئے سر
تشویش تھی کیوں لاش کو لے آئے نہ سرور عباسؑ کا فرزند سراسیمہ تھا باہر
تن رعشے میں خورشید درخشاں کی طرح تھا
دل ٹکڑے یتیمی سے گریباں کی طرح تھا

ضد کرتا تھا ماں سے مرے بابا کو بلا دو میں نہر پہ جاتا ہوں مرا نیمچہ لا دو
ماں کہتی تھی بابا کو سکینہؑ کے دعا دو بابا بھی چچا کو کہو، بابا کو بھلا دو
حیدرؑ سے نویں سال چھڑایا تھا قضا نے
واری ترے بابا کو بھی پالا تھا چچا نے

دریا پہ ابھی گھر گئے تھے باپ تمھارے پیارے کے چچا جان انھیں لینے کو سدھارے
تو رہ یہیں اے میرے رنڈاپے کے سہارے بابا کو چچا جان لیے آتے ہیں پیارے
تھا عشق جو عباسؑ سے اُس نیک خلف کو
بڑھ بڑھ کے نظر کرتا تھا دریا کی طرف کو

ناگاہ پھرا پیٹتا منہ کو وہ پریشاں زینبؑ نے کہا خیر تو ہے میں ترے قرباں
چلّایا کہ خادم کی یتیمی کا ہے ساماں بھیّا علی اکبرؑ نے ابھی پھاڑا گریباں

بن باپ کا بچپن میں ہمیں کر گئے بابا
مُردے سے لپٹتے ہیں چچا مرگئے بابا

یہ غل تھا جو مولا لیے مشک و علم آئے   خیمے میں کمر پکڑے امام اُمم آئے
اور گردِ علم بال بکھیرے حرم آئے   زینبؑ سے کہا شہ نے بہن لُٹ کے ہم آئے
بھائی کے یتیموں کی پرستار ہو زینبؑ
تم مہتمم سوگِ علمدار ہو زینبؑ

ہاں سوگ کا حیدرؑ کے سیہ فرش بچھاؤ   ہیں رختِ عزا جس میں وہ صندوق منگاؤ
دو سب کو سیہ جوڑے عزادار بناؤ   شبیرؑ کی عزا کا ہمیں ملبوس پہناؤ
تم پہنو وہ کالی کفنی آلِ عبا میں
جو فاطمہؑ نے پہنی تھی نانا کی عزا میں

عباسؑ کا یہ سوگ نہیں سوگ ہے میرا   عباسؑ کا ماتم ہو مرے گھر میں جو برپا
نوحے میں نہ عباسؑ کہے نے کہے سقاؑ   جو بین کرے روکے کہے ہائے حسینا
سب لونڈیاں یوں روئیں کہ آقا گیا مارا
چلائے سکینہؑ بھی کہ بابا گیا مارا

زینبؑ نے کہا ہیں مری قسمت کے یہی کام   دینے لگی ماتم کے سیہ جوڑے وہ ناکام
فضہ سے کہا سوگ کا کرتی ہوں سرانجام   ٹھنڈا ہوا ہے ہے علمِ لشکرِ اسلام
زہراؑ کا لباس اپنے لیے چھانٹ رہی ہوں
عباسؑ کا ملبوسِ عزا بانٹ رہی ہوں

پھر زیرِ علم فرش سیہ لا کے بچھایا   اور بیوۂ عباسؑ کو خود لا کے بٹھایا
تھے جتنے سیہ پوش انھیں روکے سنایا   قسمت نے جواں بھائی کا بھی داغ دکھایا
ناسور نہ کس طرح سے ہو دل میں جگر میں
ماتم ہے علمدار کا سردار کے گھر میں

باقی کوئی دستور عزا رہنے نہ پائے   اب خیمے میں اپنے ہر اک اس خیمے سے جائے
ایک ایک یہاں پُرسے کو عباس کے آئے   سر ننگے لبِ فرش سے زینبؑ اُسے لائے
یہ جعفر و حمزہ کا یہ حیدرؑ کا ہے ماتم
شبیرؑ کا اکبرؑ کا اور اصغرؑ کا ہے ماتم

سب خیموں میں اپنے گئیں کرتی ہوئی زاری   یاں کرنے لگی بین ید اللہ کی پیاری
فضہ نے کہا زینبِؑ مضطر سے میں واری   اے بنتِ علیؑ آتی ہے بانو کی سواری
منہ زیر علم ڈھانپے علمدار کی بی بی
پُرسے کے لیے آتی ہے سردار کی بی بی

بانو نے قدم پیچھے رکھا فرش سیہ پر   پہلے وہاں بٹھلادیا اصغر کو کھلے سر
پھر سوئے علم پیٹتی دوڑی وہ یہ کہہ کر   قربان وفا پر تری اے بازوئے سرور
سنتی ہوں تہ تیغ ستم ہوگئے بازو
دریا پہ بہشتی کے قلم ہوگئے بازو

عباسؑ کو تو میں نہ سمجھتی تھی برادر   میں ان کو پسر کہتی تھی اور وہ مجھے مادر
اس شیر کے مرجانے سے بیکس ہوئے سرور   بے جان ہوا حافظِ جانِ علی اکبر
سب کہتے ہیں حضرت کا برادر گیا مارا
پوچھو جو مرے دل سے تو اکبرؑ گیا مارا

اتنے میں سنی بالی سکینہ کی دوہائی   زینبؑ نے کہا روح علمدار کی آئی
جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ شبیرؑ کی جائی   کہتی تھی سزا پانی کے منگوانے کی پائی
تعذیر دو یا دخترِ شبیرؑ کو بخشو
کس طرح کہوں میں مری تقصیر کو بخشو

میں نے تمھیں بیوہ کیا رنڈ سالہ پنھایا   ہے ہے مری اک پیاس نے سب گھر کو رلایا
کوثر پہ سدھارا اسداللہ کا جایا   اور کنبے کا الزام مرے حصے میں آیا

انصاف کرو لوگو یہ کیا کر گئے عمّو
میں پیاسی کی پیاسی رہی اور مر گئے عمّو

بعد اس کے ہوا شور کہ لو آتی ہے بیوہ تشریف نئی بیوہ کے گھر لاتی ہے بیوہ
گھونگھٹ کو الٹتے ہوئے شرماتی ہے بیوہ سر گوندھا ہوا ساس سے کھلواتی ہے بیوہ
زینبؑ نے کہا بیوہ فرزند حسنؑ ہے
یہ کیوں نہیں کہتے مرے قاسمؑ کی دلھن ہے

کبرا کو چچی پاس جو زینبؑ نے بٹھایا اس بیوہ نے گھونگھٹ رخ کبرا سے اٹھایا
اور پوچھا کہ دولھا ترا کیوں ساتھ نہ آیا افسوس چچی نے تجھے مہماں نہ بلایا
پُرسے کو تو آئی خلفِ شیرِ خدا کے
پہلا ترا چالا یہ ہوا گھر میں چچا کے

ناگاہ فغاں زیرِعلم یہ ہوئی پیدا سیدانیو دو مادرِ عباسؑ کو پُرسا
تعظیم کو سب اٹھے کہ تھا نالہ زہراؑ زینبؑ نے کہا اماں وطن میں ہے وہ دُکھیا
آئی یہ ندا پاس ہوں میں دور کہاں ہوں
عباسؑ میرا بیٹا، میں عباسؑ کی ماں ہوں

رنڈ سالہ بہو کے میں پنھانے کو ہوں آئی اک حلّہ پر نور ہوں فردوس سے لائی
عباسؑ کے ماتم کی توصف تم نے بچھائی سامانِ سویم ہوگا نہ کچھ اے مری جائی
تم روز سویم ہائے رواں شام کو ہوگی
چہلم کو کفن لاشِ علمدار کو دوگی

لو حیدریو وارد مجلس ہوئیں زہراؑ دو فاطمہؑ کی روح کو عباسؑ کا پُرسا
ابتک نہیں کفنائے گئے ہیں شہِ والا بے گور ہے سردار و علمدار کا لاشا
رونے نہیں دیتے ہیں عدو آل نبیؐ کو
تم سب کے عوض روؤ حسینؑ ابن علیؑ کو

مدّاح کا دل خنجرِ غم سے ہے دوپارا خاموش دبیرؔ اب کہ نہیں نظم کا یارا
اک ہفتے میں تصنیف کیا مرثیہ سارا کافی پئے بخشش یہ وسیلہ ہے ہمارا
تجھ پر کرم خاص ہے یہ حق کے ولی کا
یہ فیض ہے سب مدحِ جگر بندِ علی کا

○

مدّاح ہوا موردِ امدادِ رسولؐ
کھولا وہ درِ مدح کرو داد رسولؐ
حلّال مہم سرورِ کل مالکِ ملک
واللہ رسولؐ اور اولادِ رسولؐ

○

گر مہرِ امامؑ دوسرا حاصل ہو
گو درد ہو لا دوا دوا حاصل ہو
اس دم ہو مددگار گر احمدؐ کا لال
واللہ کہ درّ مدعا حاصل ہو

سلام

مسطور اگر کمال ہو سروِ امامؑ کا
مصرع ہمارا سرو ہو دار السلام کا

حاصل سرِ عمر کو مرصّع کلاہ واہ
دردا سرِ علم سرِ اطہرؑ امامؑ کا

اسرارِ طالع عمر و حُر کا وا ہوا
داور کا وہ عدد وہ ہر اوّل امامؑ کا

وہ محرم حرم کہ ہو آرامِ درد کل
درد و الم ہو اُس کو دوا و طعام کا

مسطور حالِ موسمِ سرما ہو کس طرح
سرگرمِ آہ سرد رہا دل امامؑ کا

صلح و ورع عطا و کرم حلم و داد و عدل
واللہ ہر عمل ہوا اطہر امامؑ کا

اس طرح محوِ حمد رہا سرورِؑ اُمم
اعدا کو حوصلہ ہوا مدح امامؑ کا

دردا لہو امامؑ اُمم کا حلال ہو
سہل اس طرح ہو مسئلہ امرِ حرام کا

ہر سو وہ آمد آمدِ سردارؑ دوسرا
اور ہمہمہ وہ ادہم صرصر لگام کا

کہرام ملک ملک ہوا دھوم کوہ کوہ
سوکھا لہو دلِ اسد و گرگ و دام کا

ڈر کر اُدھر کو گم ہوا عمرِ عدو کا ماہ
طالع ہوا ہلال اِدھر کو حسام کا

محروم گور احمدؐ مرسل کا لاڈلا
سردار دہر آہ ولد ہو حرام کا

آرام گور کا ہو اگر دل کو مدعا
ہر سال و ماہ سوگ رکھا کر امام کا

دردا دلِ عمر کو ہو آرام اور سرود
روحِ حرم کو درد ہو مرگِ امامؑ کا

ہر دم ملا حرم کو وہ درد و الم کہ آہ
روحِ رسولؐ کو ہوا صدمہ مدام کا

سرورؑ کا مدح گو ہوا ہر مصرعہ رسا
"سحر حلال" اسم رکھا اس کلام کا

لامعؔ ہو گر کمالِ عطارد سرِ سما
مداح ہوگا کلکِ عطارد کلام کا

لغات:

مسطور = (ع) لکھا جائے	سرو = (ف) خوبصورت مخروطی درخت جس کو قد سے تشبیہ دیتے ہیں	دارالسلام (ع) بہشت
مرصّع = (ع) موتی جواہر جڑا ہوا	کلاہ = (ف) ٹوپی	دردا = (ف) افسوس
اطہر = (ع) بہت پاک	طالع = (ع) قسمت	وا = (ف) کھلنا
داور = (ف) خدا	ہراول = (ت) آگے کی فوج کا سردار	محرم حرم = (ع) حرم کا راز داں
الم = (ع) غم	طعام = (ع) غذا	آہِ سرد = ٹھنڈی ہوا کے ساتھ
ورع = (ع) پرہیزگاری	حلم = (ع) نرم دلی	داد = (ف) انصاف
سرورِ امم = (ع) امتوں کا سردار	امرِ حرام = (ع) حرام کا کام	دو سرا = (ف) دونوں
ہمہمہ = (ع) گھوڑے کی آواز	ادہم = (ع) کالا گھوڑا	صرصر = (ع) آندھی
اسد = (ع) شیر	گرگ = (ف) بھیڑیا	دام = (ف) چرندے
ماہ = (ف) مہینا	طالع = (ع) طلوع ہونا	حسام (ع) تلوار
گور = (ف) قبر	دہر = (ف) دنیا	حرام کا = حرام زادہ
سوگ = (ف) ماتم، غم	روح حرم = (ع) اہل بیت	مدام = (ع) ہمیشہ
مصرعِ رسا = (ف) بلند مصرع	سحرِ حلال = (ع) فصیح اشعار: دبیر کے جد اہلی شیرازی کی مشہور مثنوی کا نام	لامع = (ع) چمکنے والا
عطارد = دبیرِ فلک، ستارہ، تخلص	برسما = (ف،ع) آسمان پر	کلک = (ف) قلم

سرِ علم سرورِ اکرم ﷺ ہوا طالع

سرِ علم سرورِ اکرم ہوا طالع ہر ماہ مرادِ دلِ عالم ہوا طالع
ہر گام علمدار کا ہمدم ہوا طالع اور حاسدِ کم حوصلہ کا کم ہوا طالع
عکسِ علم و عالمِ معمور کا عالم
گہہ ماہ کا گہہ مُہر کا گہہ طور کا عالم

عالم ہوا مداحِ علمدار و علم کا وہ گل اسداللہ کا وہ سردار اُمم کا
محرم و حرم کا وہ گواہ اہلِ حرم کا رہرو وہ عدم کا وہ عصا راہ عدم کا
مصدر وہ علمدار کرم اور عطا کا
مطلع وہ علم طالعِ مسعودِ ہما کا

مردم کو ملا سرمہ گردشِ سم رہوار رہوار ہُما وار علمدار ملک دار
کل محو علم اور علم محو علمدار اللہ مددگار اسداللہ مددگار
دل سرد اسد کا ہوا سُم گاؤ کا سرکا
ہمدرد ہوا درد دل و روح عمر کا

ہرگام دُعا کو ملک و حور سرِ راہ اللہ مَعَک، صلِّ علاء، سلمکَ اللہ
ہمراہِ رسول دوسرا اور اسداللہ اور وِرْد کہہ و مہ کا ادھر واہ اُدھر واہ
ہر سو ہوا کہرام کہ سرگرمِ دُعا ہو
اُو روحِ گردہِ عمرِ سعد ہوا ہو

اُس دم ہوا سرگرم صدا طالع مولا او مرگ ادھر آ عمرِ سعد کا سر لا
او عہد علم کر علم سرور والا او دور گرا ہر علم طالع اعدا

او مہر دکھا گور چہ عمرِ عمر کو
او گرد عدم روک رہ عمر عمر کو
اُو مہر سوا سالِ دمہ عمر حرم کر الا مہ و سال عمر سعد کو کم کر
اُو ماہ سرِ اہل ولا مہر و کرم کر اور گم سر ہر حاسدِ سردار امم کر
او کلک عطارد سو مولا ہو کمک کر
ہر اسم گروہ عمر سعد کا حک کر
رہوار کو ہر لطمہ ہوا کا ہوا کوڑا اڑ کر ہوا طاؤس علمدار کا گھوڑا
اور ساعد صرصر کو دم کاوہ مڑوڑا اس طور مڑا گرم کہ رو مہر کا موڑا
سو دام اڑا ادہم صرصر کو گھرک کر
رہوارِ ہوا گرد ہوا دور سرک کر
عکس دم رہوار سر راہ ہوا دام ہردام و دود گرگ اسد اس کا ہوا دام
الا دل اعداد کو ملا درد ہر اک گام رم کردۂ صحرا ہوا ہر آہو آرام
ہر سور گرا اور کہا مرگ ہو حاصل
دل گروۂ وہ کس کا کہ ہو اس صدمہ کا حامل
لو سامعو الحال سلام اور دعا ہو دل محو علمدار رسول دوسرا ہو
اور صل علا صل عُلا صل علا ہو مداح علمدار کا ادراک سوا ہو
واللہ اگر مدح علمدار ادا ہو
مداح کا حور و ارم و حلّہ صلا ہو
وہ مطلع اسرار کمال اسداللہ آرام و سرورِ دل آل اسد اللہ
ممدوح مہ و مہر، ہلال اسد اللہ واللہ ملال اس کا ملال اسد اللہ
محکوم وہ اللہ کا حاکم وہ ارم کا
حامل وہ علم کا وہ مددگار حرم کا

رو اصل گلِ ورد مہلک عطر گلِ زرد　　آرام دہ روح و دل و دارد ہر درد
لمعہ کا وہ عالم کہ سدا طور کا دل سرد　　سو لاکھ مہ و مہر ادھر گرد اُدھر گرد
رو ماہِ مراد حرم سرور والا
اور دل اسداللہ کا اس ماہ کا ہالا

سر ہمسر کوہ حرم داورِ علام　　دل مصدر الہام گلو مطلع اسلام
اور طرہ کاکل دل اسلام کا اک لام　　وہ لام کہ حاصل ہوا اسلام کو آرام
لو سلسلہ درہم ہوا ہر درد و الم کا
کاکل کو لکھا دائم دلِ اہل حرم کا

لو اور کھلا طرۂ کاکل کا معما　　ہر مو ہوا مداح کو اسلام کا سودا
وہ لام دو اسم اور وہ کاکل دو مسما　　اسرار لہ الملک لہ الحمد ہوا وا
دل کو اگر اس طرہ کا سودا و دلا ہو
آسودہ رحم و کرم و مہر و عطا ہو

دعوا ہوا کاکل کا سر لوح مدلل　　حاصل سر ہر مو ہوا اسرار مطول
اور مسئلہ درع علمدار ہوا حل　　اس کاکل اطہر کا گرا عکس مسلسل
اس سلسلہ کا عکس سلاسل ہوا اُس کو
ہر سلسلہ اسلام کا حاصل ہوا اس کو

ہر صاد علمدار امام اطہر و اسعد　　وہ صاد ہر اک صل علا آل محمد
لو سامعو ادراک کا ادراک ہوا رد　　حاصل صلہ مدح سرور و ہولاحد
ہر صاد لکھا اور ملا ہم کو صلا صاد
اس دم سر ہر مصرع مداح ہوا صاد

مردم کو سوادِ دل لالہ کرو مسطور　　اور سرمۂ دہِ مردمک ہر ملک و حور
اس مردم اطہر کو ملا لمعہ صد طور　　وہ لمعہ صد طور وہ رو سورہ والطور

مدح گہر و لعل سر سطر اگر ہو
گہ سطر رگ لعل ہو گہ سلک گہر ہو

سلک گہر و لعل علمدار مکرم   لمعہ دہِ الماس و در لعل دو عالم
ہر لعل علمدار ملا روح کا ہمدم   دم مردہ صد سالہ کو حاصل ہوا ہردم
والہ ہوا ہر لعل علمدار کا لالہ
گوہر کا ہر اک لولو لالہ ہوا لالہ

راس الرؤسا راس علمدار دلاور   سردار مہ و مہر، کلاہ سر اطہر
دردا کہ گرا آہ سرِ معرکہ وہ سر   حامل ہوا کس کوہ الم کا سر سرور
وہ صدمہ ہوا دل کو علمدار علم کا
عمامہ گرا سرورِ سردار اُمم کا

ہر دم کلمہ حمد کا وردِ دل آگاہ   اور سامعہ مولا کو گواہِ سمع اللہ
مداح ہوا صدر علمدار کا ہر ماہ   دلِ عالم ہر صدرہ اسلام ہوا واہ
ڈورا ہوا محسوس رگ لعل و گہر کا
کھولا گرہ مو کو لکھا حال کمر کا

صمصام وہ صمصام کہ ہر سو عمل اس کا   گہ کاسہ سر گہ دل اعدا محل اس کا
کس طرح معما ہو دم مدح حل اس کا   ہر اک درم روح عدو ماحصل اس کا
گر حکم علمدار و امام دوسرا ہوا
وہ مار ہو طاؤس ہو، موسا کا عصا ہو

لو واہ کہو حال کھلا ڈھال کا حالا   مداح کو دو داد کہ اس ڈھال کو ڈھالا
حل مہر کا گردہ ہوا اور ماہ کا ہالا   اور دودۂ آہ حرم سرورِ والا
ہالا اِدھر اس ڈھال کا گرد مہ رو ہو
معکوس اُدھر کاسہ ہر عمر عدو ہو

رہوار ہما طالع اسد ، حملہ ہوا دم طاؤس ادا ، رعد صدا صور کا ہمدم
آمد کا وہ کردار کہ ہو عمر عدو کم ہمطور ملک سدرۂ اعلا کا وہ محرم
دُم وہ کہ ملا کاکل ہر حور کا عالم
سُم وہ کہ ہلا اور ہوا طور کا عالم

وہ اصل طلسم حکما، سحر ارسطو دلدل عمل و حور کمال اور ملک رو
سرکوہ و کمر لالہ و دُم سرو وسُم آہو اور دامِ ہما طرہ رہوار کا ہر مو
محکوم وہ اسوار کا حاکم وہ ہما کا
رہوار علمدار کا، اسوار ہوا کا

ہرگاہ ہوا معرکہ آرا وہ علمدار اس طرح کہا او عمر حاسد و مکار
ہوکر کلمہ گو، ہوا ملحد کا ہم اطوار درد دل احمد کا ہوا آہ روادار
ہمدم کو ہراول کو، مددگار کو مارا
اولادِ امام ملک اطوار کو مارا

واللہ کہ اس صدمہ کا دل کو ہوا صدما صدہا سم رہوار اور اِک دولھا کا مردا
آلودہ گرد آہ وہ ہار اور وہ سہرا گل سرور معلوم کا اور صرصر صحرا
گھر سرور عالم کا محل درد و الم کا
دولھا کا لہو عطر عروس اور حرم کا

دردا حرم سرور طٰہٰ کو رلاؤ دردا دلِ اولادِ محمد کو دکھاؤ
دردا لحد احمدِ مرسل کو ہلاؤ سردار کو معصوم کو صمصام دکھاؤ
آلودۂ مکرو حسد و حرص و ہوا ہو
آسودہ اموال ہو، محروم ولا ہو

معصومہ کا ہو مہر ہر اک رود مگر واہ الماء ہو درد حرم محرم اللہ
آسودۂ ساحل ہوا ہر سالک و گمراہ الآ رہا محروم امام دوسرا آہ

مردہ ہوا ہر کودک کم عمر حرم کا
اور گل سا گلا سوکھا مددگار امم کا

آگاہ ہو آگاہ ہو، آگاہ ہو آگاہ سردار ہمارا اسد اللہ کا وہ ماہ
والد ولدِ عم محمد اسداللہ مولود حرم ماہِ امم مہر کرم واہ
سر احمد مرسل کا وہ سرور رؤسا کا
حاکم اُمراء کا وہ مدرس علما کا

حور و ملک و آدم و حوا کا مددگار ممدوح رسل مالک کل عالم اسرار
حلال مہم داورس و سرور و سردار وہ ماہر حالِ دل مور و مگس و مار
وہ عسکر اسلام کا سالار دلاور
وہ احمد مرسل کا علمدار دلاور

وہ صوم، وہ عمرہ، وہ صراط اور وہ احرام گھر حلم کا، در علم کا، معمورۂ اسلام
حامل علم حمد کا اور مالک صمصام ملاک ملوک دوسرا، حاکم حکام
وہ سرور عادل کہ علم عدل کا گاڑا
اللہ کہا اور در محکم کو اکھاڑا

وہ ہر ملک سدرہ کا مولا و مدرس اور گل کدہ آدم عالم کا مؤسس
الواع سما کا وہ مصور و محرس وہ ہادم معمورۂ اوہام و ساوس
محکم ہوا دعوا کہ معطل ہوا دھوکا
وہ دوسرا احمد کا اور اول دہ وودکا

وہ صدر کلام، اصل کلام اللہ اطہر الحمد کا اور سورۂ والعصر کا مصدر
اللہ کا ہم اسم محمد کا وہ ہمسر ہم کاسہ و ہم عمر وہ احمد کا سراسر
سلکِ گہر علم و در سلک محمدؐ
وہ مالکِ مُہر و علم و کلکِ محمدؐ

گر ہو ہوس وصلِ رسول و اسداللہ　　حاکم کا عدو ہو کہ وہ حاکم ہوا گمراہ
مولا کا ہو مولا کہ ہو دلِ محرم و آگاہ　　دل رکھ سوء درگاہ حرم، رو سوء اللہ
وہ حاکمِ مکّار ، گدا ملکِ حسد کا
سردار ہمارا کرم اللہ احد کا

وہ گرد وہ سرمہ ، وہ ملال اور وہ آرام　　وہ کور وہ آگاہ وہ وسواس وہ الہام
وہ دیر وہ مکہ ، وہ حرام اور وہ احرام　　وہ وعدہ وہ حاصل وہ سوال اور وہ اکرام
وہ سہو وہ ادراک، وہ مملوک وہ مالک
وہ وہم وہ علم، اور وہ گمراہ وہ سالک

وہ سم وہ عسل اور وہ حول اور دلاسا　　وہ سحر، وہ اسرارِ الٰہ دوسرا کا
وہ مرگ وہ عمر، اور وہ دردا وہ مداوا　　وہ دار وہ سرد اور وہ کاہ اور وہ لالا
وہ ہالۂ حرص اور وہ مہِ کامل احمدؐ
وہ سکر حرام، اور وہ سرورِ دلِ احمدؐ

لکھ حاکم گمراہ کو معصوم کا کُل حال　　رودادِ امام اور المِ دردِ دلِ آل
حاصل ہوا وہ دُکھ کہ مع کودکِ کم سال　　آمادۂ مرگ احمدِ مرسل کا ہوا لال
صدمہ ہوا دولھا کا سدھارا وہ عدم کو
اللہ کرم کر کہ ہو آرام حرم کو

محرومِ طعام آہ محمدؐ کا ولد ہو　　آوارۂ صحرا اسد اللہ کا اسد ہو
محصور الم مالکِ سرکارِ احد ہو　　اور کودکِ معصوم کا گہوارہ لحد ہو
عالم کا رہا کام روا ماہِ محرم
سرور کو مہِ صوم ہوا ماہِ محرم

سرگرمِ مدارا ہوا سرور کا علمدار　　الّا رہا مردود کا مردود وہ مکّار
للکارا ہر اسوار کو مڑ کر کہ کرو وار　　سدّ رہ ساحل ہوا آ کر ہر اک اسوار

گمراہ کا، ہر حاسدِ گمراہ مددگار
لعلِ اسد اللہ کا اللہ مدد گار

وہ معرکۂ وہ وسوسہ وہ عسکرِ عامہ وہ دمدمۂ ہر دُہل و کوس و دمامہ
وہ گرد دوا دو وہ کلاہ اور وہ عمامہ وہ گرم روارو سم رہوارِ دوگامہ
وہ عہد مکمل صلۂ داد و کرم کا
وہ دورِ مسلسل دُہل و کوس و علم کا

گردِ عُمر سعد اُدھر عسکر اعدا کرار کا دلدارِ ادھر معرکہ آرا
اِک ولولہ ایک حوصلہ دوہمدم مولا رہوارِ ہما وار سوئے طارم اعلا
لاحول ولا وردِ علمدار دلاور
ارواحِ رُسل گردِ علمدار دلاور

صمصام کو الہام ہوا سر کو علم کر گہ سورہ ُ الحمد کو، گہ صور کو دم کر
اِک وار لگا اور دو، اعدا کا علم کر ہردم عُمرِ سعد کا دم محوِ عدم کر
دو حصہ کمر کر کہ الگ کاسۂ سر کر
ہر طرح مہم سہل کر اور معرکہ سر کر

داؤد کا ہمدم ، دمِ صمصام دلاور اس طرح ہوا گرم سر دورۂ عسکر
سو کوس دلِ کوہ کو ہوا موم سراسر معدوم ہر اک درع کا لوہا ہوا گھل کر
ہر گرم روِ کور کا دل آگ سا سلگا
موسم سرِ صحرا ہوا گل، لالہ و گل کا

طاؤس مرصع و ہلالِ کمر آرا اس طرح ہوا لامع و ساطع سرِ صحرا
ہر سال کو دوماہ ملا موسم گرما معلوم ہوا آگ کا اسرار و معما
دھوکا ہوا عالم کو کہ اسم اس کا رکھا آگ
عکسِ دمِ صمصام گرا اور ہوا آگ

اعدا کو ہلاہل کا ہوا سم دمِ صمصام ہر گامِ گرا مادہ سودا کا سرعام
معدوم دلِ اہلِ لحد کا ہوا آرام اللہ سر سام کو اس دم ہوا سرسام
رو عسکرِ مردود کا ہرسو ہُوا کالا
اور مردم مردم کا ہر آہو، ہُوا کالا

اُس کاسۂ صمصام کا عالم ہوا مدعو اک کاسہ، مگر اطعمہ ہر طرح کا مملو
اعدا کا دل و گردہ گلو، صدر و سر د رو اور امر کلو امر، کلو عام ہر ایک سو
آسودہ ہوا حوصلۂ ہر مور و مگس کا
مملو ہوا معدہ طمع و حرص و ہوس کا

ہر گاہ ارادہ ہُوا، اسوار کا گھر کو رہوار اُڑا اُس کا دہل کر، کہ کدھر کو
صمصام کا اک وار ملا کاسۂ سر کو آدھا وہ اُدھر کو گرا آدھا وہ اِدھر کو
دل سہما ، لہو سہم کر اسوار کا سوکھا
لوہا رہا صمصام علمدار کا روکھا

صمصامِ علمدار کے احکام عُمر کو اوکور درِ گور کھلا، کھول کمر کو
رہوار کا اعلام ادھر اور اُدھر کو عادل کا ہُوا دور، ڈرو دور ہو سر کو
صمصام کا محصول سرِ معرکہ سرود
سر دو دم صمصام کو اور اسلحہ دھرود

ہر دم دمِ صمصامِ دو دم رعد سا کڑکا ہر وہ ولہ کو سہو ہوا اسم کا کڑکا
ہردل کو ہوا آمدِ صمصام کا دھڑکا سر گم ہوا اور کام معطل ہوا دھڑکا
ادراک وحواس و دل و ارواح گم اُس دم
موہوم ہراک رود و سرود وطرم اُس دم

اک وار لگا اور الگ سر ہوا سوکا مالک ہوا مسرور ملا مال گرو کا
ہر کاہ کو وہ وار ہوا داسا درو کا اور ملکِ عدم کو ہوا ارواح کا ہُوکا

گہ سہم عطارد کا ہُوا مرگ عدو کو
گہ ہالۂ صمصام ہُوا ہار عدو کو

کردارِ حسامِ ولدِ سرورِ کرّار گہ لطمہ و گہ ورطہ و گہ ساحل و مدرار
اور رمح علمدار کا اعدا کو ہوا وار حصہ کمر و دل کا ہر ایک سہم علمدار
وہ حملہ رہوار، وہ دولاکھ کا عالم
صرصر کا ادھر طور، اُدھر راکھ کا عالم

اعدا کو ہر اک صدمہ کامل ہوا حاصل سردار کو درد و الم دل ہوا حاصل
اس گوہر اسلام کو ساحل ہوا حاصل ساحل ملا اور سم ہلاہل ہوا حاصل
رو کر کہا دردا درِ سردار رہا دور
ہم واردِ ساحل اور امام دوسرا دور

سردار ادھر محوِ علمدار دلاور دل مردہ و مہموم ملول اور مکدر
گہ مرگِ علمدار کا وسواس سراسر گہ ولولہ وصلِ علمدار مکرر
گہ دردِ کمر، گہ دلِ آگاہ کا صدمہ
گہ صدمۂ آلِ اسد اللہ کا صدمہ

گہ رو سوئے صحرا کہ کدھر گم ہوا وہ ماہ گہ مردمک اطہر معصوم سرِ راہ
ہر لمحہ سوا درد و ملالِ دلِ آگاہ گہ آہ گہ الحاح سُوِ در گہ اللہ
گہ درد کہ ہر صدمہ علمدار کا رد کر
اللہ مدد کر، اسد اللہ مدد کر

سرگرمِ صدا گہ سُوِ دلدار، وہ سرور آؤ ادھر آرام دل و-والد ومادر
ڈھارس دو وہ ہم کو کہ ہو آرام سراسر معلوم کرو حالِ علمدار دلاور
اس دم ہُوا گم آہ علمدار ہمارا
دلدار ہمارا ہو مددگار ہمارا

دلدار! سوا درد ہُوا دل کو دوا دو　　دلدار! علمدار کا ہو وصل دعا دو
دلدار! علمدار کا رو ہم کو دکھا دو　　دلدار! علمدار دلاور کو صدا دو
عمّو اِدھر آؤ ، اِدھر آؤ اِدھر آؤ
مردہ ہوا سردار، علمدار گھر آؤ

حاصل ہوا ہم کو الم مرگِ محمدؐ　　معصومہ کو درد لگا ، صدمہ ہُوا لاحد
وہ صوم وہ روداد سرِ ہمسر احمدؐ　　معصوم کا سوگ اور الم احمدؐ کا مجدّد
الاّ الم اس طرح کا کس دم ہوا حاصل
واللہ کہ دردِ کمر اس دم ہوا حاصل

اولادِ محمدؐ کو رہا کس کا سہارا　　دلدار! دلاسا دو، ہُوا کام ہمارا
ساحل کو سدھارا کہ عدم کو وہ سدھارا　　وہ مُردہ ہُوا آہ، کہ سردار کو مارا
مُڑ کر سُوِ گور اسدؑ اللہ دعا کر
دادِ اسد اللہ ! مہم سر کرو آکر

آرام دہ سرورِ عالم ہوا دلدار　　رو کر کہا معلوم ہوا حال علمدار
وہ عمو، وہ ساحل، وہ علم اور وہ رہوار　　آمادہ سرِ راہ مسلّح ہر اک اسوار
اللہ مددگار ہُوا اہلِ کرم کا
عمّو کو ملا دُرِّ مراد اہلِ حرم کا

اللہ سدا حوصلہ عمّو کا ہوا ہُو　　اس عہدۂ عمدہ کا صلا عمدہ عطا ہو
آلِ اسد اللہ کا ہر کام روا ہو　　سوکھا ہوا ہر دوحہ محمد کا ہرا ہو
ہو دردِ حسد، عسکرِ مکّار کو حاصل
آرام ہو سردار و علمدار کو حاصل

لُو حمد کرو، حمد کرو، سرورِ عالم　　مسرور ہو، مسرور ہو، مسرور ہو اس دم
لُو گھر کو ارادہ ہوا عمو کا مصمم　　مولا کہو للّٰلہ، ہوا صدمۂ دل کم

سرور کہو، آرام ہوا دردِ کمر کو؟
رہوار مُڑا عم دلاور کا اِدھر کو
مولا کو ہوا وصلِ دلاور کا سہارا طالع کا ہوا آہ وصال اس کو گوارا
للکارا گروہِ عُمر سعد وہ سارا لو سرورعالم وہ علمدار کو مارا
محکوم کو ہمدم کو، مددگار کو روؤ
لُو آؤ، وہ دم اکھڑا علمدار کو روؤ
وہ وار لگا کاسۂ سر اُس کا ہوا دو مارا اسد اللہ کو، لو ہم کو صِلا دو
ہو مرگ علمدار سہل، آؤ دعا دو مُردہ حرم احمد مرسل کو دکھا دو
ہر طرح گوارا کرو اس درد و الم کو
لُو سوگِ علمدار کا دو حکم حرم کو
سردار گرا، اور کہا آہ علمدار محروم کو محروم رکھا واہ علمدار
اک لحہ رہو اور سرِ راہ علمدار ہمراہ لو سردار کو للّلہ علمدار
واللہ سدھارو مع سردار ارم کو
اس دم الم مرگ گوارا ہُوا ہم کو
آرام لحد روح کو اُس دم ہوا درکار اک گور ہو اور مُردۂ سالارو علمدار
گر مرگِ مددگار ہو، طالع ہو مددگار حاصل سرِ ساحل ہو مُرادِ دل سالار
آسودہ مدام احمدِ مرسل کا ولد ہو
سردار و علمدار کو آرام لحد ہو
مُردہ ہوا الحال امام دوسرا آہ سر آل محمد کا سرِ عام کھلا آہ
دردِ اسد اللہ ہُوا وا ولدا آہ کاسہ سرِ کرارؐ کا دو حصہ ہُوا آہ
واللہ علمدار دلِ آگاہ کا صدمہ
ہم کو ہُوا مرگِ اسداللہ کا صدمہ

دلدار کو مڑ کر کہا آگاہ ہو آگاہ دردا کہ علم احمدؐ مرسل کا گرا آہ
دلدار رکھو سوگ علمدار کا للّٰہ ساحل کا ارادہ کرو اور ہم کو لو ہمراہ
سردار کا سر کھول دو عمامہ گرادو
اور مُردہ علمدارِ دلاور کا دکھا دو

ہمراہِ امامِ اُمم اس دم ہوا دلدار اور رہروِ ساحل ہوا وہ گُل کا مددگار
سو درد اور اِک روحِ امامِ ملک اطوار اور دردِ علمدار، علمدار، علمدار
ہر گام صدا آہ مددگار، کدھر ہو
آگہہ کرو للّٰہ علمدار کدھر ہو

کس دم سرِ ساحل ہوا مولا کا ورود آہ دم ہمدم مرگ اور علمدار سرِ راہ
دوڑا سوءِ ہمدم اسداللہ کا وہ ماہ اور آہ لہو اس کا سرِ رو ملا واللہ
صدمہ ہوا اس طرح کا دل کو کہ ہلا دل
اللہ کہا اور گرا سرورِ عادل

اوس ہمدم سردار کو اس دم ہوا الہام آگاہ ہوا آگہہ کہ ہوا موردِ اکرام
وارد ہوا سردار امم مالکِ اسلام اُکھڑا ہوا دم روکا کہ سرور کو ہو آرام
رو کر کہا سردار کہو درد کمر کا
دردا کہ سرِ راہ عمامہ گرا سر کا

○

○

ہمسر نجفِ پاک کا کب عرش ہوا
برتر ہے وہ پہلے سے یہ اب عرش ہوا
تعمیرِ نجف سے بچ رہا تھا اک سنگ
گردوں نے دھرا سر پہ لقب عرش ہوا

○

کیا نفع جو متقی و پرہیزی ہے
تقویٰ و صلاح فتنہ انگیزی ہے
واللہ کہ بے حُبّ امیرؑ کوثر
منہ دھونا وضو میں آبرو ریزی ہے

سلام

مُجرا اُسے مدام جو راہِ رضا میں تھا
خنجر تھا جب گلے پہ وہ شکرِ خدا میں تھا

عابدؑ نے دفن کر کے شہیدوں کو یہ کہا
حصہ نہ اس مریض کا خاکِ شفا میں تھا

پیاروں کی موت گھر کی تباہی عطش کی دھوم
کیا شاہؑ پر وفورِ بلا کربلا میں تھا

شربت بھی بھیجا مُشکیں بھی قاتل کی کھول دیں
یہ فیضِ خاص حصہ مشکل کشاؑ میں تھا

عباسؑ نے بھی خوب نبھائی حسینؑ سے
جو عشق ابتدا میں وہی انتہا میں تھا

دربار میں یزید نے جس دن طلب کیا
کیا دل نبیؐ کے آل کا خوف و رجا میں تھا

اے چرخ کیوں حسینؑ کا خیمہ اُٹھا دیا
دریا تو مہرِ حضرتِ خیرالنساؑ میں تھا

پانی دیا کسی نے نہ اصغرؑ کو بوند بھر
کیا رحم دل نہ ایک بھی اہلِ وغا میں تھا

کافر نہ اس طرف تھا بجز سارباں کوئی
مومن سوائے حُر نہ کوئی اشقیا میں تھا

افسوس اے دبیرؔ نہ طالع رسا ہوئے
دل اس برس بھی آرزوئے کربلا میں تھا

○

مصروفِ نگہداشت شہنشاہِ قلم ہے

مصروفِ نگہداشت شہنشاہِ قلم ہے
اور فوجِ جوانانِ مضامیں بھی بہم ہے
جاگیر ورق ہے زرِ تنخواہ رقم ہے
معنی ہے اگر سکّہ تو ہر لفظ درم ہے
خطبہ ہے حبیب ابنِ مظاہر کی ثنا کا
مختار ہے جو میسرۂ فوجِ خدا کا

قوم اپنے جوانانِ مضامیں کی کہوں کیا
الہام نسب، ساکنِ غیب، افسرِ انشا
شیریں لب و رنگیں قد و محبوب سراپا
لازم ہے ملازم کہے اُن کو خرد اپنا
اکثر ہیں جگر گوشے مری طبعِ قوی کے
اور بعض ہیں فرزندِ حدیثِ نبوی کے

یہ فوجِ سخن رتبے میں نایابِ جہاں ہے
یعنی الفِ نادِ علیؑ ان کا نشاں ہے
قرطاس کا تو مرکب نقرہ تہ ران ہے
لفظوں کی سپر سطروں کی شمشیر و سناں ہے
خامہ مرا الزام خلائق سے بری ہے
یا غیر کے مضمون کا چہرہ نظری ہے

یارب کبھی کثرت مری محفل کی نہ کم ہو
ان قدر شناسوں کا فزوں جاہ و حشم ہو
عقبیٰ میں نجات اور یہاں شبیرؑ کا غم ہو
ہر فرق پہ عباسؑ کا دامانِ علم ہو
فرماتے ہیں تحسین دُعا دیتے ہیں مجھ کو
جو کوئی نہ دے وہ یہ صِلا دیتے ہیں مجھ کو

فرما کے قدم رنجہ کرم کرتے ہیں ہم پر
ہے فخر مرا سر جو دھروں ان کے قدم پر
احسان ہے حقیقت میں مگر شاہِ اُمم پر
نازاں ہوں میں ان مومنوں کے لطف و کرم پر

منبر پہ بلند اور مرا پایہ ہوا ہے
گویا کہ سخن عرش کا اب آیہ ہوا ہے

گو تین شب و روز کے پیاسے کا ہوں ذاکر   پر ابرِ کرم ہوں چمنِ نظم کی خاطر
مظلوم کا ہوں مرثیہ گو میں، نہیں شاعر   ہوں بندۂ اعجاز نما پر نہیں ساحر
توبہ میں کروں معجزہ مقدور نہیں ہے
شبیرؑ کے اعجاز سے پر دور نہیں ہے

اللہ اگر حکم میں اللہ کا پاؤں   نو دفترِ افلاک کا اک جزو بناؤں
اور صورتِ قرطاسِ حریراُن کو اٹھاؤں   لکھ لکھ کے ثنا ابن مظاہر کی سناؤں
شیرازۂ نو باندھنے پر دل اگر آئے
ہر تارِ شعاعی ابھی سوزن میں در آئے

ہمدم رقم مرثیہ میں آہ و فغاں ہے   رُتبے میں نظامی مرا ہم نظم کہاں ہے
خسرو یہاں دریوزہ گر نظم و بیاں ہے   یہ دولتِ مداحی شاہِ دو جہاں ہے
سینہ، دُہل ماتم شاہِ شہدا ہے
کوسِ لِمَن المُلک بجاؤں تو بجا ہے

گو میں بھی مروّج ہوں کئی حال کا لاّ   اس مرثیہ خاص میں دعویٰ نہیں زیبا
پر حق ہے یہ ایجادِ ضمیرِ سخن آرا   خلاّق معانی، لقبِ خاص ہے جس کا
ان کے درِ ہر بیت سے مضموں کی عطا ہے
خاقانی فخر الشعرا ان کا گدا ہے

ان کو ہنرِ نظم میں داور نے کیا فرد   نورِ سخن انوری اس عہد میں ہے گرد
وہ گرمی بازارِ نظیریؔ بھی ہے اب سرد   سعدی کا گلستانِ بیاں خوار ہے اور زرد
ترجیح کے اسرارِ خفی صاف جلی ہیں
یعنی کہ یہ مدّاح حسینؑ ابن علیؑ ہیں

گویا کہ ہیں استاد میرے عیسیٰ ثانی دم کرتے ہیں الفاظ میں ارواح معانی
ہیں مرثیۂ ابن مظاہر کے وہ بانی پر منصفوں کے ہاتھ ہے یہ مرتبہ دانی
کیا مدح سے استاد کی دلشاد ہے میرا
وہ ان کا ہے ایجاد یہ ایجاد ہے میرا

ہر چند کہ بے حصہ ہے مضمونِ روایت آگے نہ کسی کو ہوئی پر ایسی ہدایت
واللہ نہ ہے بخل نہ کینہ نہ شکایت منظور ہے پر زورِ طبیعت کی رعایت
کہتے ہیں کہ گنجایش احوال نہیں ہے
ہر ماہ اگر کہیے تو اشکال نہیں ہے

معنی ضمیر اہلِ زباں سے نہیں اخفا روشن ہے دلوں پر شرفِ نام ، سراپا
ہیں غیر بھی جو پیروِ نظم اُن کے میں سمجھا یعنی کہ سخن سب کو پسند آتا ہے دل کا
یوں اوج پہ ہے قدرِ ضمیر اہلِ سخن میں
دل جیسے کہ ممتاز ہے اعضائے بدن میں

وہ اوجِ سرِ طالع دیہیمِ فصاحت وہ افسرِ نظم و شہِ اقلیم فصاحت
راست اُن کے قلم پر قدِ تعظیم فصاحت اور پائے سخن پر سرِ تسلیم فصاحت
جتنے کہ صنائع ہیں بدائع ہیں جہاں میں
موجود ہیں جوہر کی طرح تیغ زباں میں

سلطانِ صبا اُن کا قلم ہے دمِ تحریر گل گل چمنِ نظم کو فرماتے ہیں تسخیر
ہر بیتِ مسدس ہے دو دستی پئے شمشیر اقلیم سناں صورتِ شمشیرِ جہانگیر
اِک خنجرِ مصرع کے برابر اگر آئے
خورشید میں پھر ہیئت جوزا نظر آئے

بالائے دوات اہلِ نظر کی یہ گواہی ہے چشمہ حیوان خضر کی اُسے شاہی
اور آبِ حیاتِ سخن اس کو ہے سیاہی خامہ تو ہے یونس وہ فضائے لبِ ماہی

کیوں وہ نہ دوات آبروئے لوح و قلم ہو
بے آبیِ باغِ نبوی جس سے رقم ہو
یوں روئے ورق ان کے رقم سے ہے نمودار   جس شکل خطِ سبز سے آرائشِ رُخسار
پُتلی کی طرح نقطے ہیں سب مطلعِ انوار   اک نقطے سے جو چاہیں پڑھیں مردم ہشیار
واں جوشِ مضامیں نہیں محتاج بیاں ہے
بے پائے قلم صفحے پر تحریر رواں ہے
لاریب توارُد سے بری کوئی کہاں ہے   افراطِ توارُد ہو تو سرقے کا گماں ہے
جو مصرعِ موزوں مرا مشہورِ جہاں ہے   البتہ توارُد ہو تو حیرت کا مکاں ہے
سرقہ ہے کہ تالیف نہ ہے مضمونِ کہن کی
یہ سب ہے زکوٰۃ اپنے زرِ نقدِ سخن کی
پیری میں اگر بخت جواں ہو تو مزا ہے   ہم پلّہ ناوک جو کماں ہو تو مزا ہے
سر کے لیے معراج سناں ہو تو مزا ہے   جاں فدیہ خلّاق جہاں ہو تو مزا ہے
پیری میں گلِ زخم سے ہے حسن بدن کا
ہنگام سحر لطف ہے گلگشت چمن کا
اے مشک قلم جلوۂ کافور دکھادے   اے شامِ سیاہی سحرِ نور دکھادے
اے مطلعِ روشن شجر طور دکھادے   اے رنگِ سخن صاف رخ حور دکھادے
اس مرثیے میں اُس کے فضائل کا بیاں ہے
جو سن میں مُسن اور ارادے میں جواں ہے
کس خضر بیابان شہادت کا بیاں ہے   سر سبز فصیحوں میں جو طوطیِ زباں ہے
کس یوسف شبیرؑ کا رخ سوئے جناں ہے   جو حور ہر اک مثل زلیخا نگراں ہے
مشتاق لقا حضرتِ محبوبِ خدا ہیں
کونین حبیبِ ابن مظاہر پہ فدا ہیں

پیری میں جواں بخت حبیبؑ ابنِ مظاہر غازی، اسدی، نیک، حبیب ابن مظاہرؓ
حیدرؑ کے حبیبوں کا حبیب ابن مظاہر بے چارہ و مظلوم و غریب ابنِ مظاہرؓ
سردے کے یہ پیری میں سُبک دوش ہوئے ہیں
بالوں کی سفیدی سے کفن پوش ہوئے ہیں

جس پیر کا اقبال ضعیفی میں جواں ہے حقا وہ حبیبِ شہِ فردوس مکاں ہے
ثابت قدم ایسا کوئی پیروں میں کہاں ہے ثابت قدمی پاؤں سے رعشے میں عیاں ہے
سر ہلتا ہے پر ہر کفِ پا رن میں جمی ہے
جنبش میں ہے لو، شمع کو ثابت قدمی ہے

ظاہر ہیں حبیب ابنِ مظاہرؓ کے فضائل محبوب نبیؐ کا ہے یہ فرخندہ شمائل
شبیرؑ کی الفت میں جو پایا اسے کامل اُس مصحفِ ناطق نے کیا بر میں حمائل
پر خود غلطوں نے وطن آوارہ کیا ہے
ہر جزوِ بدن تیغ سے سیپارہ کیا ہے

ہے بے سرو ساماں کوئی ایسا شہدا میں سر دفن ہے کعبے میں بدن خاکِ شفا میں
مُردہ تو ہے دربارِ شہ ارض و سما میں سر ابنِ مظاہر کا ہے سرکارِ خدا میں
کیوں کر نہ وہ سر قابلِ درگاہِ خدا ہو
جو خالقِ کونین کے فدیے پہ فدا ہو

اب عزم ہے بالجزم کہ اِن شیعوں کی خاطر کچھ ابن مظاہر کا شرف کیجیے ظاہر
یہ نو فلک و شش جہت و چار عناصر ہیں شاہدِ خوش طینتیِ ابنِ مظاہر
دل محوِ خدا جان فدا شاہ کے اوپر
سر عرشِ توکلت علی اللہ کے اوپر

بچپن میں جو گھر سے شہ دیں کھیلتے آتے یہ مٹھیوں میں خاک قدم ان کی اٹھاتے
کچھ آنکھوں میں انگلی کی سلائی سے لگاتے کچھ خاک کو گلگونۂ رخسار بناتے

اک خاک سے سو حسن کا طالب وہ جری تھا
صندل تھا یہی سرمہ یہی، عطر یہی تھا
جب جمع کیا آب و گِل ان کا پئے تخمیر   تقدیر نے ڈالا نمکِ الفتِ شبیرؑ
طفلی میں تو اُس خاک کو سمجھا کیے اکسیر   پیری میں ہوئے شہؑ کے لیے کشتۂ شمشیر
تن خاک ہوا راہ میں شاہ شُہدا کی
دانا تھے سو تسبیح بنے خاکِ شفا کی
بے وجہ نہیں منہ پہ ملی خاک وہ اصلا   بچپن میں تیمّم تھا پئے طاعتِ مولا
اور عہدِ ضعیفی میں حضورِ شہِ تنہا   آبِ دم خنجر سے کیا مسحِ سروپا
منہ خوں سے اگر دھویا تو ہاتھ آبِ بقا سے
اس تازہ وضو سے گئے ملنے کو خدا سے
بچوں کی صفیں کھیلنے میں کرتے تھے تیار   شبیرؑ کو ان سب میں بناتے تھے یہ سردار
شبیرؑ انھیں میسرہ کا کرتے تھے مختار   آقا سے جو ہمجولی کوئی کرتا تھا تکرار
ہاتھ ان کا علم ہوتا تھا شمشیر کے بدلے
بچوں سے لڑا کرتے تھے شبیرؑ کے بدلے
لکھا ہے کہ جب رَن کو چلے لڑنے کی خاطر   کس پیار سے شہ بولے خدا حافظ و ناصر
ظاہر ہُوا اعجازِ حبیب ابنِ مظاہرؓ   مجرا کیا پیری نے جوانی ہوئی حاضر
تیغِ کمر پاک تھی یا لُطفِ خدا تھا
قبضے پہ دھرا ہاتھ جونہی رعشہ جدا تھا
لکھا ہے کہ تھے گھر میں حبیبِ ابنِ مظاہرؓ   جو کعبے سے راہی ہوا زہراؑ کا مسافر
پر فکر میں تھے مسلمؑ مظلوم کی خاطر   یاں منزلِ اوّل تھی وہاں منزلِ آخر
رونے کو ملک لاشۂ مسلمؑ پہ تلے تھے
ہچکی تھی بندھی فاطمہؑ کے بال کھلے تھے

ان کوفیوں کو شوق یہ کیسا تھا مرا آہ ہمراہیوں سے کہتے تھے سب منزلوں میں شاہ
اب خیر کرے مسلم مظلوم کی اللہ کوئی بھی ملاقات کو آیا نہ سرِ راہ
معشوق کی عاشق نہ خبر لے تو غضب ہے
لو ابن مظاہر بھی نہ آئے یہ عجب ہے

جس گرد کی گردش پہ بلا گرد ہو گرداب پیچیدہ ہوئی اتنے میں اک گردِ ضیا تاب
بیساختہ کہنے لگے یہ شاہ کے احباب خشکی میں بھنور اور بھنور میں دُر نایاب
ٹھہرو کہ غریبوں کا غریب آتا ہے مولا
محبوبِ الٰہی کا حبیب آتا ہے مولا

اور گرد سے نکلا وہ حبیبِ شہِ لولاک روکا پسرِ فاطمہؑ نے توسن چالاک
آنکھوں سے لگائے شہِ دیں کے قدمِ پاک تسبیح بکف، سر پہ کفن، جیبِ قبا چاک
بالائے رکاب آنکھ تھی پاؤں پہ نگہ تھی
پُتلی کی طرح آنکھ میں موزے کی جگہ تھی

چھاتی سے لگاؤں تمھیں لو سر تو اٹھاؤ شہؑ بولے کہ بس بس نہ بہت شوق بڑھاؤ
پُرسا مجھے دے لو تو گلے اپنے لگاؤ وہ بولا میں نادم ہوں یہ کلمہ نہ سناؤ
گھبرا کے شہِ دیں نے کہا کس نے قضا کی
کہہ خیر تو ہے ایلچی آلِ عباؑ کی

وہ بولا کہ مارے گئے ذِ الحج کی نویں کو چھوڑا ہے کہاں مسلمؑ ناشاد و حزیں کو
کیا عرض کروں مشورۂ فوجِ لعیں کو بہتر نہیں کوفے کا سفر اب شہؑ دیں کو
اغلب ہے گلا آپ کا خنجر کے تلے ہو
زینبؑ کو تو ہمراہ نہیں لے کے چلے ہو

اک شیر کو گھیرے ہوئے تھے سیکڑوں روباہ مسلمؑ پہ جو گزرا وہ بیاں کیا کروں یا شاہ
اور ہاتھ پسِ پشت عدو باندھتے تھے آہ زخموں سے تو دھاریں تھیں رواں خون کی واللہ

جب خون اگلتے تھے وہ افراطِ محن سے
ٹکڑے بھی جگر کے نکل آتے تھے دہن سے

رستے ہی میں زخمی کو پیام اجل آیا
پھر بام پہ لے جا کے اُنھیں زندہ گرایا
پھر لاش کو سب کوچوں میں اعدا نے پھرایا
پہلو ہوئے شق صدمہ یہ گرنے میں اٹھایا
ہے ہے میں کہوں کیا کہ ہر اک ظلم نیا ہے
اب مُردے کا سر کٹ کے سوئے شام گیا ہے

اور ابنِ مظاہر سے مخاطب ہوئے یوں شاہ
حضرت نے کہا آہ مرے بھائی غریب آہ
جا شوق سے گھر اپنے میں خوش اور مرا اللہ
تو کا ہے کو برباد ہو بھائی مرے ہمراہ
مہمانِ قضا اکبرؑ و عباسؑ ہیں بھائی
اب ہم علیؑ اصغرؑ سے بھی بے آس ہیں بھائی

اب ہم کو یہ باقی ہے کہ مقتول ہوں پیاسے
مسلمؑ تو سبکدوش ہوئے حکم خدا سے
امت کی رہائی ہوئیں ہوں قید بلا سے
زینبؑ کی دعا ہے یہ سدا ربِ ہدا سے
لٹنے کے لیے کعبے سے لایا ہوں حرم کو
منظور ترے گھر کی تباہی نہیں ہم کو

خادم نہ جدا ہوگا یہ فرماتے ہیں کیا شاہ
وہ بولا نہ واللہ نہ واللہ نہ واللہ
ہو فرش جو تیغوں کا تو میں سر سے چلوں آہ
باللہ تری راہ میں اے خسروِ ذیجاہ
گر حیدریوں نے نہ وفا کی ہو تو کہیے
قنبرؑ نے علیؑ سے جو دغا کی ہو تو کہیے

یا ثانیِ سلمانؑ و ابوذرؑ مجھے سمجھو
کیا منہ جو کہوں مالکِ اشترؑ مجھے سمجھو
قنبرؑ نہیں قنبرؑ سے بھی کمتر مجھے سمجھو
سو پُشت کا ہے فخر جو قنبرؑ مجھے سمجھو
بچپن سے ترے ساتھ ہوں تحسین کے قابل
پیری میں نہ فرمایئے نفریں کے قابل

صغرا کی طرح تو مری بیٹی نہیں بیمار جو جا کے علاج اُس کا کروں گھر میں میں ناچار
ایذائے سفر ترکِ وطن قلتِ انصار آقا پہ تو آسان ہو اور مجھ پہ ہو دشوار
اس شرط پہ فرماؤ تو جاؤں ابھی گھر کو
اصغرؑ پہ فدا کرنے کو لے آؤں پسر کو

گر اہلِ جفا قطع کریں پاؤں ہمارے پروا نہ صفت لاش پھرے گردِ تمھارے
سر کٹ کے نہ ہو پائے مبارک سے کنارے دل شق ہو تو شبیرؑ ہی شبیرؑ پکارے
گر ہاتھ جدا بندے کے ہوں کٹنے پہ سر کے
دامن سے خداوند کے پیوند ہوں مر کے

پھر اشتر زینبؑ کی مہار آن کے لی تھام چلّایا کہ سیدانی سفارش کا ہے ہنگام
آغاز تو بہتر تھا بُرا ہوتا ہے انجام سیّد مرا رخصت کا مجھے دیتا ہے پیغام
یہ راہ پلِ حشر سے مشکل ہے تو کیا ہے
واں دامنِ زہراؑ یہاں زینبؑ کی ردا ہے

زینبؑ پہ عجب جوشِ مروّت ہوا طاری حضرت کو قسم دے کے سکینہؑ کی پکاری
عاشق نے ترے روکی ہے زینبؑ کی سواری فردوس کا مشتاق ہے یہ بخشو میں واری
لو ساتھ اسے بھی کہ فراق اس پہ ستم ہے
تم کو چھ مہینے کے مسافر کی قسم ہے

شہؑ بولے کہ مجھ پر بھی ہے شاق ان کی جدائی پر ان کو بھی روئے گا یہ بیکس ترا بھائی
القصہ قضا شاہ کو میدان میں لائی اور صبحِ شبِ قتل نے کی جلوہ نمائی
مرنے پہ صفیں دھوپ میں باندھیں شہدا نے
پر کھولے ہمائے علمِ فوجِ خدا نے

اللہ رے انوارِ سپاہِ شہِ ذیشاں ذرّوں کا ہوا نرخ گراں مہر کا ارزاں
تھی بسکہ ترقی پہ تجلیٔ بیاباں بند آنکھ کیے لیتا تھا خورشید درخشاں

نظارے میں عاجز دم رفتار تھا خورشید
اندھوں کی طرح دست بہ دیوار تھا خورشید
باطل سے اِدھر جتنا تھا یہ لشکرِ حق دور   واں لشکرِ باطل سے بس اتنا ہی تھا حق دور
طلعت سے شہیدوں کے ہوا رنگِ شفق دور   باقی نہ رہا مہر کو نظارے کا مقدور
یہ نور بھرا غازیوں کا چرخِ کہن میں
جو ساغر خورشید چھلکنے لگا رَن میں
خیمے سے برآمد ہوا احمدؐ کا نواسا   مشتاقِ اجل تین شب و روز کا پیاسا
ہمشیر کو دیتے ہوئے مڑمڑ کے دلاسا   آداب بجا لایا ہر اک حق کا شناسا
مجرے کے صلے میں یہ منادی نے ندا دی
ایماں کا اضافہ کیا اور عمر گھٹا دی
ناگاہ سوار ایک اُدھر سے ہوا پیدا   مشہور کثیر ابن سحاب اشجع دنیا
تھی ابن مظاہرؓ کو عجب اُلفت مولا   شیرانہ پکارے کدھر آتا ہے ٹھہر جا
بولا وہ طرف دار بد انجام عمر کا
بہر شہ دیں لایا ہوں پیغام عمر کا
فرمایا حبیب ابنِ مظاہرؓ نے کہ اچھا   تو جا یہ سلاح اپنے یہیں کھول کے رکھ جا
وہ سامنے در پر ہے کھڑی دختر زہراؑ   ہر دم ہمیں آواز یہ دیتی ہے وہ دُکھیا
للہ مرے بھائی سے ہشیار رہو سب
زہراؑ کے کلیجے سے خبردار رہو سب
اُس نے کہا مردوں کو سلح کھولنا ہے عار   یہ بولے کہ پھر پاؤں بڑھانا بھی ہے دشوار
یوں تیغ بکف چل تو حضورِ شہِ ابرار   قبضے پہ مرا ہاتھ رہے گا دم گفتار
ڈرتے ہیں بلا سے نہ وغا سے نہ قضا سے
واقف ہیں مگر ظالموں کے مکرو دغا سے

اس نے کہا دیکھوں تو بھلا قبضہ مرا تھام یہ بولے کہ چاہوں تو ابھی چھین لوں صمصام
یہ سن کے بڑھے اکبرؑ و عباسؑ خوش انجام اک وقت یہ تھا ایک وہ تھا عصر کا ہنگام
کوئی بھی نہ تھا شمر کو جو روکتا بڑھ کر
شبیرؑ کا سر کاٹتا تھا سینے پہ چڑھ کر

حضرت نے کہا آنے بھی دو ڈر ہمیں کیا ہے آکر وہ شقی بولا عمر نے یہ کہا ہے
دیکھو تو سوئے نہر کہ کیا آب و ہوا ہے عباسؑ نے فرمایا وہ بے شرم و حیا ہے
دریا کے نظارے سے فقط بدمزگی ہے
کوثر سے یہاں مثلِ حباب آنکھ لگی ہے

وہ پھر گیا تو ایک جواں اور بھی آیا وہ کفر کی صورت تھا یہ ایمان کا آیا
زہراؑ یہ چلو سر پہ ید اللہ کا سایا اصحاب کو اپنے یہ شہؑ دیں نے سنایا
لو ذرّوں سے خورشید درخشاں نکل آیا
کُہسار سے یاقوتِ بدخشاں نکل آیا

کی عرض حبیب ابنِ مظاہرؑ نے کہ آقا یہ قیس کا فرزند ہے اور بھانجا میرا
پر اب مجھے کچھ واسطہ اس سے نہیں حاشا حضرت نے کہا لاڈلے زینبؑ کے ہیں کس جا
کہہ عونؑ و محمدؑ سے اسے لینے کو جائیں
شبیرؑ کی جانب سے دعا دینے کو جائیں

وہ بولا کہ دریافت تو کرلیں شہِؑ ابرار یہ قہر کے قابل ہے کہ رحمت کا سزاوار
شہؑ بولے ترے رشتے سے آتا ہے مجھے پیار نیکوں کے خلف نیک ہیں بدکاروں کے بدکار
آواز دی یہ بھانجے کو اس نے غضب سے
تو آگے تو ہشیار تھا غافل ہوا کب سے

او بے ادب اس وقت بھی ہے گھوڑے پہ اسوار حیدرؑ کا یہ دربار ہے احمدؐ کی یہ سرکار
یہ کون کھڑا ہے ارے کونین کا سردار سجدے میں چڑھا پشت نبیؐ پر جو کئی بار

آ آنکھوں سے سیّد کے قدم تو بھی لگا لے
شبیرؑ سے تحسین لے زہراؑ سے دعا لے

گھوڑے سے گرا پاؤں پہ سرورؑ کے وہ دیندار حضرت نے کہا پہلے بتا آنے کا اسرار
کی عرض، عمر تم سے ہے بیعت کا طلب گار شہؑ بولے کہ جا کہہ دے پذیرا نہیں زنہار
فریاد کی اُس نے سرِ انکار ہلا کر
دوزخ کو کوئی جاتا ہے فردوس میں آکر

حضرت نے کہا، کیوں نہ ہو ہے بھانجا کس کا پھر فخر کیا ابن مظاہر نے بھی کیا کیا
کہتا تھا کہ بر آئے یوں ہی سب کی تمنا گر یہ نہ ادھر آتا تو کہتی یہی دنیا
حضرت سے حبیب ابن مظاہر نے وفا کی
پر بھانجے نے آل پیمبرؐ پہ جفا کی

ناگہ متفرق ہوئے چھ لاکھ ستمگر کچھ خیمہ مولا کو بڑھے کچھ سوئے لشکر
کچھ آئے پس و پیش و چپ و راست بداختر کچھ راہ میں کچھ ناکوں پہ، کچھ نہر کے اوپر
مرکب کہیں پو یہ تو پیادے کہیں رو میں
قرنا ودف و نوبت و نقارہ جلو میں

اس بلوے سے گھبرا گیا زہراؑ کا وہ جایا محتاج تھے ایسے کہ کجاووں کو منگایا
اور خیمے کے گرد آگ سے خنداق میں جلایا کی تیغ علم جس نے نیام اُس میں گرایا
نرغے میں لیا فاطمہ زہراؑ کے خلف کو
ناری نے کہا آل پیمبرؐ کو جلا دو

پھرنے لگیں خیمے میں نبی زادیاں ششدر ان میں کوئی بیوہ تو کوئی صاحب شوہر
بن بھائی کی خواہر کوئی بن بیٹے کی مادر اک صحن میں بیہوش تھی اک خیمے کے در پر
منہ وارثوں کے خوف سے بالوں میں چھپا کے
چلاتی تھیں مقتل کی طرف ہاتھ اٹھا کے

اے حیدریو حرمتِ سادات بچاؤ سیدانیوں کے وارثو اِمداد کو آؤ
اے جعفریو خیمے سے اعدا کو ہٹاؤ اے ہاشمیو زورِ خداداد دکھاؤ
دُکھیاریاں بیچاریاں کیا گھر کی خبر لیں
عابدؑ کی خبر لیں کہ ہم اصغرؑ کی خبر لیں

نیزہ ابھی خیمے پہ کسی نے جو لگایا دروازے پہ زینبؑ تھی اسے حق نے بچایا
اُس عہد میں در پہلوئے زہراؑ پہ گرایا اب دستِ جفا دخترِ زہراؑ پہ اٹھایا
نظروں میں تباہی کا سماں پھر گیا ہے ہے
نرغے میں محمد کا پسر گھر گیا ہے ہے

توسن کو حبیب ابن مظاہرؑ نے بڑھایا اور قہرِ الٰہی کی طرح شمر پہ آیا
وہ حربہ دو دستی سرِ دشمن پہ لگایا غش آگیا بے رحم کو خولی نے اٹھایا
یہ شیر تھا گرم آتشِ صد طور کے مانند
سب لشکرِ شام اُڑ گیا کافور کے مانند

سیدانیوں سے عرض کی اعدا کو ہٹا کر لو بیٹھو نبی زادیوں اب خیمے میں جاکر
اب شمر نہ دیکھے گا ادھر آنکھ اٹھا کر کیا ناریوں کا منہ کہ جلائیں تمھیں آکر
جب تک کہ سر اپنا نہ علم ہوگا سناں پر
آنچ آئے گی تم پر نہ امامِ دوجہاں پر

زینبؑ نے کہا ہے تمھیں لوگوں کا سہارا اے ابنِ مظاہرؑ تو یگانہ ہے ہمارا
طاعت کے ادا کرنے کا وقت آیا قضارا بڑھ کر عمر سعد کو آقا نے پکارا
اب چار طرف سے تو بلا فوج کو رن میں
تا ہوئے اذاں لشکرِ سلطانِ زمن میں

ہر سمت سے لشکر کو عمر دشت میں لایا اور شاہ نے اصحاب کے لاشوں کو اٹھایا
باقی تھے جو کچھ بہر نماز ان کو بلایا اور قبلے کا رخ ابروئے زیبا سے بتایا

کہتا تھا عمر، دشمنِ حاکم شہ دیں ہے
ان سب میں نماز ایک کی مقبول نہیں ہے

وہ دھوپ، وہ صحرا، وہ امام اور وہ جماعت وہ وقتِ فضیلت وہ اذاں اور وہ اقامت
بچھے ہوئے رومال برابر پئے طاعت ایک ایک نمازی سے قوی رکن عبادت
گو پیاس سے قابو میں نہ تھی شاہ کی آواز
پر عرش پہ پہنچی سمع اللہ کی آواز

فارغ ہوئے واجب سے جو شبیرؑ کے یاور کی ابن مظاہرؓ نے گزارش یہ مکرر
باقی ابھی اک فرض ہے واجب کے برابر ہو مرضی اقدس تو بجا لائے یہ احقر
حسرت ہے کہ مر جاؤں میں شبیرؑ کے آگے
اکبرؑ نہ جواں قتل ہوں اس پیر کے آگے

مرضی مبارک کا سہارا جو میں پاؤں سیدھا سوئے جنت ابھی جاؤں ابھی جاؤں
اعدا کی کجی، پشت خمیدہ سے مٹاؤں کیا کشتوں کے پشتے میں چپ و راست لگاؤں
خاطر ہے نشاں گو کہ میں خم مثل کماں ہوں
سیدھا صفت تیر نشانے پہ رواں ہوں

حضرت نے کئی بار گلے ان کو لگایا تازی پہ بغل تھام کے غازی کو بٹھایا
اس عمر کہن میں جو نیا مرتبہ پایا خدمت کے لیے عہد جوانی بھی پھر آیا
پھر پیر فلک سامنے لڑکا نظر آیا
سب شامیو کو نور کا تڑکا نظر آیا

اب عزم ہے بالجزم کہ ان شیعوں کی خاطر کچھ ابن مظاہرؓ کی جلالت کروں ظاہر
یہ نو فلک و شش جہت و چار عناصر ہیں شاہد خوش طینتی ابن مظاہرؓ
دلِ محو خدا جان و فدا شاہ کے اوپر
سرِ عرشِ توکلتُ علی اللہ کے اوپر

کی چاہ خضر نے کہ تمام آبِ بقا لے یہ بولے کہ موجود ہیں کوثر کے پیالے
بولا فلک پیر سپر ہم کو بنالے موسیٰ نے کہا پیر ہے تو میرا عصا لے
غازی نے کہا عقدہ کشا اپنا علی ہے
تیغ اپنی سپر اپنی عصا اپنا علی ہے

اے مومنو اب غلغلہ صل علی ہو اے صاحبو آوازہ تحسین و ثنا ہو
شبیر کے فدیے کے تجمل پہ فدا ہو اس چہرہ روشن سے طلب گار ضیا ہو
تیار ہیں اعدا کی زد و گشت کے اوپر
توفیق جلو میں ہے خدا پشت کے اوپر

کیا چرخ چہارم ہے یہ پیشانیِ زیبا سجدے کا نشاں صورتِ خورشید ہے پیدا
ابرو پہ سر چشم یہ مردم کا ہے دعوا لو گرم مہِ نو نے کیا پہلوئے عیسا
اک جلوہ جو بخشیں نظر مہر اثر کا
کھودیں یرقاں مہر کا اور جرم قمر کا

تشبیہہ رخ ان دونوں پہ صادق اگر آئے گل باغ میں خورشید فلک میں نہ سمائے
اک بار طواف اس رخ انور کا جو پائے پھر شمع کو پروانہ کبھی منہ نہ لگائے
گر بیچ میں قرآں گل عارض کا دھریں ہم
قصہ گل و بلبل کا ابھی پاک کریں ہم

اللہ ری تجلی چراغ رخ زیبا یوں نور کی لو کان کی لو سے ہے ہویدا
جیسے کسی روزن سے کرن مہر کی پیدا ہر کان بنا کانِ درِ حسن و تجلا
از بس کہ ہے غل گوش ضیا بار کی ضو سے
سو چرخ نے دی کان میں انگلی مہ نو سے

اب مدِ نظر ابروؤں کے آیہ کی ہے دید اس چھوٹے سے سورے کی تلاوت میں ہے تاکید
سب صاحبِ اخلاص کہیں سورۂ توحید مردم پہ عیاں پلکوں سے دندانہ تشدید

ماتھے پہ جگہ ملنے سے شان ان کی جدا ہے
لو سورۂ اخلاص نگینے پہ کھدا ہے
جو دید اس ابرو کی کرے شور مچائے اک دیکھ کے جیسے مہ نو سب کو دکھائے
لیکن یہ سخن اہل سخن کو نہ خوش آئے عیسیٰ کی طرح اس کا سخن شہرہ فگن ہے
لو اور سنو کہتے ہیں یہ غنچہ وہاں سے
پوچھو تو بھلا غنچے میں یہ بات کہاں ہے
وہ ہیچمداں ہے جو کہے ہیچ دہن ہے کہتے ہیں اسے ہیچ اور اس میں بھی سخن ہے
جان اس کی فصاحت یہ فصاحت کا بدن ہے عیسیٰ کی طرح اس کا سخن شہرہ فگن ہے
لو اور سنو کہتے ہیں یہ غنچہ دہاں ہے
پوچھو تو بھلا غنچے میں یہ بات کہاں ہے
اب خضر زباں چشمۂ حیواں میں جو ہو پاک تو ہو صفتِ نطقِ حبیبِ شہ لولاک
یاں ناطقہ بھولا ہے کلیم اللہؑ ادراک دعویٰ فصحا ان سے بلاغت کا کریں خاک
جس پر ہے یقیں خط شعاعی کا جہاں کو
خورشید کے تالو سے یہ کھینچا ہے زباں کو
یوں ریش کی ہے شان حضور رخ تاباں جس طرح پڑھے شمع کے آگے کوئی قرآں
اور سینہ بے کینہ ہے گنجینۂ ایماں گنجینۂ ایماں ہے ولائے شہؑ مرداں
ہاتھوں میں ہے کونین کی دولت تو بجا ہے
ان ہاتھوں میں دامانِ امام دوسرا ہے
دیکھو کوئی اعضا کے تناسب کو خدارا صانع نے عجب گلشن ترکیب سنوارا
بنتے ہی یہ قالب سوئے شبیرؑ پکارا القلب علی بابک لیلاً و نہارا
یہ قد جو سراپا قلم راست رقم ہے
تو بیچ میں یہ موئے میاں بال قلم ہے

رخ حسن میں یوسف ہے تو قد رنج میں یعقوب نقطہ ہے دہن اور الف قد خوش اسلوب
اس ایک سے دس قد کی بزرگی ہوئی کیا خوب نقطہ جو الف پر ہو تو دس ہوتے ہیں محبوب
دن رات ہے تحصیل سعادت میں یہ قامت
قامت کی طرح سے ہے عبادت میں یہ قامت

گو اوج پہ ہے پایہ خود سرِ پُرنور یہ مسکن عنقائے شجاعت ہے سر طور
سب میں جو خط مغربی چرخ ہے مشہور ہے آپ کے نیزے کی ثناخوں سے مسطور
کیا نیزے پہ پھل نیزے کا معمور ہے ضو سے
لو صاحبو لو نکلی ہے شمع مہ نو سے

اور ابرِ سپر سایہ جہاں ڈالے زمیں چمکے نہ وہاں تیغ شعاع شہ خاور
قبروں پہ جو ہو عکس فگن تیغ دلاور پھر حشر کو مردوں کے بدن پر نہ ملے سر
دریا پہ عمارت ہو تو گر پڑنے کا ڈر ہے
اس تیغ کے پانی پہ مگر فتح کا گھر ہے

تعریف کماں میں مگر اب حوصلہ ہے تنگ رن میں ہے ضیا کا ہکشاں کی کئی فرسنگ
اعدا کو ہے عقرب کا دہن ترکش خوش رنگ کیا زہر اُگلتا ہے یہ تیروں سے دم جنگ
بجلی سے تگ و تاز میں ممتاز ہے گھوڑا
جانباز ہے راکب تو قدمِ باز ہے گھوڑا

رہوار کے آگے کوئی جادو نہیں چلتا سائے کے برابر کوئی آہو نہیں چلتا
ساتھ اس کے فلک وقت تگا پو نہیں چلتا اس چال سے صرصر کا بھی قابو نہیں چلتا
اطفال سبق اپنا رواں پڑھ نہیں سکتے
آگے قدم عمر رواں بڑھ نہیں سکتے

غازی نے عناں روک کے ہر اک پہ نظر کی پڑھ پڑھ کے رجز خشک زباں شکر سے تر کی
فرمایا مبارک ہو جدائی تن و سر کی ہے دھاک شجاعوں میں مرے جد و پدر کی

میں یاد دوِ زورِ شجاعانِ سلف ہوں
بچپن کا غلامِ پسرِ شاہ نجف ہوں
اس کعبے کا حاجی ہو گراتے ہو جسے تم　　اس آئے کا حافظ ہوں مٹاتے ہو جسے تم
اس چاند کا ہالا ہوں چھپاتے ہو جسے تم　　اس کلمہ کا شاہد ہوں بھلاتے ہو جسے تم
اس گل کا میں بلبل ہوں جسے خوں میں بھروگے
اس شمع کا پروانہ ہوں گل جس کو کروگے

اب فاطمۂ زہراؑ کو تو مرقد سے نکالا　　کچھ سنتے ہو مقتل میں کھڑی کرتی ہیں نالا
اس تیسرے فاقے میں بھی خوش ہیں شہ والا　　پر مرتا ہے بانو کا پسر ہنسلیوں والا
سیدانیوں کو پاس سے جھولے کے ہٹادو
پانی تمھیں جاکر علی اصغر کو پلا دو

اعدا نے کہا خوب یہ ذلت ہم اٹھائیں　　جائیں وہاں اور پانی بھی اصغر کو پلائیں
گر کہہ دو تو سر کاٹ کے ننھا سے لے آئیں　　اور سامنے شبیرؑ کے نیزے پہ چڑھائیں
دیکھو تو سہی وقت اب آتا ہے غضب کا
ہم تیسرے فاقے میں گلا کاٹیں گے سب کا

شبیرؑ نے پیری میں تمھیں مرنے کو بھیجا　　اکبرؑ کی جوانی پہ دُکھا اُن کا کلیجا
کیا پیر کا سر کاٹنا تشریف تو لے جا　　غصے سے کہا شیر نے کیا بکتے ہو بیجا
کمزور سہی خیر میں پیری کے سبب سے
شبیرؑ مرا پیر زبردست ہے سب سے

واللہ نہ تم لاکھ جواں اور نہ میں اک پیر　　میں جمعہ ہوں نیکی میں نحوست میں ہو تم پیر
تم لوگ مرید زر و جاگیر ہو بے پیر　　میں قائلِ حق معتقد حضرت شبیرؑ
ہر پیرو جواں صاحبِ توقیر ہے ان کا
نو پشت کا خادم فلک پیر ہے ان کا

وہ پیر ہوں میں تیغ و سناں جس کا عصا ہے ہے خضر بھی تو پیر ہی پر مرتبہ کیا ہے
شمشیر پہ یہ پیر غلام آج فدا ہے پیروں سے تمھیں شرم نہیں حق کو حیا ہے
پیری ہے وہ دولت کہ کفن زیبِ بدن ہے
ہر موئے سفید اپنے لیے تارِ کفن ہے

قد خم ہو تو ہو عقل تو کج میری نہیں ہے اس وجہ سے مائل مرا سر سوئے زمیں ہے
پوشیدہ زمیں میں بنی عرش نشیں ہے جھکنے ہی سے روشن بخدا نام نگیں ہے
غافل کو اشارا ہے کہ محکوم خدا ہو
ملنا ہے اسے خاک میں باطل سے جدا ہو

جھکنا شرفا کا ہے تقاضائے شرافت جھکنے ہی سے افلاک کو حاصل ہوئی رفعت
خم ہونے سے محراب بنی جائے عبادت شاہد ہے رکوع اس پہ کہ جھکنا ہے اطاعت
ڈرتے نہیں تم قد خمیدہ سے عجب ہے
جو تیغ کہ خمدار ہے کاٹ اس کا غضب ہے

ٹیڑھے ہوئے سن کر سخن راست وہ کج باز سیدھے کیے نیزے سوئے غازی خوش آغاز
شاخوں سے کمانوں کے اڑتے تیروں کے شہباز اور یاں ملک الموت نے کھولے پر پرواز
گھوڑے نے کیے کان کھڑے باجوں کے غل سے
آب دم شمشیر بڑھا میان کے پل سے

دامانِ قبا شاہؑ کے یاور نے سنبھالے دو صاعقۂ برقِ اجل فوج پہ ڈالے
اک تیغ اور اک رخش ہنر جن کے نرالے پھر صف کی صفائی تھی تو پرزے تھے رسالے
ارشاد کیا تیغ سے ایک ایک کو دو کر
توسن سے کہا ہاں سر کفار پہ ٹھوکر

شمشیر تلی قتل پہ بیداد گروں کے کیا حصے برابر کیے ان بد گہروں کے
اک بال کا تھا فرق نہ ٹکڑوں میں سروں کے مرکب نے پراگندہ کیے ہوش پروں کے

مدت سے یہ تھا دانت لعینوں پہ لگائے
ابرو کی طرح نعل جبینوں پہ لگائے

یہ صاعقہ ہر فرق پہ جو شعلہ فشاں تھا — جاں سوختہ تن تھی تو بدن سوختہ جاں تھا
ہر تن پہ بُنِ مو کا فقط وہم و گماں تھا — وہ مو نہ تھے رگ رگ سے نمودار دھواں تھا
بجلی جو گری تیغ کی اندامِ عدو پر
دوزخ بھی بہت گرم ہوا روحوں کے اوپر

تھا ضرب کے عالم میں عجب حسن کا عالم — اک سمت خم تیغ کا وہ بل وہ چم و خم
اور ایک طرف آپ کا وہ قامت پُرخم — ہر موئے بدن جوہرِ شمشیر کا ہمدم
جس صف پہ جھکے تیغ برابر نظر آئی
کرار کی شمشیرِ دو پیکر نظر آئی

تیار کس آہن سے یہ شمشیر ہوئی ہے — اعجاز نما الفت شبیرؑ ہوئی ہے
کیا جنگ میں سیدھی کمر پیر ہوئی ہے — اللہ کی قدرت سے کماں تیر ہوئی ہے
اس طنطنے سے پیروں کے تنتے نہیں دیکھا
نیزہ کسی تلوار کو بنتے نہیں دیکھا

تھے مثل قلم قابلِ گردن زدن اعدا — یعنی وہ سیہ کار تھے سب طالب دنیا
سوخت ان کو کیا تیغ کے شعلے نے سراپا — لبریز دھوئیں سے ہوا پھر سینۂ صحرا
لکھا نہ گیا کچھ بھی سیاہیٔ قلم سے
معذور ہوئے کاتبِ اعمال رقم سے

یا پنجتن پاک کا نعرہ تھا ہر اک بار — روباہ کیے چار سو اس شیر نے فی النار
مجروحوں کو پوچھو تو شمار ان کا ہے بیکار — باقی جو رہے خوف سے مردہ تھے وہ کفار
مس جس کو کیا تیغ نے افواج عدو میں
غسلِ مس میت کیا زخموں کے لہو میں

اک زندہ نہ تھا مردہ تھے سب تیغ کے ڈر سے — مردہ تھے تو پھر دور تھے کیوں قعر سقر سے
ہاں روحیں پھری آتی تھیں جا جا کے ادھر سے — ان کو بھی یہ شمشیر جلاتی تھی شرر سے
کثرت سے جو مردے در دوزخ پہ پڑے تھے
جانے کی نہ تھی راہ عدو رن میں کھڑے تھے

اتنے میں کماندار بڑھے گوشوں سے اُس آن — جاسوسِ خدنگ ان کا اڑا چھوڑ کے میداں
جوشن تھے ہزار آنکھ سے گو ان کے نگہباں — پر دیکھ کے اس تیر کی آمد ہوئے حیراں
ہر بند کو کھولا بھی لیا نقدِ بقا بھی
جنبش نہ ہوئی تن کو یہ آیا بھی گیا بھی

یہ دیکھ کے سب برچھیوں والے بڑھے اک بار — اور آپ نے بھی نیزے کو دی گردشِ پرکار
بڑھ کر صف اول کے جو سینے پہ کیا وار — فوراً صفِ آخر کے ہوا پشت سے وہ پار
اور پشت پہ مارا تو سناں برمحل آئی
بوڑی صفت ناف شکم سے نکل آئی

ہر حملے میں تھا ابن مظاہر کا یہ عنواں — شمشیر بکف آتے تھے پیش شہ ذیشاں
سب زخم دکھا کر انھیں کہتے تھے میں قرباں — آقا مرے راضی ہوئے فرماتے تھے وہ ہاں
پر سنتے تھے حیدرؑ کی صدا یاں سے پلٹ کر
ہم کو نہیں خوش کرتے ہو سینے سے لپٹ کر

تھی بارِ سوئم آہ کہ رن کو جو سدھارے — برچھی لگی گھوڑے سے گرے ضعف کے مارے
دیراں کے جو آنے میں ہوئی شہ یہ پکارے — عباسؑ حبیب ابن مظاہر گئے مارے
دیکھو ادھر آتا ہے کہ لڑتا ہے وہ غازی
یا ایڑیاں مقتل میں رگڑتا ہے وہ غازی

ڈیوڑھی سے پیمبرؐ کی نواسی نے پکارا — میں غش میں تھی جو کہہ گیا بابا یہ تمھارا
اعدا نے مرے لعل کے غمخوار کو مارا — اے بھائی رفیق آپ کا دنیا سے سدھارا

خون آپ کے بچپن کے مصاحب کا بہا ہے
دم بھرتا تھا جو شہ کا وہ دم توڑ رہا ہے
سر پیٹ کے حضرت نے کیا چاک گریباں سیدانیاں تھیں در پہ کہا ان سے یہ اُس آں
کیوں فاطمہ کی بیٹیو کچھ کرتی ہو احساں احسان یہی ہے کہ عزا کا کرو ساماں
فدیہ مرا بیکس ہے اور آوارہ وطن ہے
یاں اس کی نہ بیٹی ہے نہ ماں ہے نہ بہن ہے
عباسؑ نے یہ سن کے کیا چاک گریباں اور گیسوئے مشکیں کیے اکبر نے پریشاں
یہ قافلہ ماتم کا گیا لے کے وہ سلطاں پرلاش پہ کب آئے کہ جب ہونٹوں پہ تھی جاں
اشک آنکھوں سے جاری ہوئے اور آہ جگر سے
غمخوار سے یوں لپٹے پدر جیسے پسر سے
ملتے تھے دہن سے دہن اور کہتے تھے بولو اے میرے اویس قرنی آنکھ تو کھولو
دم توڑیو پھر ہم سے بغل گیر تو ہولو رخصت کرو باہیں گلے میں ڈال کے رولو
آخر ہمیں صدمہ دیا دوری کے الم سے
بچپن میں اسی واسطے تم کھیلے تھے ہم سے
لکھا ہے کہ پہنچی یہ صدا کان میں جس آں بے ساختہ بولے میں اس آواز کے قرباں
مولا درِ دولت کی زیارت کا ہے ارماں لے چلیے کہ مشکل مری ہوگی وہیں آساں
حسرت ہے کہ رخصت ہوں میں ناموسِ نبیؐ سے
کچھ بیٹے کے حق میں بھی کہوں بنت علیؑ سے
تب شاہ نے آغوش میں لاشے کو اٹھایا عباسؑ دلاور نے علم کا کیا سایا
وہ بولا کہ بس چین بہت گود میں پایا شہؑ نے کہا بھائی مرا حیدرؑ کا ہے جایا
عزت نہ کریں تیری تو کیا خلق کہے گی
وہ لاش ہماری ہے کہ بے سایہ رہے گی

لاش اس کی درِ خیمہ پہ لاکر جو لٹائی   ہمشکل پیمبرؐ نے عبا اپنی بچھائی
اجلی سی ردا لاش پہ زینبؑ نے اڑھائی   اک حشر تھا جو بولے شہ کرب و بلائی
سیدانیوں روؤ نہ ابھی اس کے قلق میں
کچھ کہنا ہے زینبؑ سے اسے بیٹے کے حق میں

زینبؑ نے کہا کس کے بھروسے پہ سنوں آہ   تم مرگ پہ تیار میں تشویش میں یاشاہ
بولا یہ حبیب آپؑ کی ہمت سے ہوں آگاہ   بیٹے کی یتیمی کا مجھے غم نہیں واللہ
فاقہ مرے بعد اس پہ ہو یا رنج و بلا ہو
یہ سب ہو مگر دوستی آلِ عبا ہو

آقا کو مرے آج سر اپنا ہے کٹانا   سر ننگے ضرور آپ کو کوفے میں ہے جانا
رستے میں کہیں واں مرے بیٹے جو پانا   جس نیزے پر سر شہ کا ہو گرد اس کے پھرانا
او رکھیو کہ بابا یہ ترا کہہ کے موا ہے
وہ کیجیو جو باپ سے مقتل میں ہوا ہے

پھر پڑھنے لگا کلمۂ طیب وہ نمازی   بخشا ارم اللہ نے کی بندہ نوازی
رو رو کے بیاں کرنے لگے شاہِ حجازی   ہے ہے مرا زاہد مرا عابد مرا غازی
ایسے بھی وفا دار نہ ہوں گے نہ ہوئے ہیں
جن سے مرے جینے کا مزا تھا وہ موئے ہیں

ہے ہے مرا غمخوار حبیب ابن مظاہرؒ   سیّد کا طرفدار حبیب ابن مظاہرؒ
بچپن کا مرا یار حبیب ابن مظاہرؒ   بیکس کا مددگار حبیب ابن مظاہرؒ
واللہ یہ اک شیر تھا شیرانِ خدا سے
آفت میں بچاتا تھا ہمیں اہلِ جفا سے

لکھا ہے کہ فارغ ہوئے روزے سے جو سرور   لاشے کو رکھا لا کے شہیدوں کے برابر
تھا لشکرِ ظالم میں حصین ایک ستمگر   اس لاشۂ بے جاں کا قلم اس نے کیا سر

اور منتظر وقت وہ ظالم رہا رَن میں
یاں تک کہ جدائی ہوئی شہ کے سر و تن میں
سر کٹتے ہی لٹنے لگی شبیرؑ کی سرکار   لکھا ہے لٹی چار گھڑی عترت اطہار
امداد کرے کون نہ اکبرؑ نہ علمدار   سر ننگے سراچوں سے نکل آئے سب اکبار
نیزوں پہ رکھے ظالموں نے سر شہدا کے
کوفے کو چلے بیوؤں کو اونٹوں پہ بٹھا کے
وہ ابن مظاہر کا عدو بھی ہوا ہمراہ   پر گردنِ رہوار میں باندھا تھا وہ سر آہ
کوفے میں ہوا داخلہ سادات کا ناگاہ   اور آئے محلے میں یمن کے حرم شاہ
انبوہ تھے ہر سمت عرب اور عجم کے
رک جاتے تھے ایک ایک قدم اونٹ حرم کے
اک غول میں کیا دیکھتی ہے زینبؑ نالاں   اک طفل ہے پھاڑے ہوئے کرتے کا گریباں
روتا ہے یتیموں کی طرح باسرِ عریاں   کچھ ڈھونڈتا پھرتا ہے ہر اک سمت وہ ناداں
جو پوچھتا ہے چہرے پہ کیوں خاک ملی ہے
کہتا ہے چھری حلق پہ سیّد کے چلی ہے
بابا بھی مرے پاس تھے آقا کے سدھارے   کیا جانے بچے یا گئے کوثر کے کنارے
اماں کے سوا کوئی نہیں سر پہ ہمارے   زینبؑ نے ندا دی کوئی اس پر مجھے وارے
مظلوم کا بیکس کا مسافر کا پسر ہے
لوگو یہ حبیب ابن مظاہر کا پسر ہے
مقتل میں وہاں ابنِ مظاہر کا ہے لاشا   یاں پوچھتا پھرتا ہے خبر باپ کی بیٹا
کیوں لوگو اگر قید نہ کرلیں اسے اعدا   بن باپ کے بچے کو میں دوں باپ کا پُرسا
حیدرؑ کی ضمانت اسے ڈر مجھ کو بڑا ہے
یہ روتا ہے شبیرؑ کو اور شمر کھڑا ہے

ناگاہ کٹے سر ہوئے پیاسوں کے نمودار　　ساتھ ان کے حسین ایک طرف گھوڑے پہ اسوار
سر ابن مظاہر کا تھا اور گردن رہوار　　ناقے پہ تڑپنے لگی پھر زینبؑ ناچار
چلائی کہ توفیق کسی کو یہ خدا دے
ہے ہے کوئی اس بچے کو اس وقت ہٹا دے

اس بچے نے سر ابن مظاہرؓ کا جو دیکھا　　پہلے تو کہا دوڑ کے ہے ہے مرے بابا
پر راہ میں گر گر کے وہ سر ٹکڑے تھا ایسا　　نزدیک جو آیا تو بہت شک اُسے گزرا
جھک جھک کے لگا دیکھنے وہ سر کو پدر کے
بالائے زمیں آنسو ٹپکنے لگے سر کے

رو کر کہا اے سر مجھے نام اپنا بتا تو　　کیوں پُتلیاں آنکھوں کی تری پھرتی ہیں ہر سو
روتا ہے کھلے دیکھ کے ان بیبوں کے گیسو　　یا میری یتیمی پہ بہاتا ہے تو آنسو
بیجا ہے نہ رونا نہ تڑپنا مرے جی کا
تو سر مرے بابا کا ہے یا اور کسی کا

اے سر تجھے کیوں گردنِ رہوار میں باندھا　　کیا نیزے کے قابل بھی نہ سمجھے تجھے اعدا
شبیرؑ کا سر ہو تو بجا لاؤں میں مجرا　　زینبؑ نے ندا دی کہیں مُردہ بھی ہے بولا
وہ نیزے پہ اسوار سکینہؑ کا پدر ہے
بن باپ کے بچے یہ ترے باپ کا سر کا

نیزے کی سواری جو نہ پائی تو نہ پائی　　ممتاز تہ عرش ہیں حضرت کے فدائی
چلتی ترے گھر پرسے کو میں غم کی ستائی　　پر جاتی ہوں بندی میں پیمبرؐ کی دہائی
جیتی ہوئی گر شام سے یاں آؤں گی پیارے
رنڈ سالہ تری ماں کو میں پہناؤں گی پیارے

یہ سنتے ہی خوں آنکھوں میں اس کے اتر آیا　　اک سنگ اٹھا کر سر ظالم پہ لگایا
اور باپ کا سر کھول کے کُرتے میں چھپایا　　عابدؑ کو سکینہؑ نے مچل کر یہ سنایا

مجھ کو بھی یونہیں قبلہ و کعبہ سے ملادو
اچھے مرے بھیا ہمیں سر باپ کا لادو

ہم کوئی نہیں غیر سرِ شہ کے ہیں مختار ہر بار چڑھاتے ہیں اسے نیزوں پہ خونخوار
کیا شاد ہے سر باپ کا لے کر یہ خوش اطوار ہم دیکھ بھی سکتے نہیں ایسے ہیں گنہگار
یا تو مجھے ظالم سر شاہ شہدا دے
یا میرا بھی سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھا دے

ناگاہ سر اس بچے سے لینے لگے بد ذات زلفوں کو کوئی کھینچتا تھا اور کوئی ہات
مچھلی کی طرح لوٹتا پھرتا تھا وہ ہیہات اور بہر کمک دیکھتا تھا جانب سادات
کاہے کو یہ ایذائیں غریبوں نے سہی تھیں
اونٹوں پہ بندھے ہاتھوں سے سر پیٹ رہی تھیں

○

○

افسوس مری قدر نہ جاہل سمجھے
سمجھایا تو نقطۂ مقابل سمجھے
معنی ہیں یہی نزاع لفظی کے دبیر
خاموش جو ہم ہوئے تو قائل سمجھے

○

ہے رزم و سراپا تو زباں اور ہی ہے
اور بین کے مابین بیاں اور ہی ہے
کس درجہ بلند ہے تری فکر دبیر
کہتی ہے زمیں یہ آسماں اور ہی ہے

سلام

ہے عکسِ گیسوئے رخِ اکبرؑ کہاں کہاں — سنبل کہاں کہاں ہے گلِ تر کہاں کہاں

کوفے میں کربلا میں بقیعی میں طوس میں — مدفون ہوئے بتولؑ کے دلبر کہاں کہاں

گلزار میں جناں میں ختن میں تتار میں — پھیلی ہے نگہتِ گلِ حیدرؑ کہاں کہاں

گل میں شفق میں لعل میں خورشیدِ صبح میں — ہے رنگِ خونِ کشتۂ خنجر کہاں کہاں

صفین میں جمل میں اُحد میں تبوک میں — تنہا لڑے ہیں فاتحِ خیبرؑ کہاں کہاں

خورشید میں فجر میں ستاروں میں برق میں — ہے نورِ آفتابِ پیمبرؐ کہاں کہاں

تنور میں شجر میں خزانے میں طشت میں — تھا ایک مصحفِ سرِ سرورؑ کہاں کہاں

فرقِ عدو میں سینے میں جوشن میں زین میں — در آئی ذوالفقار دو پیکر کہاں کہاں

بغداد میں عراق میں خیبرؑ میں شام میں — تھے جمع قتلِ شہؑ کو ستم گر کہاں کہاں

یثرب میں نینوا میں یمن میں مدینہ میں — تھا قتلِ شہؑ کا شیون و محشر کہاں کہاں

دنیا میں آخرت میں سقر میں بہشت میں — ہے اختیارِ حیدرِؑ صفدر کہاں کہاں

دربار میں خرابے میں جنگل میں شہر میں — دردا گئی حسینؑ کی خواہر کہاں کہاں

بستی میں جنگلوں میں ترائی میں کوہ میں — شہؑ کو لیے پھرا ہے مقدر کہاں کہاں

دریا میں قتل گہ میں نیساں میں چاہ میں — حضرت نے ڈھونڈا لاشۂ اکبرؑ کہاں کہاں

مقتل میں خیمہ گاہ میں زنداں میں راہ میں — روئے پدر کو عابدِؑ مضطر کہاں کہاں

کوچوں میں اور دھوپ میں شہروں میں دشت میں — مسلم کا کھینچا لاشۂ بے سر کہاں کہاں

غربت میں گھر میں قبر میں محشر میں اے دبیر
آئے مدد کو ساقیِ کوثر کہاں کہاں

معراج سخن کو ہے مرے ذہنِ رسا سے

معراج سخن کو ہے مرے ذہن رسا سے ہے ذہن رسا اوج پہ اکبرؑ کی ثنا سے
اکبرؑ کی ثنا کرتا ہوں افضال خدا سے افضالِ خدا ہے مددِ خیر ورا سے
جب ہو مددِ خیر ورا ذہن رسا پر
پھر ذہن رسا کا ہو گزر عرش علا پر

پستی سے مرا ذہن سوئے اوج ہے سیاح ہمراہ کواکب ہیں لیے ہاتھ میں مصباح
خامہ ہے مرا قفل در عرش کی مفتاح جبریل جو بتلاتے ہیں سو لکھتا ہے مداح
جو نقطہ ہے سو عینک چشمانِ یقیں ہے
بیکار یہ عینک ہے اگر چشم نہیں ہے

میں ذرہ ہوں الاّ یہ ہے فیاض کی سرکار یاں دانے کو خرمن ملے اور کاہ کو کوہسار
قطرے کو گہر ذرے کو زر خار کو گلزار اک مور یہاں ملک سلیماں کی ہو مختار
دیکھو کوئی تصویر پیمبر کی ضیا کو
حاصل یدِ بیضا ہے یہاں دست گدا کو

ممدوح کی نسبت سے مجھے فخر بجا ہے ممدوح مرا فخرِ دہِ ارض و سما ہے
ہمشکل نبیؐ جان علیؑ نورِ خدا ہے ہے اس قدر افضل کہ شہادت کو قضا ہے
دیوانِ ازل کے لیے مطلع نسب اس کا
عنوانِ ابد کے لیے طغرا لقب اس کا

اشراق اسے کہتے ہیں آیا مجھے باور جبریلِ امیں سدرہ پہ میں روئے زمیں پر
اور علم نہاں دل پہ ہویدا ہیں سراسر یہ وصف ہے اکبرؑ کا دیا نعتِ پیمبرؐ

سر کو عوضِ خامۂ مدحت میں دھروں گا
شرعِ کہن ناطقہ منسوخ کروں گا
کھینچوں خط بطلاں سر نقاشی مانی بہزاد کو کردوں خجل ہیچمدانی
دکھلاؤں جو شہزادے کی تصویر جوانی اول ہی نظر میں کہیں سب احمد ثانی
اکبرؑ کی جوانی کے جو عالم کا بیاں ہو
پھر از سرِ نو عالم پیر آج جواں ہو
یہ صورتِ پیغمبرِ قوسینِ مکاں ہے حقا کہ فلک پیر کا یہ بختِ جواں ہے
شاہنشہ ملکِ شرف و شوکت و شاں ہے کعبہ رہ اکبرؑ کی طرف سنگِ نشاں ہے
حق اس کی طرف ہے یہ جواں جس کی طرف ہے
قبلہ صفت قبلہ نما اس کی طرف ہے
اللہ رے جمالِ رقم چہرۂ اکبرؑ خامہ ہے زمیں بوسی قرطاس میں یکسر
موجود ہے خورشید لیے ہاتھ میں مجمر تا چہرے پہ اسپند کرے دانہ اختر
اغلب ہے کہ بیتاب ہو اس رخ کی چمک سے
آئینہ مہتاب گرے دستِ فلک سے
جانِ بدنِ قدرتِ کامل ہے یہ تصویر یوسف فقط اک خواب تھا یہ اس کی ہے تعبیر
حسن اس کا سلیماں کے لیے آیہ تسخیر عشق کس کا حسینوں کے لیے طوق گلوگیر
نظارے کی موسیٰ کو دلیری نہیں ہوتی
باتیں وہ ہیں داؤد کو سیری نہیں ہوتی
رخ بیّنۂ صدق کرامات پیمبر یا شمع درخشندۂ طاقِ دلِ حیدرؑ
پروانہ پرِ سوختہ جس کا شہ خاور فانوسِ خیال دوسرا جس سے منور
یہ ہالہ مہِ لالۂ رخسار اگر ہو
اک دن میں تو خورشید ہو اک شب میں قمر ہو

معراج پیمبرؐ کی تو روشن ہے حقیقت یاں دیکھو یہ عرشِ جبیں چشم کی زینت
اترا ہے نبی کے لیے یہ کاسۂ نعمت ہم صحبت وہم کاسہ ہیں معبود سے حضرت
اس کاسے میں رتبہ ہے یہ پلکوں کی ثنا کا
اک ہاتھ نبیؐ کا ہے اور اک ہاتھ خدا کا

اب مومنوں کو عالم بالا کی خبر دوں حل عقدہ مدحِ سرِ اقدس ابھی کردوں
گردوں کو میں نسبت سرِ پُرنور سے کردوں یہ عرش ہو اور عرش بنے رشک سے گردوں
اک قامتِ احمدؐ ہے اسے فوق جہاں پر
خورشید سے اک نیزہ سوا ہوگا سناں پر

پتلی سے عیاں نور پیمبرؐ کا ہے آداب تعظیم کو سنگ سیہ کعبہ ہے بیتاب
ہے شہرہ محرابِ خم ابروئے نایاب کیوں کعبہ ومسجد میں نہ چھپتی پھرے محراب
گردش خم ابرو کو ہے چشم دوسرا میں
جس طرح سے محراب پھرے قبلہ نما میں

کیوں مدنظر چشم کو گردش ہے ہر اک بار پہلو کو بدلتے ہیں مگر مردم بیمار
ابرو کے قرینے سے کھلا چشم کا اسرار ہے نور کے گہوارے میں عیسیِ خوش اطوار
یاں پنجۂ مریم کہو پنجے کو پلک کے
گہوارے میں عیسیٰ کو سلاتے ہیں تھپک کے

یہ دیدۂ روشن ہیں کہ بختِ شہؐ ابرار مثل مہ و خورشید شب و روز ہیں بیدار
قرآن سدا آگے ہے مثل خط رخسار نے خواب کے طالب ہیں نہ راحت کے طلبگار
گو سیر بہت عالم اسباب میں دیکھی
یہ چشم نہ مردم نے کبھی خواب میں دیکھی

عارض کے برابر ہے عجب زلف کی توقیر ہے روز کے پہلو میں شبِ قدر کی تصویر
سنتے ہو جو تم سورۂ قدر اس کی ہے تفسیر زینبؑ کے لیے خواب پریشاں کی ہے تعبیر

قیمت شکن مشکِ ختن پیچ و شکن ہیں
اک اک شکنِ زلف میں سو شہر ختن ہیں

خال رخِ اقدس کو کہیں دیکھ کے دانا — یہ خرمن حسن علی اکبرؑ کا ہے دانا
اور زلفِ رسا زلفِ شفاعت کا ہے شانا — سلجھایا ہے وہ کام کہ ممنوں ہے زمانا
رتبہ سنو اُس زلف کا نیزے کی زباں سے
باندھی گئی امت کے لیے چوب سناں سے

گو غنچہ ہے گوش پسر سیّد خوش خو — قربِ ختن زلف سے پر نافے کی ہے بو
اور حلقۂ گیسو کہ ہے اک نافۂ آہو — ہے کان کی نکہت سے رگِ غنچہ ہر اک مو
نافے کا شرف غنچے کو کاکل نے دیا ہے
اور گوش کے نافے کو یہاں غنچہ کیا ہے

خط حسن کی خاطر ہے خزاں کا خطِ فرماں — یاں حلقۂ خط حسن کو ہے چشم نگہباں
صرصر سے ہے ایمن یہ چراغِ رخ تاباں — عارض کو کیا خط نے چراغِ تہ داماں
گلشن ہے غلط اور غلط ابر بہاری
رخ باغ بہاری ہے یہ خط ابر بہاری

بلبل لبِ جاں بخش کو گر غنچہ بتائے — تو غنچہ ابھی مصحفِ گل سر پہ اٹھائے
سو طرح کے انکار خموشی میں سنائے — عارض کو جو دیکھے رخِ گل پر عرق آئے
داغ دل لالہ نہ کوئی سمجھا کہ کیا ہے
محضر رخ اکبرؑ کی غلامی کا لکھا ہے

لب زندہ کُنِ مردہ اعجاز مسیحا — عیسیٰ کہیں روحی بفداک اس کو ہمیشہ
ہے سبزہ خط پشت لب پاک پہ گویا — ہاں خضر و مسیحا کی زیارت کرد اک جا
اکبر کی زباں مخبر صادق کی زباں ہے
ماینطق شاہد ہے کہ وحی اس کا بیاں ہے

تعویذ گلو اس کا گلو ہے پئے دنیا ہے مخزن عرفانِ خدا سینۂ زیبا
صندوقِ فلک سینہ پئے معرفت اس جا ہیں یادِ الٰہی میں شب و روز سب اعضا
گو یاد فراموش کسی نے نہیں کی ہے
پر یاد دہی کو بھی گرہ ناف نے دی ہے

اب فکر ہے مداح ہے لاغر صفت مو عاجز ہے خرد موئے کمر ڈھونڈھ کے ہر سو
کہتی ہے نہ کر بندش مضمونِ کمر تو ہو بال تو ہاتھ آئے گرہ کا بھی ہو قابو
ایجاد نہ شاعر کا نہ یہ اہل خبر کا
مضمون کمر بند نے باندھا ہے کمر کا

حالِ دہن و موئے کمر ہوگیا حالی ان دونوں حدیثوں میں ہے مضمون خیالی
اک نقطہ ادراک مو کی جگہ چھوڑدوں خالی اعجاز مجسّم ہے یہ ابن شہؐ عالی
حرفے زدہانش بمیانست و میاں نیست
رازے زمیانش بمیانست و میاں نیست

نقشِ کفِ پا رتبے میں محرابِ عبادت انگشت سے شمع حرم انگشت ندامت
ہر پا سے عیاں پائے محمدؐ کی جلالت نعلین سے پیدا ہے ہلالین کی طلعت
نعلین سے یہ پاے منور جو نکالے
تو جیب میں موسیٰ یدِ بیضا کو چھپالے

اور مصرع انگشتِ قدم شمعِ رہِ راست ہیں کعبہ ایماں کے ستوں پائے چپ و راست
ناخن کی نشست ان پر مہ نو کی ہے برخاست ناخن ہے وہ یا بدر ہے یہ غیر کم و کاست
مصرع پہ مہ نو کے یقیں ہے شعرا کا
مضمون تراشا ہوا ہے ناخنِ پا کا

رشکِ علم صبح نجف آپ کا قد ہے احسان رسائی شہ لولاک کا مد ہے
کونین پہ یہ سایہ فگن تا بہ ابد ہے یہ مشرقِ مہرِ کرمِ ربِ صمد ہے

طوبیٰ قدِ بالا نے محبوں کو دیا ہے
یہ بخشش بالائی، شفاعت کے سوا ہے

موزونی قد پر چمن آرا جو کرے غور یوں سرو کو گلشن سے نکالے ابھی فی الفور
دیواں سے جدا مصرع مہمل کریں جس طرح جز سایہ قدسا یہ خوش آئے نہ کوئی اور
جلوے اسی اب قد کے ہیں باغ دوجہاں میں
سدرہ نہ فلک پر ہے نہ طوبا ہے جناں میں

خودِ سرِ اکبرؑ کی جو دوں لکھ کے میں تصویر مصحف کی طرح سر پہ اٹھالے فلکِ پیر
سر سے ہوئی مغفر کی بلند اور بھی توقیر گردوں کہاں ہے عرش پہ خورشید کی جاگیر
مغفر سرِ ہمشکل رسولِ عربی پر
ہے ابر کرم سایہ فگن فرق نبیؐ پر

ہمدم دم عیسیٰ ہے دمِ تیغِ دو دم کا کہتے ہیں خضر جس کو شہید ابن کا ہے گویا
صورت میں تو یہ موج ہے معنی میں ہے دریا لب کامِ نہنگ اس کا ہے بہرِ تنِ اعدا
تر ہو جو زباں میری بھی برش کے بیاں سے
رخنے ابھی دنداں میں پڑیں تیغ زباں سے

ہیں ظاہر و باطن دو نیام اس کو مہیّا اک نیام تو چوبی ہے کہ اصل اس کی ہے طوبا
اک تازہ نیام اس کا یہ جوہر ہیں سراپا گر نیام یہ جوہر کا نہ ہو تو دم ہیجا
یہ نیزۂ روز و سپر شام کو کاٹے
تیغ مہِ نو خنجرِ بہرام کو کاٹے

شمشیر کے قبضے میں سدا دستِ قدر ہے اک چشمہ عینک لیے اقبال سپر ہے
یہ پُشتِ کماں تکیہ گہہِ پُشتِ ظفر ہے بال و پر شہباز اجل تیر کا پر ہے
نیزہ وہ ہے پستی سے بلندی کو اگر جائے
خورشید سے بالا یہ کئی نیزہ گزر جائے

روشن ہے کہ پردے فلک وچشم کے ہیں سات ہے غیرتِ گلگون سرشک اسپ ملک ذات
یاں پردۂ افلاک ہیں اور ہے یہ کرامات گر اشک نے وہ پردے کیے طے یہ ہے کیا بات
اشک آنکھوں میں آکر نہ ملاقی ہو پلک سے
یہ اتنے میں جائے بھی اور آئے بھی فلک سے

وہ قطرۂ بے مایہ ہے یہ قلزم ذخار کیا کہتا ہوں میں اشک کہاں اور کہاں راہوار
گر ہو یہ سمند آبلہ اور سر ہو رہِ خار نورِ نظرِ چشم براق اس کی ہے رفتار
گرمی میں ادا نرمی سرعت کا یہ حق ہو
پابوس ہو خار اور نہ کوئی آبلہ شق ہو

تو بالِ ہُما ہو چمنِ شہپر طاؤس گر جلوۂ رنگیں سے خرام اس کا ہو مانوس
وہ برق شفق میں تو یہ پروانہ بہ فانوس ہے طلعتِ جلد و نفس سینہ یہ محسوس
دریا گرۂ نار بنے گرم روی میں
قدموں پہ ہوا خواب کرے نرم روی میں

لرزندۂ و شرمندۂ و درماندۂ و بیتاب اس رخش سے برق و شرر و شعلہ و سیماب
سوزان و خرد شان و سراسیمہ و بیخواب خورشید و سحاب و فلک و انجم و مہتاب
بازار گل و موج و صبا سرد ہے اس سے
وہ داغ ہے وہ آب ہے وگرد ہے اس سے

اب ہم سے سنو شرح مفصّل کہ یہ کیا ہے گو نام مورخ نے عُقاب اس کا لکھا ہے
دم سینے سے بیزار ہے جاں تن سے خفا ہے اکبرؑ پہ جوانی میں فلک ٹوٹ پڑا ہے
جانا جو انھیں جلد ہے درگاہِ خدا میں
لینے کو براق آیا ہے یہ کرب و بلا میں

تحسین کو موقوف کرو اشک بہاؤ لو اہلِ عزا خاکِ عزا سر پہ لگاؤ
اور یادِ حقوقِ شہِ مظلوم کو لاؤ حسنِ علی اکبرؑ کو تو دل سے نہ بھلاؤ

احسان شہنشاہِ ہدا کرتے ہیں تم پر
اٹھارویں سال ان کو فدا کرتے ہیں تم پر

یہ رنج محبوں کے لیے کس نے اٹھایا   آقا کو تمھارے لیے یہ داغ خوش آیا
کس چاند کے ٹکڑے کو تہِ خاک چھپایا   کس عیسیٰ عالم کو شہیدوں میں ملایا
جس نے کہ پسر مرنے کو بھیجا ہو وہ جانے
خنجر کے تلے جس کا کلیجا ہو وہ جانے

تم سینہ نہ پیٹو تو تعجب ہے سراسر   تم سب کے لیے چاک ہوا سینۂ اکبرؑ
حیرت ہے کہ رخ شیعوں کے اشکوں سے نہ ہو تر   آلودہ ہوئی خون میں تصویرِ پیمبرؐ
پہلے کوئی سادات میں روئے نہ پسر کو
سو رکھ دیا خنجر کے تلے اپنے جگر کو

پائی تھی یہ غیرت شہِ بے گور و کفن نے   کی مصلحتاً صلح جو دشمن سے حسنؑ نے
اس بزم میں رکھا نہ قدم شاہ زمن نے   یاں نہر پہ لب تر نہ کیا تشنہ دہن نے
بیعت کے لیے ہاتھ نہ اصلا دیا شہ نے
گردن کو بھی ہاتھوں کو بھی کٹوا دیا شہؑ نے

کرتا ہے رقم صاحب تصنیفِ بحار اب   جنت کو گئے سبطِ نبی کے رفقا جب
مشتاق شہادت ہوئے سادات بھی پھر سب   بچوں کو بھی جز مرگ نہ کچھ اور رہا مطلب
سب محوِ اجل تیغ و سپر باندھ رہے تھے
مولا علی اکبرؑ کی کمر باندھ رہے تھے

کہتے تھے کہ بیٹا مرے ارمان نکالو   اب کون ہے مرنے کو تمھیں برچھیاں کھالو
خیمے میں چلو پالنے والی سے رضالو   اصغر کو گلے سے جو لگانا ہو لگالو
حسن اپنی جوانی کا دکھاؤ علی اکبرؑ
پہلے تمھیں بابا کو رلاؤ علی اکبرؑ

عباسؑ کے ماتم میں علیؑ ہوں گے پریشاں تڑپیں گے حسن ابن حسنؑ ہوگا جو بے جاں
اور زینبؑ و مسلم کے تو فرزند ہیں ناداں یہ کون مروّت ہے کہ وہ پہلے ہوں قرباں
تم ہو مرے فرزند سو تم پر مرا بس ہے
پیری میں ترے داغِ جوانی کی ہوس ہے

تھی پہلے تو نوشاہ بنانے کی تمنا اور اب ہے تری لاش اٹھانے کی تمنا
آگے تھی کلیجے پہ سُلانے کی تمنا اور اب ہے تہِ خاک چھپانے کی تمنا
آگے تھی دعا صاحبِ فرزند ہوں اکبرؑ
اب ہے یہ خوشی خاک کا پیوند ہوں اکبرؑ

دکھلا چکے سہرا ہمیں اب داغ دکھاؤ گھوڑے سے گرو اور ہمیں لاشے پہ بلاؤ
امیدِ عروسی سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ سب حسرتیں دنیا کی لیے قبر میں جاؤ
ناچاری و غربت میں یہی ہوتا ہے بیٹا
اب اپنے ارادے پہ پدر روتا ہے بیٹا

اکبرؑ کو تو مشتاق اجل کرتے تھے مولا محشر تھا شہادت کے خریداروں میں برپا
سیدانیوں میں غل تھا کہ واحسرت و دردا مرنے کے لیے جاتا ہے سردار کا بیٹا
کچھ کہتے نہیں چھوٹے بڑے دیکھ رہے ہیں
یہ کیسے یگانے ہیں کھڑے دیکھ رہے ہیں

ماں کہتی تھی قاسم کی کہ قاسم کو سناؤ واری گئی اکبرؑ کے عوض مرنے کو جاؤ
چلاتی تھی زینبؑ مرے بیٹوں کو بلاؤ اور کہہ دو بس اب ماموں سے الفت نہ بڑھاؤ
ٹھنڈا ابھی زینبؑ کے کلیجے کو کرو تم
سردار کے بیٹے کی بلا لے کے مرو تم

سیدانیوں نے مل کے جو یہ غل کیا ناگاہ اکبرؑ کو لیے خیمے میں آئے شہِ ذیجاہ
سیدانیاں قدموں پہ گریں اور کہا یا شاہ ہم سب کے کلیجوں پہ چھری پھر گئی کیا آہ

رحم آتا ہے اکبرؑ پہ نہ پھولے نہ پھلے ہیں
کیا قتل ہوئے سب جو یہ مرنے کو چلے ہیں

شہؑ بولے کہ نانا کی مروّت ہے مجھے یاد	تم لوگوں کی اولاد بھی ہے میری ہی اولاد
یہ کون مروّت ہے کہ تم پہلے ہو برباد	اکبرؑ کو کلیجے سے لگائے میں رہوں شاد
صدمہ نہ ہو آلِ شہِ لولاک کے اوپر
پہلے مرا عمامہ گرے خاک کے اوپر

کی عرض نبی زادیوں نے آپ کے قرباں	حضرت کو تو یہ دھیان ہے اور ہم کو ہے یہ دھیاں
منہ سے کلمہ گویوں کے ہم ہوں گے پشیماں	تا حشر یہی طعنے ہمیں دیں گے مسلماں
بچوں کو حرم دے نہ سکے راہِ خدا میں
تصویرِ نبیؐ پہلے مٹی کرب و بلا میں

زینبؑ نے کہا میں تو نہ مانوں گی یہ زنہار	تم میرے بھی مالک مرے بیٹوں کے بھی مختار
میں پاؤں پڑوں آپ کے اے سید ابرار	اکبرؑ پہ تصدق کرو دونوں مرے دلدار
بے اس کے نہ کنبے میں مری بات رہے گی
کہنے دو زمانے کو بہن تو نہ کہے گی

بیٹوں کے لیے اشک بہاؤں تو قسم لو	مُردوں کو کلیجے سے لگاؤں تو قسم لو
گر دھیان بھی احسان کا لاؤں تو قسم لو	چادر بھی جو لاشوں پہ اڑھاؤں تو قسم لو
سب رنج و قلق صبر کی میزاں میں تلیں گے
یہ بال تو سر کے ترے لاشے پہ کھلیں گے

شہؑ بولے محبت تری اس سے بھی سوا ہے	اے دخترِ زہراؑ ترے حصے میں وفا ہے
لیکن علی اکبرؑ کی گلو گیر قضا ہے	سردار کا بیٹا بھی کہیں پیچھے رہا ہے
اٹھارہ بنی فاطمہؑ محضر میں رقم ہیں
آغاز میں اکبر ہیں اور انجام میں ہم ہیں

یہ سنتے ہی یوں تڑپی وہ بیکس کہ غش آیا   سب غش ہوئے سر شاہ نے زانو پہ جھکایا
اور آپ کے اصغرؑ نے بھی جھولے سے گرایا   سجادؑ نے تکیے سے سرِ پاک اٹھایا
مرقد میں کفن چاک کیا اپنا علیؑ نے
سر کھول دیا گلشنِ جنت میں نبیؐ نے

سیدانیاں غش میں تھیں کہ بانو ہوئی ہشیار   مقتل کو لگی دیکھنے گھبرا کے وہ اک بار
حضرت نے کہا خیر تو ہے بولی وہ ناچار   میں غش میں تھی صاحب کہ نظر آئے یہ آثار
اک شیر کی میت چلی آتی ہے ادھر کو
اک بی بی اُدھر جاتی ہے کھولے ہوئے سر کو

شہؑ رو کے پکارے یہی ہوئے گا عیاں اب   وہ لاش تو اکبرؑ کی ہے وہ بی بی ہے زینب
ہاجر کا خدا آج تجھے دیتا ہے منصب   قربانی اکبرؑ کے سرانجام کرو سب
حیدرؑ کا عمامہ ہو پیمبرؐ کی قبا ہو
گیسو ہوں پڑے کاندھوں پہ اور سرمہ لگا ہو

ہاجر کے پسر سے ہے معزز ترا بیٹا   وہ پانی سے لب تر تھا یہ دو روز سے پیاسا
واں اک چھری تھی یہاں سو خنجر اعدا   واں ذبح کو دنبہ تھا یہاں تیرا کلیجا
تھی ذبح میں امیدِ ثواب اس کو خدا سے
یہ واسطے امت کے فدا ہوتے ہیں پیاسے

بانو کو یقیں ہوگیا اکبرؑ نہ بچے گا   پر ماں ہی کا تو دل تھا سنبھالے سے نہ سنبھلا
چو گرد وہ فرزند کے پھرنے لگی دکھیا   اور رو کے کہا دودھ نہ بخشوں گی میں بیٹا
ماں صدقے کمر کھولو کلیجہ مرا شق ہے
بابا کا اگر حق ہے تو مادر کا بھی حق ہے

پھر بچپنے کے کپڑے سب اکبر کے منگائے   تعویذ بھی طفلی کے سب اکبرؑ کو دکھائے
رو کر کہا واری مرے حق تم نے بھلائے   ہم نے یہ شلوکے کسے سی کر ہیں پنھائے

اصغرؑ کی طرح دودھ کسے ہم نے دیا ہے
ان کرتوں کو پہنا کے بڑا کس نے کیا ہے

کالی کفنی اس کے عوض تم نہ پہناؤ حقدار کو واری نہ عزا دار بناؤ
قدموں پہ پڑا رہنے دو چھاتی نہ لگاؤ یوں بھی مجھے راحت ہے مگر چھوڑ نہ جاؤ
پروان چڑھو دولھا بنو دودھ کا حق دو
یا واری یہ لازم ہے کہ مرنے کا قلق دو

کبراؑ کو سکینہؑ کو بھی اب چھوڑا بلالوں تم ساتھ مرا دو تو شہؑ دیں سے رضا لوں
چہرے پہ فقیروں کی طرح خاک لگالوں اور گود میں بچہ چھ مہینے کا اٹھالوں
مادر کو ترے ساتھ فقیری کی ہوس ہے
گزری میں ترے بیاہ سے دیدار ہی بس ہے

تب عابد بیکس کو پکارے شہِ اقدس اے حیدرؑ کرار کے پوتے میں ہوں بیکس
بانوؑ کو تو الفت علی اکبرؑ ہی کی ہے بس تو باپ کا ساتھی ہے تو جلد اپنی کمر کس
کیا غم ہے اگر نسل ہو برباد ہماری
امت جد امجد کی ہے اولاد ہماری

اس حرف مصیبت سے بپا ہوگیا محشر تھرّاتے ہوئے آئے وہاں عابدِ مضطر
کی عرض کہ ہے بارِ گراں تن پہ مرے سر ہے حق بطرف اماں کا بن بیاہے ہیں اکبرؑ
بابا ہمیں میدانِ شہادت کی رضا دو
پوشاکِ یتیمی مرے باقر کو پہنادو

آئی یہ ندا غیب سے اے بانوئے خوش ذات اکبرؑ تجھے اس مرتبہ پیار ہوا ہیہات
جو فاطمہؑ کے بیٹے کا تو چھوڑتی ہے سات کیا فاطمہؑ سے حشر میں ہوگی نہ ملاقات
عابد جو ہوا قتل یہ عزت نہ رہے گی
پھر گھر میں ترے نسلِ امامت نہ رہے گی

اکبرؑ کی قسم کھا کے پکاری وہ دل افگار یا شاہ اب اکبرؑ کو جو روکوں تو گنہگار
ہے مادرِ باقرؑ کا رنڈا پا مجھے دشوار بانو کو جو اکبرؑ ہے وہی عابدِ بیمار
یہ نسل امامت و زیارت ہے نبیؐ کی
اب جس میں رضا سبط رسول عربی کی

اکبرؑ نے سلام آخری اٹھ کر کیا اک بار اور باپ سے پنہاں کہا عابدؑ سے بتکرار
بھیا مری اماں کی ضعیفی سے خبردار ہمراہ پسر رن کو چلے سیّد ابرار
خیمے ہی سے عمامہ گرائے ہوئے نکلے
اکبرؑ کو کلیجے سے لگائے ہوئے نکلے

رخصت کیا فرزند کو گھوڑے پہ بٹھایا پر دل میں یہ در اٹھا کہ منہ کو جگر آیا
رو رو کے غریبی سے عمر کو یہ سنایا کیوں خاک میں آخر مرا گھر تو نے ملایا
لے خوش ہو کہ اکبرؑ کے لیے روتا ہے شبیرؑ
بے نام ونشاں خلق میں اب ہوتا ہے شبیرؑ

اللہ کرے تیری امیدیں بھی ہوں سب یاس میں پال کے جیسا علی اکبرؑ سے ہوں بے آس
خالق کا تجھے ڈر نہ پیمبرؐ کا تجھے پاس یہ دھوپ یہ گرمی یہ بنی فاطمہؑ کی پیاس
تو بھی ہو جدا اپنے کسی لختِ جگر سے
جیسا میں بچھڑتا ہوں برابر کے پسر سے

اللہ مبارک نہ کرے تجھ پہ کوئی کار ناکام ترے ظلم سے ہے عترتِ اطہار
کس نیند میں سوتا ہے تو اے ظالم مکار سوتے میں ترا حلق ہو اور خنجر خونخوار
سیّد کو ستا کر تو کدھر جائے گا ظالم
اک سال نہ گزرے گا کہ مرجائے گا ظالم

تجکو برکت دے نہ خداوندِ تعالیٰ اک سیّد محتاج پہ یہ حادثہ ڈالا
اک سیّدہ کی روح کو مرقد سے نکالا سر ننگے ہے محبوبِ خدا سیّد والا

دنیا میں بھی عقبیٰ میں بھی لعنِ احدی ہو
دوزخ ہو تو ہو اور عذابِ ابدی ہو

تصویرِ پیمبرؐ ہے یہ بیکس مرا جایا گر اس کو مٹایا تو کہو کس کو مٹایا
نانا کو ستایا تھا پھر اب مجھ کو ستایا زہراؑ کی طرح مجھ پہ درِ ظلم گرایا
کم ضربت در سے یہ نہیں رنج پسر ہے
واں پہلوئے زہراؑ تھا یہاں میرا جگر ہے

ناگہ علی اکبرؑ نے کیا شاہ کو مجرا شیرانہ بڑھا تازی غازی سوئے اعدا
بیساختہ گر کر یہ پکارے شہؑ والا عباسؑ سنبھالو کہ کلیجا مرا نکلا
ہر چند کہ عباسؑ بھی مولا کے قریں تھے
پر جب تلک آئیں یہاں غش میں شہؑ دیں تھے

عباسؑ نے رورو کے کہا ہائے برادر مولا کو پھر استادہ کیا شانے پکڑ کر
بھائی کے سہارے سے ذرا ٹھہرے جو سرور رو رو کے پکارے علی اکبرؑ علی اکبرؑ
جیتے نہیں تم پھرنے کے میدان میں جا کے
رخصت کرو بابا کو کلیجے سے لگا کے

پہلے تو رضا دی تمھیں اے نازوں کے پالے اب دل جو تڑپتا ہے اسے کون سنبھالے
پہلے تو کہا صبر نے یہ داغ اٹھالے اب جذبہ الفت ہے کہ اکبرؑ کو بلالے
جن ہاتھوں سے بندھوایا تھا پیارے کی کمر کو
ان ہاتھوں سے اب پیٹتا ہوں سینہ و سر کو

گھوڑے پہ تمھیں آپ ہی بابا نے بٹھایا پر آنکھوں کے آگے سے جو سرکے تو غش آیا
تم نے تو ذرا منہ بھی ادھر کو نہ پھرایا عباسؑ دلاور نے ترس کھا کے اٹھایا
کیا ماں سے جدا ہونے کا غم کھاتے ہو اکبرؑ
خوش جاتے ہو ہم سے کہ خفا جاتے ہو اکبرؑ

مڑ کر کہا اکبرؑ نے میں راضی برضا ہوں　　پر شیر کی بیٹی کے میں دامن میں پلا ہوں
کیا منہ ہے جو میں قبلہ عالم سے خفا ہوں　　پر رن کو میں بڑھ کر نہ پھروں گا نہ پھرا ہوں
اب تو یہی بہتر ہے کہ تم دل کو سنبھالو
اصغرؑ کو مرے بدلے کلیجے سے لگالو

شہؑ بولے ہمیں آتے ہیں دل پر نہیں قابو　　سو بیٹے ہوں اصغرؑ سے تو بھولے نہ مجھے تو
داں بال جھنڈولے ہیں یہاں کاندھوں پہ گیسو　　وہ زینتِ گہوارہ ہے تو زینتِ پہلو
گو پیار سے ہم منہ پہ منہ اصغرؑ کے دھریں گے
پر یہ کہو اصغرؑ بھی یوں ہی باتیں کریں گے

یہ کہتے ہوئے پاس گئے سید ابرار　　نہوڑایا سر اکبرؑ نے شہؑ دیں نے کیا پیار
غش کھا کے گرے اور ملے اٹھ کے کئی بار　　آخر کہا لو جاؤ سدھارو مرے دلدار
سو بار گلے لپیٹوں تو دل سیر نہ ہوئے
پر بخشش امت میں کہیں دیر نہ ہوئے

القصہ چلا رن کو وہ کرار جواں مرد　　آمد ہی میں بازار شجاعوں کا ہوا سرد
تعظیم نشانِ سم توسن کو اٹھی گرد　　جس گرد پہ نو گنبد گرداں تھے بلا گرد
نے چرخ ہے نام اس کا نہ گردوں نہ فلک ہے
اُس گرد سواری کا عروج آج تلک ہے

نور رخ اکبرؑ سے زمیں ہوگئی معمور　　صحرا، دلِ موسیٰ کی طرح آئینہ نور
ہر کوہ کی آواز انا الطّور و انا الطّور　　لبیک و سعدیک تھا وردِ ملک و حور
معراج میں جو شانِ رسولؐ عربی تھی
میداں میں وہی شوکت ہم شکل نبیؐ تھی

اے صل علیٰ دبدبہ اکبرؑ ذیشاں　　سلطان حلب آئینہ ساں خوف سے حیراں
ہیبت کے سبب چیں بہ جبیں چین کا خاقاں　　خورشید صفت قیصر رومی ہوا لرزاں

کھولی کمر ظلم و ستم چرخ بریں نے
باندھی سپر ہفت طبق گاوِ زمیں نے

ناگاہ کھلا دشت میں بازارِ زدو کشت تیغیں کھنچیں یک دست تلی گرد بھی یک مشت
تیغ دو زباں یاں سے بڑھی مثل دو انگشت اک اک کی سپر خوف سے دکھلانے لگی پشت
وہ تیغ در آئی صف اول کے بدن میں
جس طرح دو انگشت علی مرہ کے تن میں

ڈھالوں پہ پڑی تیغ تو اس طرح ہوئی غرق جس طرح نہاں ابر سیہ میں ہو رگِ برق
غرب اس کے لیے فرق مخالف تھے بلا فرق جس عضو سے چاہا نکل آئی وہی تھا شرق
گو جوشِ زباں صورت سیماب تھے اعدا
پر جب ہوئے کشتہ تو یہ بیتاب تھے اعدا

تھی خاک کی صورت ہمہ تن پست وہ بدخو شعلے کی طرح تیغ علی تھی ہمہ تن رو
مابینِ دو صف رخش تھا یوں گرم تگاپو جیسے صفِ مژگاں سے نکل جاتا ہے آنسو
اک تیغ کا سایا تھا اِدھر اور اُدھر کو
گویا ملک الموت تھے کھولے ہوئے پر کو

ہر فرد کی تقطیع کو تھی تیغ شرر بار مجموع صفیں ہوگئیں مضروق سب اک بار
دو ہوں کے رباعی ہوئے راکب مع رہوار مضموں تو ہے یہ گرم کہ اللہ ری تلوار
تھا موج کا ہر مصرع تر اس کے لیے خشک
دریا صفت بحر عروض اس نے کیے خشک

یہ تیغ تھی یا مہرِ قیامت سرِ لشکر وہ خود نہ تھے پڑ گئے تھے آبلے یکسر
سر تا بہ قدم آبلہ تھا چرخِ مدوّر اسپند بنے پھول تو ڈھالیں بنیں مجمر
تیغوں میں رہی آب نہ گرمی کے اثر سے
ہر ماہیٔ جوہر تھی کباب اس کے شرر سے

کہتا تھا قمر برق غضب سے جو اماں پاؤں　　تو پنبہ کُہنہ کہیں میں اپنا چھپاؤں
وہ خط شعاعی نہ تھی یہ رمز میں بتلاؤں　　پر طائر خورشید نے کھولے تھے کہ اڑ جاؤں
مرغابیِ انجم میں ڈر اُس دن سے ہے سب کو
دن بھر تو چھپی رہتی ہیں اور اڑتی ہیں شب کو

ہر چند کہ مرغ دل کفار تھے کیدی　　پر جوہرِ شمشیر کے تھے دام میں صیدی
تھی حرص زروسیم ، دل فوج میں قیدی　　جس طرح سے اک بیضے میں زردی و سپیدی
ٹکڑے جو ہوا نصف ادھر نصف اُدھر تھا
نے زر میں کہیں سیم تھی نہ سیم میں زر تھا

تھی زندوں کو مردوں کی طرح جانکنی و کرب　　سب زر کی طرح زرد تھے ہیبت زدہ حرب
سکّے کی طرح پڑتی تھی تیغ ان پہ دم ضرب　　رائج تھا زر دینِ نبیؐ شرق سے تا غرب
گو شکلِ زر قلب دلِ اہل دغل تھا
پر کھانے کو حاضر وہاں صراف اجل تھا

وہ جنگ کا میدان تھا یا موت کا بازار　　دلّال قضا جنسِ عدو تیغ خریدار
پوتا شہ مرداں کا ہے فیصلۂ کار　　میزاں کی طرح ہاتھوں کو تولے ہوئے تیار
واں زخموں نے کھولا تنِ اعدا پہ دُکاں کو
یاں مول لیا سکّہ شمشیر نے جاں کو

سر کو نہ خبر یہ تھی کہ دستار کہاں ہے　　رہوار نہ واقف تھے کہ اسوار کہاں ہے
حیراں تھی ہر اک چشم کہ تلوار کہاں ہے　　پیدا ہیں شرر برقِ شرر بار کہاں ہے
بے چشم جراحت نہ رہِ فوت کو دیکھا
جب تیغ کو دیکھا ملک الموت کو دیکھا

گر برچھیوں والوں نے ذرا آنکھ نکالی　　پہنچا وہیں نیزہ لیے ابن شہ عالیؑ
بالکل ورقِ چشمِ عدو کر دیا خالی　　پُتلی صفتِ نقطۂ شک صاف اٹھالی

اللہ ری صفا آنکھ نے دیکھی نہ چمک بھی
پُتلی تو سناں لے گئی جھپکی نہ پلک بھی

مرقوم ہے واللہ یہ راوی کی زبانی تھے جمع کئی لاکھ وہاں ظلم کے بانی
یاں بیچ میں تنہا تھا فقط احمدِ ثانی اور ساتویں تاریخ سے پایا تھا نہ پانی
ہر حملے میں اس پر بھی عیاں قدرتِ رب تھی
پر تین شب و روز کی وہ پیاس غضب تھی

یوں لڑتا تھا اُس پیاس میں شبیرؑ کا پیارا یاں حملے میں لشکر یہ پریشاں کیا سارا
واں سامنے بابا کے گیا اور یہ پُکارا اے مالکِ کوثر کے پسر پیاس نے مارا
پانی تو نہ بیٹے کو پلادیتے تھے آقا
اپنی بھی زباں خشک دکھا دیتے تھے آقا

لکھا ہے یونہیں جاتے تھے اور آتے تھے ہر بار پر دفعۂ آخر کا وہ پھرنا ہوا دشوار
پہلو سے سناں مرۂ ظالم کی ہوئی پار بابا کو پکارا کہ تصدق ہوا دلدار
مرتا ہوں پر الفت مری اس دم بھی عیاں ہے
رخ آپ کی جانب ہے کلیجے میں سناں ہے

گھبرا کے نہ تم آئیو تنہا نہیں اکبرؑ یاں فاطمہؑ دادی مری حاضر ہیں کھلے سر
واللہ کہ یاں چاک گریباں ہیں پیمبرؐ کہتے ہیں سلام آپ کو بھی شافعِ محشر
آتے ہمیں پر راہ نہیں پاتا ہے گھوڑا
ہم کو اسی لشکر میں لیے جاتا ہے گھوڑا

یہ سُن کے گرے خاک پہ شہؑ پھینک دی دستار بانو بھی نکل آئی یہ کرتی ہوئی گفتار
دوڑو مرے صاحب کہ لُٹی بانوئے ناچار جلاّدوں میں اکبرؑ کو لیے جاتا ہے رہوار
کہہ دو تو چلوں خاک میں چہرے پہ لگا کے
اور دودھ کا حق بخشوں وہیں لاش پہ جا کے

حضرت نے قسم دے کے اُسے گھر میں بٹھایا   رو رو کے بنی فاطمہؑ کو پھر یہ سنایا
یارو ہمیں تقدیر نے اکبرؑ سے چھڑایا   لشکر میں تو اب جاتا ہے زہراؑ کا یہ جایا
تم لشکرِ قاتل کے چپ و راست رواں ہو
ہاں ڈھونڈ کے لاؤ مرے یوسف کو جہاں ہو

اولادِ علیؑ و حسنؑ و مسلم و جعفرؑ   عباسؑ کے ہمراہ ہُوئی مُضطر و ششدر
باہم چلے کہتے ہوئے ہے ہے علی اکبرؑ   اور بیچ میں لشکر کے گیا سبطِ پیمبرؐ
کہتے ہیں قیامت جسے وہ رَن میں بپا تھی
ہے ہے علی اکبرؑ کے سوا کچھ نہ صدا تھی

لشکر کے چُپ و راست پھرا بازوئے سرور   لیکن نظر آیا نہ کہیں لاشۂ اکبرؑ
پھر بیچ میں لشکر کے در آیا وہ دلاور   دیکھا تو شہِ دیں بھی نہیں وائے مقدر
خیمے کو چلے ڈھونڈتے زہراؑ کے جگر کو
شاید کہ اٹھالے گئے ہوں لاشِ پسر کو

پُر متصلِ خیمہ جو پہنچے تو یہ دیکھا   سر ننگے ہے رستے میں کھڑی دخترِ زہراؑ
عباسؑ کا رنگ اڑگیا زینبؑ سے یہ پوچھا   کیا لاشہ اکبرؑ نہیں لائے شہؑ والا
وہ بولی کہاں لائے، مجھے فکر بڑی ہے
وہ جب سے سدھارے ہیں یہ ہمشیر کھڑی ہے

عباسؑ پکارے یہ غضب کیا ہوا ہیہات   میں رَن میں بھی ڈھونڈ آیا نہیں سیّد خوش ذات
زینبؑ گری بالائے زمیں سنتے ہی یہ بات   چلّائی کہ کیا باپ نے بیٹے کا دیا سات
کم زور کیا تھا غمِ ہمشکل نبیؐ نے
بھائی کو مرے مارلیا فوج شقی نے

غش ہوگئے ہوئیں گے کہیں راہ میں گر کر   گردن پہ اُسی غش میں رواں ہوگیا خنجر
رو کر کہا بانو نے کہ اے دلبرِ حیدرؑ   یہ بھابی تصدّق ہو نہ ٹھہرو یہاں دم بھر

تم جانو جہاں سے شہٰ عالی کو لے آؤ
اکبرؑ سے میں گزری مرے والی کو لے آؤ

یہ سُن کہ چلا رَن کو وہ شبیرؑ کا شیدا ہر اک کو یہ دیتے تھے نشانِ شہِ والا
سر ننگے کوئی شخص تو تم نے نہیں دیکھا ناگاہ کسی نے کہا واقف ہوں میں اتنا
وہ سامنے جنگل میں جواں ایک پڑا ہے
بالین پہ مظلوم سا اک شخص کھڑا ہے

عباسؑ رواں جلد ہوئے جانبِ صحرا کیا دیکھتے ہیں لاشہ لیے آتے ہیں مولا
پر ماتمِ اکبرؑ سے یہ کمزور ہیں آقاؑ گودی سے گرا پڑتا ہے فرزند کا لاشا
ہر ایک قدم لاش کو رکھ دیتے ہیں شبیرؑ
پھر گود میں الفت سے اٹھالیتے ہیں شبیرؑ

عباسؑ نے گودی میں لیا لاش کو بارے اور بولے کے کچھ دم ہے تو سرور یہ پکارے
جس وقت میں پہنچا یہ اُسی وقت سدھارے مرتے ہوئے ہم سے کیے پانی کے اشارے
وہ منکے کا ڈھلنا وہ نکل آنا زباں کا
دم توڑنا اللہ نہ دکھلائے جواں کا

عباسؑ پکارے میں فدا اس کی عطش پر اور سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ بوسے دیے جھک کر
لاشے کے جلو میں تھے جواں سارے کھلے سر اور ملتے تھے سب چہرے پہ خونِ علیؑ اکبرؑ
چلاتی تھی یہ خیرانسا پیٹ کے سر کو
بیٹا مرا بیاہے لیے جاتا ہے پسر کو

جب متصلِ خیمہ وہ لاشا لیے آئے زینبؑ یہ پکاری کوئی بانو کو اٹھائے
بھیا مرے پالے ہوئے کو بیاہ کے لائے خیمے میں گئے سبط نبیؐ سر کو جھکائے
لی گود میں بانو نے جو لاش اپنے خلف کی
تھرآیا نجف قبر ہلی شاہِ نجف کی

مسند پہ تو بانو نے رکھا لاشِ پسر کو　　اور زانو و سر اٹھ کے لگی پیٹنے بانو
گھبرا کے سکینہؑ نے کہا سب سے یہ رو رو　　مر جائیں گی اماں کے مرے ہاتھ پکڑ لو
سب تھامتے تھے آن کے اُس خستہ جگر کو
وہ پیٹے ہی جاتی تھی مگر سینہ و سر کو

کہتی تھی جسے پیٹنا ہو پیٹے مرے سات　　سمجھائے نہ کوئی میں نہیں سننے کی یہ بات
لوٹوں تو مجھے لوٹنے دو خاک پہ ہیہات　　سر پیٹوں تو پیٹوں کوئی پکڑو نہ مرا ہات
جو کچھ کروں فرزند کے مُردے پہ سو کم ہے
اے صاحبو اٹھارہ برس والے کا غم ہے

بچہ نہیں اے لوگو جواں بیٹا موا ہے　　مارا ہوا یہ شیر مرے آگے پڑا ہے
کیوں آنکھیں مری کور نہیں ہوتیں یہ کیا ہے　　اس آتما کے درد سے آگاہ خدا ہے
جب حشر کے دن پیشِ خدا آئے گی بانو
ناسور یہ اللہ کو دِکھلائے گی بانو

پھر بولی کہ کوئی مرے ارمان نکالے　　آنچل مرے بن بیاہے پسر پر کوئی ڈالے
سینے کا لہو ہاتھ میں مانندِ حنا لے　　مہندی کوئی اس لاش کے ہاتھوں میں لگالے
اس خوں بھری پوشاک کے دامن کو پکڑ کر
حق نیگ کا مانگے کوئی اکبرؑ سے جھگڑ کر

یہ سنتے ہی سب آلِ پیمبر کو غش آیا　　حضرت نے جواں بیٹے کے لاشے کو اٹھایا
بانو نے بھی خیمے سے قدم ساتھ بڑھایا　　شہؑ بولے کہ بس ٹھہرو تو رو کر یہ سنایا
میداں سے ہٹا دیجیو تم فوجِ لعیں کو
والی میں انھیں سونپوں گی مقتل کی زمیں کو

یہ کہہ کے چلی لاش کے ہمراہ وہ دُکھیا　　حضرت نے رکھا خاک پہ فرزند کا لاشا
بانو نے کہا سینہ و سر پیٹ کے اپنا　　لو پیارے تمھیں حیدرِؑ کرّار کو سونپا

نے کنبے کی بستی ہے نہ ماں ہے نہ بہن ہے
اب تم ہو یہ لاشے ہیں یہ جنگل ہے یہ بَن ہے

ماں نے تو کبھی سونے مکاں میں نہ سُلایا — کل رات تلک فرش تھا پہلو میں بچھایا
اسپند کیا اٹھ کے جو باہر سے تو آیا — سو آج مرے شیر نے جنگل کو بسایا
غیرت نہ تمھیں آئے تو کچھ دل کی کہیں ہم
دلوادو رضا باپ کی لاشے پہ رہیں ہم

ماں نے جو کہا لاش پہ رہنے کو مکرر — غیرت سے تڑپنے لگی وہ لاش زمیں پر
تھرّا کے یہ آواز دی بس اے مری مادر — روحوں سے شہیدوں کے خجل ہوتا ہے اکبر
سر کھولے ہوئے سامنے اعدا کے نہ روؤ
اماں ہمیں تم روؤ پہ چلّا کے نہ روؤ

خاموش دبیرؔ اب صفِ محشر ہے صفِ بزم — اس مرثیہ تازہ میں کیا بزم ہے کیا رزم
آقا کی زیارت کا ارادہ ہے جو بالجزم — قبرِ علی اکبرؑ پہ اسے پڑھنے کا رکھ عزم
یہ مرثیہ نذرِ علی اکبرؑ کے لیے ہے
بخشش کا وسیلہ یہی محشر کے لیے ہے

○

○

ناداں کہوں دل کو کہ خرد مند کہوں
یا سلسلۂ وضع کا پابند کہوں
اک روز خدا کو منہ دکھانا ہے دبیرؔ
بندوں کو میں کس منہ سے خداوند کہوں

○

ادنیٰ سے جو سر جھکائے اعلیٰ وہ ہے
جو خلق سے بہرہ ور ہے دریا وہ ہے
کیا خوب دلیل ہے یہ خوبی کی دبیرؔ
سمجھے جو بُرا آپ کو اچھا وہ ہے

سلام

پیرو شہِ بے سر کا ازل سے جو قلم ہے — اس واسطے مُجرائی سرِ خامہ قلم ہے
ہر بیت میں مضمون نیا زیبِ رقم ہے — مُجرائی کلیدِ درِ غیب اپنا قلم ہے
کیا پاسِ بزرگیٔ درِ شاہِ اُمم ہے — مُجرائی فلک دور ہے تسلیم کو خم ہے
موسیٰ کو ندا آئی کہ نعلین اُتارو — صحرا یہ نہیں مقتلِ سلطانِ اُمم ہے
جس طرح سے یہ پانچ نمازیں ہوئیں ہم پر — واجب یہ خدا پنجتنِ پاک کا غم ہے

قطعہ

یوں حُر سے مخاطب ہوئے کفار دمِ جنگ — شادی ہے تجھے آج و لیکن ہمیں غم ہے
واں فاقہ ہے اور پیاس یہاں میوے ہیں اور نہر — واں ذلت و خواری ہے یہاں جاہ و حشم ہے
مانا کہ ہیں شبیرؑ پیمبرؐ کے نواسے — پر شام کا حاکم بھی نہیں رتبہ میں کم ہے
کی تیغِ زباں حُر نے علم اور یہ پکارا — خاموش وگر نہ ابھی سر سب کا قلم ہے
تم کو مرے آقا کے شرف کیا نہیں معلوم؟ — کعبے کی قسم قبلۂ اربابِ ہمم ہے
خورشیدِ زمیں بدرِ فلک شمعِ مدینہ — سردارِ عرب ہے وہی سلطانِ عجم ہے
کیا حاکمِ شامی کو ہے شبیرؑ سے نسبت — وہ کفر یہ اسلام وہ دیر اور یہ حرم ہے
وہ ظلم ہے یہ عدل، وہ عصیاں یہ عبادت — وہ رنج یہ راحت، وہ ستم ہے یہ کرم ہے
تم کور ہو کیا؟ دیکھو مرے واسطے واللہ — یہ حور یہ حُلّہ یہ کوثر یہ ارم ہے
ہاتف نے ندا دی نہ پھرا ہے نہ پھرے گا — اے ناریو حُر عاشقِ سلطانِ اُمم ہے

فرصت نہیں لکھنے کی دبیرؔ آج وگرنہ
مضمون تو کتنے ہی سلاموں کا بہم ہے

جب ماہ نے نوافلِ شب کو ادا کیا

جب ماہ نے نوافلِ شب کو ادا کیا سر قبلہ رو جھکا دیا ذکرِ خدا کیا
بڑھ کر صفِ نجوم نے بھی اقتدا کیا سجدے میں شکر خالقِ ارض و سما کیا
در کھل گئے عبادتِ ربِ غفور کے
خورشید نے وضو کیا چشمے سے نور کے

گلگونہ شفق جو ملا حور صبح نے اسپند مشکِ شب کو کیا نور صبح نے
گرمی دکھائی روشنی طور صبح نے ٹھنڈے چراغ کردیے کافور صبح نے
لیلائے شب کے حُسن کی دولت جو لُٹ گئی
افشاں جبیں سے نجم درخشاں کی چھٹ گئی

پیدا ہوا سپیدۂ طلعت نشانِ صبح معبود کا وہ ذکر وُہ پُرلطفِ اذانِ صبح
باندھا عمامہ نور کا پہنی کتان صبح چرخِ چہارمی پہ گیا خطبہ خوانِ صبح
منہ سب کے سوئے قبلۂ امید ہوگئے
سرگرم سجدہ عیسیٰ و خورشید ہوگئے

آیا عروج پر شہ گیتی ستانِ مہر لی روز نے پناہ بزیر نشانِ مہر
پرچم کُشا ہوا علم زر فشان مہر ظاہر ہوئی زمانے پہ تاب و توانِ مہر
نیزہ کرن کا دیدۂ گردوں میں ڈال کے
مغرب میں پھینکی رات کی پُتلی نکال کے

جلاد چرخ نے رخِ آفاق فق کیا بدلا جہاں کا رنگ جو خونِ شفق کیا
اس دور نے قمر کو اُلٹ کر رمق کیا سورج کو جب عروج ملا شکرِ حق کیا

خورشید صبح کا گلِ دستار ہوگیا
پردہ افق کا غیرتِ گلزار ہوگیا
مغرب میں جب کہ غرق جہازِ قمر ہوا سلطانِ شرق راکبِ کشتیِ زر ہوا
پانی کا قحط بہرِ شہِ بحر و بر ہوا برباد فخر نوح کا آباد گھر ہوا
دریا دلی نے بادشہِ نیک ذات کی
بخشی گناہ گاروں کو کشتی نجات کی
یونس دہانِ ماہیِ شب میں نہاں ہوا کنعانِ بامداد سے یوسف عیاں ہوا
لیلائے شب کے حسن کا گلشن خزاں ہوا عالم تپ فراق سے گرمِ فغاں ہوا
مجنوں کے رنگ رخ کی طرح دھوپ زرد تھی
تھی صبح یا زمانے کی اک آہ سرد تھی
بڑھ کر نقیبِ نور پکارا سحر سحر تھی آسماں سے بارشِ رحمت شجر شجر
لوٹا سحر نے معدنِ شبنم گہر گہر ذروں میں نورِ مہر در آیا قمر قمر
برقع جو اٹھ گیا تھا رخ آفتاب کا
پردہ تھا فاش صبح ملمع نقاب کا
کانٹوں میں جو گھرا ہوا تھا مالکِ جناں سرسبز باغ دہرا ہوا مائلِ خزاں
تھے وقتِ صبح تیرہ و تاریک بوستاں سبزہ تھا یا زمین کی آہوں کا تھا دھواں
شبنم تباہ ہوگئی غم میں جناب کے
خاکِ عزا سے بھر گئے ساغر گلاب کے
مغرب میں غم تھا گلشن انجم ہے پائمال مشرق میں جلوۂ گلِ خورشید بے مثال
رنگ اپنا تھی جمائے ہوئے شانِ ذوالجلال تختِ زمردی پہ وہ مسند شفق کی لال
پرتوفگن تھا چہرۂ سرخ آفتاب کا
صحن افق بنا ہوا تختہ گلاب کا

کہسار اوجِ نیرِ قدرت سے دنگ تھے　　بیٹھے ہوئے بساطِ عبادت پہ سنگ تھے
وارفتہ یادِ حق میں غزال و پلنگ تھے　　کیا کیا شعاعِ مہر میں صنعت کے رنگ تھے
کوئی حباب سرخ تو کوئی ہرا ہوا
پھولوں سے تھا فرات کا دامن بھرا ہوا

معبود سے تھے مُرغِ سحر طالبِ فلاح　　خوانِ کرم سے ملنے لگیں نعمتیں مباح
"نعم الکریم" وردِ زباں تھا علی الصباح　　کہتے تھے ابر کوہ پہ یا مرسل الریاح
تسبیح خواں تھی بن میں یہ حالت ہوا کی تھی
لذت زبانِ خار پہ حمدِ خدا کی تھی

دیکھا جو حسنِ خامۂ خورشیدِ پُرضیا　　شنجرف کو شفق نے سرِ دست حل کیا
فرماں قضا نے منشیِ تقدیر کو دیا　　تحریر کر موافقِ ارشادِ کبریا
یہ آخری سپاہِ حسینی کا اوج ہے
تا ظہر نے حسینؑ نہ لشکر نہ فوج ہے

لکھ لے ملازمانِ حسینی کا خدوخال　　حُر تھا قصور وار سو وہ بھی ہوا بحال
تنخواہ سب کی زخم، اضافہ غم و ملال　　عہدہ جہاد، چھاؤنی سرکارِ ذوالجلال
دنیا میں سرخ پوش ملازم حضور کے
عقبیٰ میں حُلّے خلد کے اور قصر نور کے

تمغا ہے غازیوں کے لیے خوفِ ذوالجلال　　شکوہ حرام فاقہ میں شکرِ خدا حلال
کوثر صلے میں تا بہ ابد پیاس تا زوال　　قبض الوصول حورِ جناں کا خط و صال
بچوں کا عرف بسمل راہِ جہاد لکھ
ایک ایک نوجواں کا لقب نامراد لکھ

وہ نور و سپیدہ وہ صبحِ اجل نما　　وہ نعرۂ اذان و اقامت وہ مقتدا
ریتی میں اتقیا تھے ترائی میں اشقیا　　فکرِ وضو میں قبلۂ دیں نورِ کبریا

پانی کے لانے سے جو تھا معذور آفتاب
حاضر تھا آفتابہ لیے دور آفتاب
آئی صدائے خضرؑ کہ لبیک یا امام لے آؤں بھر کے مشکوں میں آبِ بقا تمام
کوثر پکارا زیرِ قدم میں کروں مقام باراں نے دی ندا کہ برسنے لگے غلام
شہ بولے اپنے خوں سے وضو اب کریں گے ہم
پانی کا ذکر جانے دو پیاسے مریں گے ہم
لکھا ہے باوضو تھے امام ملک خصال جاتے تھے رات بھر پئے طاعاتِ ذوالجلال
پڑھ کر مگر فریضۂ صبحِ شبِ قتال تجدید کا وضو کی بدستور تھا خیال
دھویا وضو سے ہاتھوں کو اور شکرِ رب کیا
پہنا کفن جہاد کا زیور طلب کیا
نام سلاح سُن کے حرم پر چھری چلی اُٹھی سلاح لانے کو زہراؑ کی لاڈلی
سنتی ہے آہ راستے میں کیا وہ دل جلی آواز آرہی ہے کہ فریادِ یا علیؑ
سمجھی جدائی بھائی بہن میں جو ہوتی ہے
یہ روح فاطمہؑ ہے کہ خیمے میں روتی ہے
کلثومؑ کو پکاری وہ حیرت کی مبتلا پہچانو تو بہن مری ماں کی ہے یہ صدا؟
آئی سلاح خانے میں تو اور غل سُنا کی ہر طرف نگاہ کہ یہ ماجرا ہے کیا
کیا دیکھتی ہے بیٹی نبیؐ کے وزیر کی
روتی ہے ذوالفقار جنابِ امیرؑ کی
یوں صبح دم غلاف میں ہے تیغِ اشکبار منہ ڈھانپتے ہیں وقتِ سحر جیسے سوگوار
پھر خود بھی روئیں بیٹھ کے نزدیک ذوالفقار دل میں کہا کہ خیر کرے میرا کردگار
وسواس مجھ کو آتا ہے تشویش ہوتی ہے
حضرت سوار ہوتے ہیں اور تیغ روتی ہے

فرمایا ذوالفقار سے ہے وقتِ یاوری شہزادہ رن پر چڑھتا ہے اور کم ہیں لشکری
جوہر دکھانا فتح کے اے تیغ حیدری وہ بولی آہ آہ تری بے برادری
مہمان شام سے ہیں تمھارے سحر تلک
اب زندگی حسینؑ کی ہے دوپہر تلک

زینبؑ کا سینہ پھٹ گیا جی سنسنا گیا لاکر سلاح شہ کو دیے اور غش آگیا
سر پر جو خود شہ نے دھرا نور چھا گیا پہنی زرہ تو موج میں دریا سما گیا
باندھی جو ذوالفقار نبیؐ کے وزیر کی
قبضہ میں آئی شان جنابِ امیرؑ کی

عابدؑ کو اک صحیفہ کیا شاہ نے عطا بولے یہ ہے امانتِ معبودِ ذوالعلا
لائے ہیں عرش سے شب معراج مصطفا نامِ اوصیا کے لکھے ہیں اس میں جدا جدا
آیا ہے نانا جان سے مجھ خستہ جاں تلک
پہنچے گا تم سے مہدی آخر زماں تلک

تکلیف ہر امام کی ہے اس میں حسبِ حال حیدرؑ کو حکم خانہ نشینی تھا تیس سال
بھائی کو بہرِ صلح تھا فرمان ذوالجلال کارِ حسینؑ پائے گا خنجر سے انفصال
وہ بولا میرے واسطے کیا اے امام ہے
فرمایا تازیانے ہیں اور قیدِ شام ہے

یہ کہتے تھے کہ جانبِ پہلو پڑی نظر دیکھا سکینہ روتی ہے پٹکے پہ رکھے سر
اور ہاتھوں پر لپیٹا ہے دامن کو کھینچ کر فرمایا چھوڑ دو کہ مسافر ہے یہ پدر
بی بی کے دادا جان کے گھر آج جاتے ہیں
جاتے ہیں اور تمھیں بھی وہیں ہم بلاتے ہیں

القصہ اُس کو دے کے تسلی ہزارہا رخصت ہوا سکینہؑ سے فرزند مرتضاؑ
ماتم سرا تھا پھر تو خطابِ حرم سرا مدت کا گھر بسا ہوا اک دم میں لٹ گیا

اکبرؑ بڑھے جناب کا رہوار لانے کو
فضہ کھڑی تھی خیمہ کا پردہ اٹھانے کو
تشریف جانبِ درِ دولت حسینؑ لائے فضہ نے بارگاہ کے پردے اُدھر اٹھائے
خدام پنج نوبتِ حشمت بجاتے آئے باہر تو واہ واہ تھی اور گھر میں ہائے ہائے
یوں مہر بے فروغ تھا آگے جناب کے
جیسے چراغ دن کو حضور آفتاب کے
بھولا طلوعِ صبح کے جلوے کو روزگار خود صبح دیکھنے لگی شبیرؑ کی بہار
رکھ کر جبیں پہ پنجۂ خورشید زرنگار فضہ کی طرح صبح نے مجرے کیے ہزار
خطِ شعاع صبح کے دستِ نیاز تھے
شہ کی بلائیں لینے کو ہردم دراز تھے
مجرائی بارگاہِ میں آئے اِدھر اُدھر نذرانہ ایک ہاتھ میں تیغ ایک میں سپر
یہ ماہر و بحال تھے اور برطرف قمر کہنے لگی زمین فلک سے پکار کر
لا گوہرِ نجوم تصدق کو درج سے
حیدرؑ کا آفتاب نکلتا ہے بُرج سے
مثلِ براق نازکناں آیا ذوالجناح خیر العمل قیام تو سرعت علی الفلاح
یوں نعرہ زن تھا جیسے موذن علی الصباح انجم کو سجدہ نعل کی محراب میں مباح
دل چرخ پنبہ پوش کا اُس سے دھڑکتا تھا
شعلہ تو وہ نہ تھا پہ ہوا سے بھڑکتا تھا
لپٹے ہوئے رکاب وعناں سے تھے شاد شاد پیرانِ باکمال و جوانانِ نامراد
یہ دیکھ کر سوار ہوئے شاہ خوش نہاد لیکن رکاب تھامنا زینبؑ کا آیا یاد
سر کھول کر بہن یہ پکاری حسینؑ کی
یارب دکھانا پھر بھی سواری حسینؑ کی

پھر تو ہزاروں ہاتھ اُٹھے رن میں ایک بار   غل پڑگیا وہ نائبِ حیدرؑ ہوا سوار
ہاں یارو مورچوں سے خبردار ہوشیار   سنگِ فساں سے فوج نے خنجر لیے اتار
عباسؑ شہ کے سر پہ علم کھولنے لگے
بڑھ کر نقیب پیش نگہ بولنے لگے

عصمت سرا سے جب کہ برآمد ہوئے جناب   عباسؑ لائے مرکبِ ابن ابوترابؑ
حاصل جُدا جُدا کیا ایک ایک نے ثواب   چومے عناں نے ہاتھ گری پاؤں پر رکاب
جب زین ذوالجناح پہ صابر مکیں ہوا
غل تھا کہ عرش عرش پہ کرسی نشیں ہوا

رن کو رواں سواری سلطانِ دیں ہوئی   لبیک کہہ کے پشت پہ فتح مبیں ہوئی
دوڑے جو باد پا تو ہوا سُرگیں ہوئی   پیچیدہ بوریے کی طرح سے زمیں ہوئی
تقسیم سرمہ گردِ سواری نے کردیا
شیشہ فلک کا کحل جواہر سے بھر دیا

جلوہ فلک فلک تھا تجلی زمیں زمیں   مجرا قدم قدم تھا تو سجدہ جبیں جبیں
جنات دور دور ملائک قریں قریں   خورشید ذرہ ذرہ تھا سایہ کہیں کہیں
باطل کو حق نے بسملِ تیغِ غضب کیا
ایماں نے بڑھ کے کفر سے جزیہ طلب کیا

سب ماہرو تھے شاہ پہ ہالہ کیے ہوئے   مرنے پہ دل دیے ہوئے باگیں لیے ہوئے
جامِ ولائے ساقیِ کوثر پیے ہوئے   لب ہائے شکوہ روزِ ازل سے سیے ہوئے
آ آ کے معرکے میں برابر کھڑے ہوئے
نولاکھ کے حضور بہتر کھڑے ہوئے

اللہ رے حسنِ یوسفؑ بازار حیدری   اللہ مشتری تھا تو جبریلؑ جوہری
پھرتے تھے گرد سر کے چہ زہرہ چہ مشتری   گرتے تھے پاؤں پر چہ سلیماں چہ لشکری

قیمت کے درجے حسن وفا نے سوا کیے
بیعانہ میں خدا نے دوعالم کیے

یوں شہ نے کی درست صف میمنہ نخست جس طرح دوش راست پہ نیکی نویس چست
باندھا جو میسرہ تو ہوا کفر اور ست پھر قلب فوج یادِ خدا سے کیا درست
کیا کہیے کیا یہ لشکر قدرت شکوہ تھا
گلشن تھا آسمان تھا دریا تھا کوہ تھا

آقا تھے روح چار عناصر یہ جاں نثار ایک ایک ہشت کشورِ جنت کا تاجدار
یوں شہ سے وصل ان کی صفوں کا تھا آشکار جس طرح ایک لفظ حسینؑ اور حرف چار
جیسے خلاصہ چار ملکؑ ذوالجلال کے
ویسے یہ چار غول شہِ خوش خصال کے

وہ تن پہ زیبِ اسلحہ وہ صف کشی کی شان وہ حیدری جوان وہ پیغمبری نشان
وہ سامنے فرات وہ سوکھی ہوئی زبان وہ حق کے مہمان فضا ان کی میہمان
شہ کے محب حبیب رسولؐ زمن کے تھے
بلبل تھے اس چمن کے تو پھول اُس چمن کے تھے

بہر زِرہ وہ تیغوں کے جوہر اتارلیں شیر خدا سے داد دم گیر دار لیں
بہر رکاب دیدۂ اسفندیار لیں ان کے غلام رستم دستاں کو مارلیں
غالب بلند و پست پہ تھے دوجہاں میں
گردوں کمند میں تھا زمیں تھی کماں میں

کلمہ حسینؑ کی وہ محبت کا پڑھتے تھے کیا ذہن تھا لکھا ہوا قسمت کا پڑھتے تھے
میکالؑ خطبہ ان کی فضیلت کا پڑھتے تھے جبریلؑ صیغہ ان کی اخوت کا پڑھتے تھے
وہ خاص جاں نثار شہِ خاص و عام تھے
حوریں خواص خاص تھیں غلماں غلام تھے

فارغ نماز و روزہ و حج و زکوۃ سے عصیاں سے یوں علیحدہ دن جیسے رات سے
مرنے سے شاد جیسے کہ دولھا برات سے دنیا سے یوں کنارے تھے جیسے فرات سے
کوثر سے یوں قریب تھے جیسے حسینؑ سے
دل آفتاب نورِ شہِ مشرقین سے

ناگاہ مثلِ موج بڑھی فوجِ بدشعار کالے نشان کھولے ہوئے سب سیاہ کار
اک سمت کوستاں پہ سناں مثلِ شاخسار اور اک طرف سپر پہ سپر شکل لالہ زار
قرناں ہوئی پیادوں میں ڈنکا رسالوں میں
لعنت کا نقش مُہر میں دوزخ قبالوں میں

آہنگ جنگ پر ہوئے آہنگ جابجا بغدادیوں نے نغمہ قانوں کیے ادا
کی رومیوں نے بانگ نئے وچنگ برملا ناساز طبع شرع وہ ہر ساز کی صدا
صحرا کا سینہ شورِ دُہل سے دہل گیا
میداں صدائے گرم جلاجل سے جل گیا

مثلِ نظر حیا ہوئی چشم عمر سے دور ایماں کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا شعور
جوڑا شقی نے تیر سوئے شاہِ بے قصور روحِ بتولؑ رونے لگی باپ کے حضور
بولی نہ رحم آیا میرے نورِ عین پر
لو بابا تیر پڑنے لگے اب حسینؑ پر

ہادی چلا ہدایتِ امت کے واسطے یعنے ادائے خطبۂ حجت کے واسطے
غازی پرے سے نکلے حفاظت کے واسطے شہ بولے ہے خدا تو حمایت کے واسطے
ٹھہرو کہ آبرو میں نہ میری خلل پڑے
ایسا نہ ہو کہ خیمے سے زینبؑ نکل پڑے

یوں ظالموں سے فرق پہ ٹھہرے شہِ ہُدا جس طرح دور کافروں سے رحمتِ خدا
بولے عُمر سے حق خلیقہ کیا ادا سیّد پہ ظلم کرنے میں کی تو نے ابتدا

ہشیار سخت محکمہ روز جزا کا ہے
یاں سامنا حسینؑ کا ہے واں خدا کا ہے

وارث ہے انبیائے اولوالعزم کا حسینؑ
حجت ادا وہ جنگ میں کرتے تھے مثلِ دین
ہے نورِ عین شیرِ خدا پر بھی فرض عین
اظہار امر و نہی خداوند مشرقین
لازم ہے پند و وعظ کہ دن ہے وفات کا
یہ جمعہ آخری ہے ہماری حیات کا

چن لے سپاہ میں فصحائے عرب کو اب
ہاں قاریانِ کعبہ کو بھی کر تو منتخب
تفسیر داں حدیث شناس آئیں سب کے سب
مہمان خشک لب سے سنیں لہجہ عرب
میں کاشفِ علوم ہوں خالق علیم ہے
داؤد کی زباں ہے بیانِ کلیم ہے

ہر فرد کی عمر نے پڑھی فردِ خال و خط
چیدہ رسالوں سے فصحا کو کیا فقط
آگے بڑھے وہ ناز سے سحبان کی نمط
یکجا ہوئے جو قاریِ قرآں تھے خود غلط
بر میں حمائلوں کو حمائل کیے ہوئے
قتلِ امام کے لیے خنجر لیے ہوئے

ان دو گروہوں نے تو کیا راس و چپ مقام
سب اہلِ شام وکوفہ بڑھے سننے کو کلام
کی عرض یہ عمر نے کہ بسم اللہ اے امام
جنبش میں آئے لعل لب شاہ تشنہ کام
قدرت کے گل کھلے چمن کائنات میں
غنچے سے پھول جھڑنے لگے بات بات میں

پہلے خطاب قاریوں سے شہ نے یہ کیا
قرآں کے حفظ کرنے میں ہو وقف دائما
پر حفظ آبروے پیمبرؐ نہیں ذرا
معنی کو چھوڑ کر ہوئے حرف آشنا تو کیا
مصحف ہے کیا ولا شہِ بدر و حنین کی
ترتیل کیا ہے رتبہ شناسی حسینؑ کی

مقروض ہوں کسی کا نہ تقصیر وار ہوں پھر کیا سبب جو نزغۂ لیل و نہار ہوں
واجب ہے مجھ پہ رحم کہ محزون و زار ہوں یارو عیال دار ہوں اور بے دیار ہوں
تم لوگ کچھ خدا و نبیؐ سے بھی ڈرتے ہو
کس کا کیا ہے خوں جو مجھے قتل کرتے ہو

بیجا اگر کہوں تو نہ مانو گلا نہیں مہماں یہودیوں کا بھی پیاسا رہا نہیں
ہوکر محمدی تمھیں خوفِ خدا نہیں مجھ کو حیا ہے کہنے میں تم کو حیا نہیں
آب و طعام چین سے سب نوش کرتے ہیں
سادات آج تیسرے فاقہ سے مرتے ہیں

ہوجاتی ہے بشر سے خطا اب بھی باز آؤ توبہ کرو خدا سے ڈرو مجھ سے ہاتھ اٹھاؤ
بالفرض مجھ سے بغض ہے بچوں پہ رحم کھاؤ جن کی غذا ہے دودھ انھیں پانی تو پلاؤ
جھولے میں چھ مہینے کا معصوم غش ہے آہ
فاقہ ہی فاقہ آہ عطش ہی عطش ہے آہ

طوبیٰ ہے جس کا میوہ وہ باغ عطا ہوں میں کوثر ہے جس کا قطرہ وہ بحرِ سخا ہوں میں
پیرو ہے جس کا قبلہ وہ قبلہ نما ہوں میں حاجی ہے جس کا کعبہ وہ بیت خدا ہوں میں
جس کا لقب دوا ہے میں وہ درد ناک ہوں
جس کا اثر شفا ہے میں وہ خاک پاک ہوں

بابا مرا رسولؐ کا قائم مقام ہے نانا مرا رسول علیہ السلام ہے
کلمہ میں اور اذاں میں مرے جد کا نام ہے نام نبیؐ کے بعد علیؑ لا کلام ہے
ماں وہ کہ جس پہ زہد وورع کا ہے خاتمہ
ہے بعد ہر نماز کے تسبیح فاطمہؑ

لو بولو نام شرع مٹاتے ہو تم کہ ہم ایماں کا آفتاب چھپاتے ہو تم کہ ہم
کعبہ کو روز جمعہ گراتے ہو تم کہ ہم زہراؑ کو صبح عید رُلاتے ہو تم کہ ہم

عاجز نہ جانیو میں قوی ہوں دلیر ہوں
جو کبریا کا شیر ہے میں اُس کا شیر ہوں
گر حکم دے زمین کو ابن ابوترابؑ قاروں کی طرح تم کو نگل جائے وہ شتاب
چاہوں تو میرے نیزے پہ آجائے آفتاب تم سب کے سب ہو آتشِ خورشید سے کباب
چشم کرم حسینؑ جو امت سے پھیر لے
یہ نہر علقمہ ہی ابھی سب کو گھیر لے
ہر لفظ کے امام نے معنی دکھا دیے دریائے علم خشک زباں سے بہا دیے
نام اپنے مُہروں سے فصحا نے مٹا دیے سر قاریوں نے شرم و حیا سے جھکا دیے
پھر یک زباں یہ کہنے لگے سب پکار کر
حاکم کو نذر دیں گے یہی سر اُتار کر
فرمایا خیر حق سے ہے پیارا نہ گھر نہ سر تم پر ہوا نہ وعظ و نصیحت کا کچھ اثر
مطلب تھا ہم کو جس سے وہ اس دم ہے راہ پر جو حیدری تھا ہوگیا ایماں سے بہرہ ور
بولا عمر اِدھر کوئی ایسا جری نہیں
سب دوست ہیں یزید کے اک حیدری نہیں
شہ نے کہا یہی تو ہیں اسرارِ کردگار جو وہم میں نہ آئے وہ ہوجائے آشکار
حیدرؑ کے نام سے تو دوعالم ہیں برقرار ہے انبیا کو ان کی ولایت سے افتخار
بے مرتضیٰ رسولوں کی پیغمبری نہیں
وہ بندۂ خدا نہیں جو حیدری نہیں
یہ کہہ کے اپنی فوج کی جانب پھرے امام واں مورچے بڑھا کے بڑھی آگے فوج شام
لشکر میں حرؑ کا جسم لرزنے لگا تمام آقا کی باتیں سنتے ہی وہ ہوگیا غلام
آنے لگی بہشت کی نکہت دماغ میں
حوریں پکارنے لگیں جنت کے باغ میں

آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا دیکھا یہ اس گھڑی فوجِ حسینؑ عرش کے پہلو میں ہے کھڑی
قوم یزید قعر سقر میں نظر پڑی آتش کے طوق پہنے اور آتش کی ہتھکڑی
یوں تھرتھرا کے خاک پہ حُر یک بیک گرا
گویا زمیں پہ اپنی جگہ سے فلک گرا

آواز دی غلام کو آمجھ کو تھام لے مشکل کا وقت ہے شہِ مرداں کا نام لے
دریا پہ چل سمند کی میرے لگام لے اللہ ان لعینوں سے جلد انتقام لے
دردا جدا مسیح سے یہ دردمند ہے
کیا جانے بابِ توبہ کھلا ہے کہ بند ہے

فی الفور لے کے نام شہنشاہ ذوالفقار رہوار پر غلام نے حر کو کیا سوار
دریا پہ غسل توبہ کو آیا وہ نامدار آئی یہ گوشِ دل میں صدا دیکھ ہوشیار
دریا میں غسل کیجیو پانی نہ پیجیو
اور پیجیو تو خواہشِ کوثر نہ کیجیو

حُر نے کہا خدا کی طرف سے ہے یہ ندا پھر بادپا کے منہ سے لگام اُس نے کی جدا
پانی لگا پلانے تو گھوڑے نے دی صدا آقا نہیں نہیں نہ پلا وامحمدا
پیاسا جناب صاحبِ دلدل کا لال ہے
پانی بھلا حرام ہے اب یا حلال ہے

شاباش کہہ کے گھوڑے کو اترا وہ نامدار کھولے سلح اتاری قبا تن سے ایک بار
دریائے معرفت ہوا دریا سے ہمکنار غوطہ لگا کے ہوگیا بحر گنہ سے پار
نکلا تو غرق دوستی پنجتن میں تھا
حرفِ گنہ نہ پھر کسی جزوِ بدن میں تھا

لیکن لباس کرنے لگا جبکہ زیب تن اک ہاتھ واں ہوا سے ہوا آ کے ضوفگن
اُس ہاتھ پر دھرا ہوا اجلا سا پیرہن ہاتف نے دی ندا کہ مبارک پہن پہن

اب تو خدا کے ساتھ خدا تیرے ساتھ ہے
یہ حلہ جناں ہے یہ حیدرؑ کا ہاتھ ہے

خوش ہو خدا کے ہاتھ سے تیرا ہر ایک کار   اب جلد آ علیؑ کو ہے کوثر پہ انتظار
حوریں ترے فراق میں ہیں کب سے بے قرار   ہاں جانِ فاطمہؑ پہ دل و جاں سے ہو نثار
خلعت تو پایا فاتح بدر و حنین سے
رومال فاطمہؑ کا ملے گا حسینؑ سے

حرؑ نے زمین پر سرِ سجدہ جھکا دیا   دستِ خدا نے حلّہ نورِ خدا دیا
تن پر سنوار کر یہ عمر کو سنا دیا   دیکھا کہ اپنے عبد کو مولا نے کیا دیا
معلوم ہوگیا اثر گفتگوئے شاہ
بندہ وہ حیدری ہے کہ جاتا ہے سوئے شاہ

ہاں اہل شام روک تو لو تم مجھے بھلا   یہ سن کے سدِ راہ ہوئی فوجِ اشقیا
فردوس کی ہوا میں اڑا حُر کا بادپا   جیسے کڑی کمان کا ناوک یہ جادہ جا
پھر یہ بلند قدر کجا وہ لعیں کجا
حقا کہ آسمان کجا اور زمیں کجا

غل تھا کہ مشرکوں سے مسلماں جدا ہوا   ظلمت سے نور کفر سے ایماں جدا ہوا
نصرانیوں سے عیسیٰؑ دوراں جدا ہوا   بادل سے آفتاب درخشاں جدا ہوا
گرتا ہوا علیؑ کی مدد سے سنبھل گیا
عقرب سے چاند چاہ سے یوسفؑ نکل گیا

دریا کی طرح موج پہ تھی فوج اہلِ نار   اُس میں مگر نہنگ تھی ہر تیغ آبدار
حُرؑ حُبّ اہلِ بیتؑ کی کشتی پہ تھا سوار   جن کا کہ ناخدا تھا خدا وہ بزرگوار
کوسوں کنارے ظلم کے گرداب کر گئے
غل تھا وہ رودِ نیل سے موسیٰؑ گزر گئے

تیغوں کے شعلے لپکے بڑھے گبر بد سیر — کی حُر کے گرد آتشِ نمرود شعلہ ور
پہنچا نہ ہاتھ شعلے کا تا گردن و کمر — ہنگام جست مرکبِ حر بن گیا شرر
مژدہ دیا سروش نے یہ جبرئیل کو
پھر آگ سے علیؑ نے نکالا خلیلؑ کو

ڈھالوں کا ابر بڑھتے ہی رہوار کے گھٹا — پانی ہو جیسے جلوۂ خورشید سے گھٹا
پر وہ کتان گرد کا اس چاند سے پھٹا — بدلی نگہ جو حر کی تو کوسوں فلک ہٹا
دو لاکھ بجلیاں تھیں اور اک یہ نہال تھا
دل باوفا کا فضلِ خدا سے نہال تھا

پہنچا قریب فوج خدا جب وہ باوفا — چرچا ہوا حسینؑ کے لشکر میں جابجا
ہشیار اے امام کے اصحاب و اقربا — ہاں نیزے تانو تیغیں سنبھالو غضب ہوا
آتا ہے وہ فرس کی ادھر باگ پھیر کے
لایا ہے کربلا میں جو سیّد کو گھیر کے

زینبؑ کے کان میں یہ خبر پہنچی ناگہاں — بیتاب ہو کے ڈیوڑھی پہ آئی وہ خستہ جاں
رو کر پکاری اکبرؑ و عباسؑ ہیں کہاں — جان حسینؑ کے رہیں مل کر نگاہباں
کہہ دو وہ میرے شیروں سے سینہ سپر کریں
میں دودھ بخشتی ہوں نثار اپنے سر کریں

یاں حرؑ کو روکا ہاشمیوں نے ادھر اُدھر — پوچھا کدھر کدھر ہمیں بتلا ٹھہر ٹھہر
رستہ میں ہاتھ ڈالا تھا حضرت کی باگ پر — اب کیا خیال بے ادبی ہے بیاں کر
زینبؑ کے شیر نیمچے چھونٹے سے تول کر
للکارے پہلے تیغ و سپر رکھ دے کھول کر

حُر کو بھی جوشِ الفت شبیرؑ آگیا — آواز دی کہ روکنے سے کیا ہے مدعا
تقصیر وار ہوں تو جناب حسینؑ کا — چاہیں بحل کریں مجھے چاہیں وہ دیں سزا

جو میں وہ تم غلامِ امامِ کریم ہو
فرق اتنا ہے جدید ہوں میں تم قدیم ہو

خود منفعل ہوں مجھ کو گنہ کا نہ طعنہ دو ٹکڑے کرو تو عذر نہیں اس غلام کو
جن کا گناہگار ہوں پر ان سے پوچھ لو مالک تو نیک و بد کے ہیں سلطان نیکخو
آقا کے پاؤں پڑ کے خطا بخشوانے دو
میں اپنا خون کرتا ہوں اچھا نہ جانے دو

کھل جائے گا سلام ہی سے پرورش کا حال منہ پھیر لیں حضور تو خوں ہے مرا حلال
پھر یاس سے پکارا کہ اے فاطمہؑ کے لال ہر غم ہی میں کھڑا رہوں کیا میں شکستہ بال
بولے حسینؑ غازیو کیا تم کو دھیان ہے
یہ میری جان ہے یہ مرا میہمان ہے

اپنے قصور پر اُسے خود اعتراف ہے الزام دینا میری حیا کے خلاف ہے
یہ تو ہے نیک بد سے بھی دل اپنا صاف ہے کیسا گناہ کیسی خطا سب معاف ہے
جانے دو یارو ذکر گذشتہ کو جانے دو
حُر عاشقِ حسینؑ ہے آنے دو آنے دو

یہ سُن کے شہ کے گرد پھرے شہ کے خیر خواہ لائے ہزار عز و شرف سے حضور شاہ
گھوڑے سے پائے شہ پہ گرا وہ بہ اشک و آہ بولا کلام لطف نے کلمہ پڑھایا واہ
حُرؑ کو ہراولی سے سر افراز کیجیے
مسلم کیا تو رتبہ مسلم بھی دیجیے

پہنے جو ہوں میں حلّہ وہ حیدر کی ہے عطا اب منتظر ہیں بندے کے کوثر پہ مرتضیٰؑ
کہنے لگے لپٹ کے گلے سے شہِ ہُدا ہے ہے مرے رفیق تو کیا آیا کیا چلا
مہمان ابھی تو تیری مدارات چاہیے
کی عرض اُس نے خلد کی سوغات چاہیے

فضہ پکارتی ہوئی یہ آئی ناگہاں لوگو! مری خوزادی کا مہمان ہے کہاں
دروازے پر بلاتی ہے مخدومۂ جہاں عابدؑ کو تپ ہے وہ نہیں آسکتے ہیں یہاں
اکبرؑ کے پیار سے نہیں کم اُس کا پیار ہے
زینبؑ بلائیں لینے کی امیدوار ہے

آقا کے ساتھ حر سوئے عصمت سرا چلا شہزادی کے سلام کو جھکتا تھا جابجا
زینبؑ بلائیں لیتی تھیں اور دیتی تھیں دعا آیا جو در پہ کہنے لگی بنتِ مرتضاؑ
انجام نیک ہوتا ہے ہر نیک ذات کا
پر کہہ کہ کیا سبب ہوا تیری نجات کا

سر سے عمامہ پھینک کے حُر نے کہا کہ آہ کوفہ سے جب چلا میں سوئے شاہِ دیں پناہ
دیکھا یہ خواب میں شب اول خدا گواہ گھوڑے کا میرے نعل گرا درمیانِ راہ
بازار میں گیا ہوں میں لے کر سمندکو
اور ڈھونڈتا ہوں چار طرف نعل بند کو

میں خواب میں تھا کوفہ کے بازار کو رواں ناگاہ اک ضعیفہ نے آکر کیا بیاں
تجھ کو بلا رہی ہیں حسینؑ و حسنؑ کی ماں میں بولا تجھ کو خبر ہے زہراؑ یہاں کہاں
وہ بولی ہاتھ رکھ کے دل پاش پاش پر
سر پیٹتی ہے فاطمہؑ مسلم کی لاش پر

رویا میں اس بیان پہ رویا میں خوب سا ہمراہ اس کے ہوگیا کرتا ہوا بکا
دو اک قدم چلا تھا کہ بس دیکھتا ہوں کیا اک سبز پردہ لاشۂ مسلم پہ ہے کھنچا
پردے کے پیچھے روتی ہیں اماں جناب کی
اور ان کے ساتھ روح رسالت مآب کی

مجرے کو میں جھکا تو پکاری وہ نیک خو کیوں بھائی کچھ بتولؑ پہ احساں کرے گا تو
میں نے کہا بچشم، تو پھر کی یہ گفتگو سُن کہتی ہوں میں تیرے پیمبرؐ کے رو برو

پالا ہے لاکھ پیار سے پیارے حسینؑ کو
تو ذبح کیجیو نہ ہمارے حسینؑ کو

توبہ کی اس غلام نے یہ خواب دیکھ کر زینبؑ نے دی ندا سوئے کوفہ بچشم تر
اماں بتولؑ روتی ہو مسلمؑ کو اس قدر کیا حال ہوگا قتل جو ہوگا یہاں پسر
تنہا نہ واں ہراول لشکر کو رویئے
یاں آ کے میرے ساتھ بہتر کو رویئے

ناگہہ پڑی وداع ہراول کی دھوم دھام اکبرؑ کبھی گلے سے ملے اور کبھی امام
ڈیوڑھی پہ آکے رونے لگیں بیبیاں تمام بیمار کربلا نے یہ حُرؑ سے کیا کلام
تو نے کیا سلوک شہِ بحر و بر کے ساتھ
عابدؑ پڑھے گا تیری زیارت پدر کے ساتھ

بڑھ کر سوار ہونے لگا حرِ نامور زینبؑ کے دونوں لاڈلے آئے ادھر اُدھر
پھیلا کے کرتے اور حیا سے جھکا کے سر بولے کہ ہم نے روکا تھا تجھ کو معاف کر
تو نے کیا ہے خوش پسر بوترابؑ کو
جعفرؑ کے پوتے تھامیں گے تیری رکاب کو

رونق فزائے زیں ہوا پھر تو وہ شہسوار نصف النہار میں کیا خورشید نے قرار
روشن ہوئے چراغ رکابوں کے ایک بار روشن نگاہ فتح پکاری نقیب وار
ہیبت سے فوج اہلِ جفا زرد ہوگئی
بڑھتے ہی بادپا کے ہوا گرد ہوگئی

اب ہے یہاں اشارۂ تائید کبریا شکل ہراول شہِ دیں کھینچ کر دکھا
قربان اس اشارے کے اس لطف پر فدا اب تک کسی نے حُر کا سراپا کہا نہ تھا
گنجینہ فیض سے ہے خدا کا بھرا ہوا
مضمون تیرے حصے کا یہ تھا دھرا ہوا

رن کو رواں ہے تابعِ فرماں حسینؑ کا　　غم کھانے کو ہوا ہے جو مہماں حسینؑ کا
طوبیٰ ہے جس کو سایۂ داماں حسینؑ کا　　بو ذر ہے وہ حسینؑ کا سلماں حسینؑ کا
کیا دبدبہ ہراولِ شاہِ ہُدا کا ہے
نصرت جلو میں پشت پہ سایہ خدا کا ہے

سلماں کا فخر ہے یہ مسلمان باوفا　　سلماں سے ایک میم مسلماں میں ہے سوا
اور میم کے چہل ہیں تو حیرت کی ہے یہ جا　　سلماں سے حُر زیادہ ہے چالیس درجے کیا
سلمان سے شرف جو فزوں ہاتھ آئے ہیں
چالیس درجے حُر نے شہادت کے پائے ہیں

سلطانِ حسن، حُر کا رخ بے نظیر ہے　　اور آپ حُر غلامِ جناب امیرؑ ہے
چرخِ چہارمی پہ جو مہر منیر ہے　　اس بادشاہِ حسن کا چوتھا وزیر ہے
حُر عاشقِ حسینؑ دو عالم میں ایک ہے
خاتم فلک نگینہ قمر نام نیک ہے

ہر جزو ہے عناصر اربع کا انتخاب　　پھولوں کی خاک لعل کی آگ اور گہر کی آب
بدلے ہوا کے حرصِ تو لائے بوترابؑ　　پھر ناریوں کا قرب نہ کیوں جانتا عذاب
شرکت اب آہ و اشک میں آل عبا کی ہے
حُر کو موافق آب و ہوا کربلا کی ہے

بالذات اوج عقد ثریا نہیں ہوا　　وہ خرمن اس کے حسن کا ہے خوشہ چیں ہوا
خورشید پاؤں چوم کے گردوں نشیں ہوا　　مل کر جبیں جبیں سے فلک مہ جبیں ہوا
چہرہ ہے ایک جلوے مگر بے حساب ہیں
گویا کہ ایک صبح میں لاکھ آفتاب ہیں

پاؤں کو کوہ سر کو کہوں چرخ ہفتمیں　　یہ بات وہ ہے جس کا کہ سر پاؤں کچھ نہیں
یہ پاؤں خلد میں ہیں یہ سر نذر شاہ دیں　　آئینہ دار صبح تجلی ہے یہ جبیں

حیران حسنِ خال سے سارا زمانہ ہے
باطن میں خرمن اور یہ ظاہر میں دانہ ہے
عارض سے بدر ہوئے معارض یہ کیا مجال ابرو سے پھر کے شہر بدر ہوا بھی ہلال
کاکل سے گر کرے سر مو پیچ کا خیال فوراً گناہگار ہو سنبل کا بال بال
خورشید کو تپ آئے اگر سامنے کرے
جاتا رہے بخار جو یہ رخ دوا کرے
بینی کے گرد سر ہیں یہ ابرو جدا جدا یا شمع آفتاب کے پروانے دو ہما
پر شمع آفتاب کجا اور ہما کجا شہباز عقل صید معانی کو پھر اڑا
بینی کی ابروؤں کے تلے یہ دلیل ہے
اک شاخ سدرہ زیر پر جبرئیل ہے
محراب کعبہ لب ہیں دہن حجرۂ حرم اس حجرے میں ہیں کام و زباں معتکف بہم
دونوں خدا کے کام میں مشغول دمبدم دانتوں کے رمز سے ہوئے آگاہ خوب ہم
کرتے ہیں سجدہ کام و زباں کردگار کو
رکھے ہیں گرد موتی کے دانے شمار کو
دانتوں کو موتی کہتے ہیں اہل سخن تمام جوہر شناس کے لیے ہے بحث کا مقام
سو موتیوں سے ایک درِ دنداں کا ہو نہ کام یاقوت لب کو کہتے ہیں اس میں بھی ہے کلام
دونوں لبوں کا قند مکرر بیان ہے
یہ جان ہیں سخن کی سخن ان کی جان ہے
پیش بیاض گردن حُرِ صبح جیسے شام شمع حرم جھکائے ہے یاں گردن سلام
صبح گلو پہ نور کے درجے ہیں سب تمام رومال فاطمہؑ کا ہے باقی فقط مقام
بس نور کو تو نور کا پیوند چاہیے
رومالِ فاطمہؑ کا گلوبند چاہیے

ہاتھوں کو شاخ سرو بتاتے ہیں خاص و عام بندے نے اس مثال کو لیکن کیا سلام
شاخوں میں سرو کی نہیں پھل بھی برائے نام یہ ہاتھ وہ ہیں جن میں کہ ہے دامنِ امام
قامت سے مہر رخ کی تجلی دوچند ہے
خورشید حشر اک قدِ آدم بلند ہے

آنکھوں کے حلقے اب میں زرہ میں لگاتا ہوں سنبل کی سیر کے لیے آنکھوں سے جاتا ہوں
سیماب سے زرہ میں سوا جلوہ پاتا ہوں تن حُر کا آئینہ ہے قسم اس پہ کھاتا ہوں
دیکھو بدن پہ اس زرۂ خوشنما کی شان
سیماب آئینہ پہ ہے قائم خدا کی شان

چار آئینے ہیں حر کے شرف پر گواہ چار دیتے ہیں شاہدی کہ زہے حُر نامدار
ہمعصر چار امام کا ہے یہ وفا شعار نائب پسر کو کر چکے ہیں شاہ باوقار
اب تک علیؑ سے تا بہ علیؑ اس زمانے میں
دیکھے ہیں چار امام نبیؐ کے گھرانے میں

شیریں ادا وہ رخش پری رو ہے زیر راں کوڑے کا دھیان لائے جو راکب تو یہ کہاں
چلنے میں چھوڑ دیتا ہے یہ حد آسماں یعنی کہ تازیانے کی صورت ہے کہکشاں
دم بھر بھی آشنا یہ نہیں غرب و شرق کا
دل سوز ہے ہوا کا ہوا خواہ برق کا

پرکار سے یہ کاوے میں جولاں زیاد ہے رہوار کو براق کی پروا زیاد ہے
ہنگام پو یہ کشتیِ بادِ مراد ہے چکرائی جس سے فوج یہ وہ گرد باد ہے
گرمی میں آگ ہے تو یہ نرمی میں خاک ہے
عیبوں سے مثل آب رواں صاف و پاک ہے

ہر صف میں غل تھا کون ہے یارب یہ باوقار یوسف کا ہم وطن کہ سلیماں کا ہمدیار
بو ذر کا ہم نسب ہے کہ سلماں کا رشتہ دار ایراں کا پہلواں کہ عرب کا ہے شہسوار

حُر کو کبھی نہ دیکھا تھا اس زیب و زین سے
انساں فرشتہ بن گیا مل کر حسینؑ سے

گردن بلا کے شہ کے ہراول نے دی ندا یارو بس ایک کلمہ حق تم سے یہ سنا
میں وہ ہی خاک ہوں وہی ذرہ جو آگے تھا خوشبو ہے یہ حسینؑ کی جلوہ حسینؑ کا
غالب نہ کیوں ہو نور جبیں آفتاب پر
سجدہ ابھی کیا ہے درِ بوترابؑ پر

سمجھا عمر کہ نرم ہوا کچھ دلِ سپاہ بولا پئے تسلی لشکر وہ روسیاہ
کچھ کم نہیں کسی سے تمھارا بھی بادشاہ ہاں سرفروشو جہد کرو ہے جو حُبِ جاہ
حُر کو حسینؑ تم کو مبارک یزید ہو
اب دن نہ ڈھلنے پائے کہ سید شہید ہو

فولاد پوش بصرہ و روم و عراق و شام نکلے پروں سے تانے ہوئے نیزہ و حسام
گرز و کماں کمند و تبر زیں لیے تمام پڑھنے لگے نقیب نسب نامے نام نام
لشکر تھا کہ آگ کا دریا تھا جوش میں
نقارے شور میں تھے کہ بادل خروش میں

غواص تیغ حُر کا برائے شناوری عریاں ہوا قبائے نیام اک طرف دھری
پر تھی اسی کے قبضہ میں سب خشکی و تری ہیبت سے پانی ہوگئی سدِ سکندری
تیغ رواں کا فوج کے گرد آب ہوگیا
لشکر کا حلقہ حلقۂ گرداب ہوگیا

اللہ رے شناورِ شمشیرِ آبدار دکھلا دیے صفائی کے سب ہاتھ ایک بار
دریائے خوں میں دھوم ہوئی اُس کی وار پار جوہر کا ایک بال بھی ڈوبا نہ زینہار
خود وجد حُر کے دل کو صفا دیکھ کر ہوا
ہاتھ اک طرف نہ تیغ کا ناخن بھی تر ہوا

ڈر ڈر کے آب تیغ سے سب کوچ کر گئے　　غصہ سے ہو کے چیں بجبیں کچھ ٹھہر گئے
پل بن گئی وہ چین جبیں سر اتر گئے　　اک وار میں فرات کے پار ان کے سر گئے
حیرت سے جاں فنا ہوئی قالب کھڑا رہا
کشتی تو غرق ہوگئی لنگر پڑا رہا

حُر حملہ ور ہوا کہ اسد حملہ ور ہوا　　وہ حملہ ور اُدھر اِدھر اسلام ور ہوا
سرگرم معرکہ سرِاعداد اگر ہوا　　وہ گُل کھلا کہ لالۂ کہسار سر ہوا
اہلِ حسد کو درس اُدھر آہ آہ کا
حورو فلک کو ورد ادھر واہ واہ کا

ہمدم دمِ حسام کا اعدا کا دم ہوا　　درد و الم سوا ہوا آرام کم ہوا
صمصام سکہ اور دلِ اعدا درم ہوا　　وہ دل اگر درم ہوا مالِ عدم ہوا
مداح حُر کا سرورِ والا گہر ہوا
معدوم عہدِ عمر گروہِ عمر ہوا

اتنی شرر فگن ہوئی شمشیر شعلہ تاب　　دوشِ ہوا پہ جل گئی بارانیِ سحاب
مرغابیاں ستاروں کی گردوں پہ تھیں کباب　　گرمی کے مارے تھا لبِ دریا پہ آب آب
غل تھا کہ آج تیغِ شرر دم کے ہات سے
پانی بھی ہاتھ دھوئے گا اپنی حیات سے

دلسوز اشقیا جو بنی تیغ برق دم　　پھر اُن کے حال پر نہ ہوئی چشم زخم نم
نکلا دہن کے زخموں سے یوں دودِ دل بہم　　جاڑے میں جیسے منہ سے دھواں نکلے صبح دم
دم اُس دھوئیں کے ساتھ سفر کو ہوا ہوا
اور پیچھے پیچھے جسم بھی پہنچا اُڑا ہوا

سرداروں پر جو وار کیا کہہ کے یا حسینؑ　　زائل کیا سروں سے غرور اور دلوں سے چین
کل تین حرف تیغ میں تھے تا و یا و غین　　تعظیم ان کی ہوگئی اعدا پہ فرض عین

سر تن سے تن قدم سے قدم خاک سے اٹھا
اک شور واہ واہ کا افلاک سے اٹھا

اتنے میں نیزہ دار بڑھے تان کر سناں   ہر نیزہ اژدہے کی طرح صاعقہ فشاں
نیزہ لیا جو حُر نے اماں بولی الاماں   تہ کی فلک نے رستم دستاں کی داستاں
نیزہ علم ہوا تو سناں کی زباں سے
باتیں زمین کرنے لگی آسمان سے

کاندھے پہ رکھ کے نیزے بڑھا شیر نیزہ دار   نامِ امام لے کے کیا نیزہ کا جو وار
مانند تار سبحہ ہوا سو دلوں کے پار   دل درکنار جان ہوئی اُس سے ہمکنار
نیزہ کی زد پہ غش ہوا ہر تن سپاہ میں
اور سر تو لوٹ لوٹ گئے گر کے راہ میں

چمکایا جس نے نیزہ کو دوڑا کے راہوار   تو سن کے سینے سے ہوا یوں نیزہ حر کا پار
سینہ لیا سمند کا اور گردنِ سوار   جس طرح ایک شیر کے قابو میں دو شکار
رہوار تو زمین سے اسوار زین سے
یوں اڑ گئے کہ گرد نہ اٹھی زمین سے

خالی ہوا سپاہ سے جب عرصۂ قتال   آقا کے دیکھنے کو پھرا حر خوش خصال
شمشیر و نیزہ ہاتھوں کے اندر لہو سے لال   تن تیروں سے چھنا ہوا دل سینہ میں نڈھال
حضرت پکارے صاحب شمشیر آگیا
روباہوں کو بھگا کے مرا شیر آگیا

حُر نے کہا جو پانی ذرا سا ہو مرحمت   تو چھین لوں یزید کا میں تخت سلطنت
بولے حسینؑ پھر ہمیں کیا اس سے منفعت   بہتر یہی ہے جو مرے مالک کی مصلحت
یہ کہہ کے حُر کی پیاس کو شہ نے بجھا دیا
اک سیب خلد ہاتھ میں تھا وہ سنگھا دیا

حُر شہ کے پاؤں چوم کے رن کی طرف چلا　　شقہ علم کا کھول کے عباسؑ نے کہا
دم لے علم کے سایہ میں پھر کیجیو وغا　　حُر نے کہا نہیں مجھے اب ہونے دو فدا
آقا علم کے سایہ میں مجھ کو بٹھاتے ہیں
حیدرؑ بزیرِ سایۂ طوبیٰ بلاتے ہیں

بولے حسینؑ جا مرے مہمان الوداع　　اے میرے بوذرا اے مرے سلمان الوداع
اے میرے جاں نثار مری جان الوداع　　حامی خدا رسولؐ نگہبان الوداع
بابا سے کہیو پیاسے کا لشکر بھی آتا ہے
بھر رکھیے کوزے دودھ کے اصغرؑ بھی آتا ہے

مشتاق مرگ رن میں گیا حُر باوفا　　جلادوں کو پکارا کہ اب سر کرو جدا
لو میں نے وقف راہِ حسینؑ آپ کو کیا　　تن ہو کہ سر ہو دل ہو کہ سینہ ہو سب فدا
لے لو قسم غریبیِ سبطِ رسولؐ کی
لو نیزے مارو میں نے شہادت قبول کی

یہ کہہ رہا تھا ظالموں سے حر نامور　　جو آیا چھپ کے پشت پہ سفیان کا پسر
برچھی غضب کی اُس نے لگائی وہ تان کر　　جس کی انی ہوئی جگر حُر پہ کارگر
فوارہ خونِ دل کا بہا آہ زین پر
اور یا حسینؑ کہہ کے گرا وہ زمین پر

دوڑے پیادہ کہہ کے یہ ہمشیر سے امام　　زینبؑ تمھارے بھائی کا مہماں ہوا تمام
سیدانی پیٹنے لگی لے لے کے حُرؑ کا نام　　آقا کے گرد و پیش چلے حیدری غلام
یوں شاہ بیقرار تھے مہماں کے واسطے
یعقوبؑ جیسے یوسفؑ کنعاں کے واسطے

مقتل میں آکے دیکھتا کیا ہے علیؑ کا لال　　اک شیر جھومتا ہے دو زانو لہو میں لال
ہاتھوں میں ڈھال ڈھال پہ سر ضعف سے نڈھال　　ہالے میں چاند خون کے تھالے میں ہے نہال

دل کو وفور درد سے ہے قصد آہ کا
لیکن وہ نام لیتا ہے شیرِ آلہ کا

پھیلا کے ہاتھ شہ نے کہا جا کے متصل اٹھ میری جان اُٹھ مرے مہمان مجھ سے مل
وہ بولا آہ اٹھنے نہیں دیتا درد دل اکبرؑ کا واسطہ مجھے فرمائیے بحل
تڑپا پھر اس طرح پہ کہ ہر زخم پھٹ گیا
آنکھوں کی پُتلی پھر گئی اور دم اُلٹ گیا

عارض پہ حُرؑ کے شاہ نے عارض کو رکھ دیا آغوش میں ہراولِ مجروح کو لیا
حُرؑ نے اشارہ خیمۂ سادات کا کیا مہماں کو لے چلا پسرِ شیر کبریا
اصحاب گرد لاش کے تھے شور و شین میں
حُر مسکرا رہا تھا کنارِ حسینؑ میں

کہتے ہیں جب قریب رہی شہ کی بارگاہ آغوشِ شہ میں رونے لگا جاں نثارِ شاہ
پوچھا رفیقوں نے تو یہ بولا وہ خیر خواہ اک آرزو بڑی رہی جاتی ہے آہ آہ
کمزور پیاس سے مرا آقا ہے کیا کروں
آقا پہ میرے تیسرا فاقا ہے کیا کروں

اصحاب نے کہا کہ بجا لائیں مل کے ہم پر تو بھی جانتا ہے کہ پانی نہیں بہم
کیا آرزو ہے کہہ تجھے شبیرؑ کی قسم وہ بولا کوئی دم کا ہے مہمان میرا دم
ہاتھوں پہ اپنے رکھ لو تن پاش پاش کو
خیمہ کے گرد لے کے پھرو میری لاش کو

کہنے لگے حسینؑ کے اصحاب نامدار ہم سب ترے نثار تو شہ پر ہوا نثار
خیمے کے گرد پھرنے کا تو ہے امیدوار اور تیرے آس پاس فرشتے ہیں اشکبار
آئی ندا بخیر ہوا تیرا خاتمہ
لاشے کے گرد پھرتی ہے سر ننگے فاطمہؑ

سب رو کے بولے ہم تو ہیں حاضر ابھی مگر کچھ شفقت حرم کی نہیں ہے تجھے خبر
لاشا ترا جو گرد پھرے گا اِدھر اُدھر سیدانیاں خیام سے نکلیں گی ننگے سر
آئی ندا کہ تجھ پہ یہ کیونکر خبر کھلے
پھرتی ہیں حوریں لاش کے چوگرد سر کھلے

پہنچے جو در پہ لاش لیے شاہ دیں پناہ زینبؑ نے ہائے حُر کہا بس کرتے ہی نگاہ
مہماں کو لے کے بیٹھ گئے رو بقبلہ شاہ پھیلا کے پاؤں رکھ دیے پہلو میں ہاتھ آہ
حُر کے شرف حسینؑ کی الفت سے بڑھتے تھے
زانو پہ سر دھرے ہوئے یٰسین پڑھتے تھے

آنسو ہر ایک فقرے پہ مولا کے تھے رواں ٹپکے جبینِ حُر پہ کئی اشک ناگہاں
آنکھوں کو حُر نے کھول دیا اور کی فغاں اے وائے بیکسی مری اے شاہ بیکساں
اعدا ہنسیں گے جبکہ مری موت ہوئے گی
دشمن ہے ماں وہ کاہے کو لاشے پہ روئے گی

میں جاں بلب ہوں طعنۂ اعدا سے مجھ کو کیا پر نام میرے قبلہ و کعبہ کا ہے بڑا
آقا غلام کو علی اکبرؑ کے دو صدا اور اپنے بھی غلاموں کو بلوالو ایک جا
الزام کی جگہ نہ رہے اہلِ شام کو
روئیں غلام آپ کے سب اس غلام کو

شہ بولے بس کُوھا نہ مرے دل کو مرتے دم کیا تیرے رونے کو یہ بنی فاطمہؑ ہیں کم
ماتم کی صف بچھائیں گے تیرے لیے حرم جس کو نہ رونے پائیں گے بھائی وہ ہم ہیں ہم
شیدا علیؑ کے تیرے عزادار ہوئیں گے
اے حُر جو مجھ کو روئیں گے وہ تجھ کو روئیں گے

تو اپنے دہنے ہاتھ کی جانب تو کر نظر بولا وہ دیکھتے ہی کہ اے شاہِ بحر و بر
اک بی بی تین مرد ہیں استادہ ننگے سر شہ نے کہا سلام مرا سب سے عرض کر

چاروں بزرگ ہیں یہ ہمارے کھڑے ہوئے
یہ تیرے رونے والے ہیں سارے کھڑے ہوئے

یہ کہتے تھے کہ دیکھتے کیا ہیں شہِ زمن حُر کے گلے سے خون کا دریا ہے موجزن
مولا نے رو کے بنتِ علیؑ سے کیا سخن کھولو تبرکات کا صندوق اے بہن
مہماں ہے میرا شیفتۂ آلِ فاطمہؑ
زخمِ گلو پہ باندھوں گا رومالِ فاطمہؑ

رومال فاطمہؑ کا جو لائی وہ دل حزیں شہ نے لپیٹا حلق پہ مہمان کے وہیں
حُر نے نگاہِ یاس سے کی سوئے شاہِ دیں لطف و کرم پہ ہوگیا صدقے وہ خوش یقین
روئے حرم عزیز اَنیسِ شہ کا جان کے
کھولے سر اپنے سوگ میں اُس مہمان کے

رونے کی جا ہے اور یہ ہے پیٹنے کی جا مہمان کا یہ حق ہے یہ خاطر یہ مرتبا
پر آہ ذبح جب ہوا مہمانِ کربلا واں آئی قید ہو کے بہن شہ کی بے ردا
نو مرتبہ گری وہ دل افگار لاش پر
رونے دیا نہ شمر نے اک بار لاش پر

مقتل سے لاش حُر کو تو اس طرح لائے شاہ پامال شہ کی لاش ہوئی وا محمداہ
رومالِ فاطمہؑ تو بندھا حلقِ حُر پہ آہ اور لے گئے حسینؑ کی پوشاک روسیاہ
سر حُر کا اور کنارِ شہِ مشرقین کا
صد حیف بہرِ نوکِ سناں سر حسینؑ کا

بس اے دبیرؔ لرزے میں ہے چرخِ چنبری کی ختم ذوالجلال نے تجھ پر سخنوری
اس نظم سے خجل ہیں چہ سعدی چہ انوری ہر مصرع بلند ہے شمشیرِ حیدری
دل دشمناں دیں کا دو نیم انجمن میں ہے
گویا زبان تیغ علیؑ کی دہن میں ہے

○

○

دنیا زنداں ہے جائے آرام نہیں
گہوارہ بہ جز گردشِ ایّام نہیں
آنکھوں میں سپیدی و سیاہی کی طرح
جھپکی جو پلک صبح نہیں شام نہیں

○

بالائے زمیں زندوں کی تعمیریں ہیں
مُردوں کی بہ زیرِ خاک جاگیریں ہیں
عبرت کے مرقع کا ہے اک صفحہ زمیں
دونوں طرف اس ورق پہ تصویریں ہیں

سلام

مُجرئی گلچینِ قضا شبیرؑ کے گلشن میں ہے
ہر گلِ باغِ امامت موت کے دامن میں ہے

مُجرئی جو پنجتن کے سایۂ دامن میں ہے
مثلِ رضواں وہ ہمیشہ خلد کے گلشن میں ہے

لختِ دل سے چشم تریاقوت کی معدن میں ہے
بے بہا لعلِ بدخشاں مُجرئی دامن میں ہے

جلوۂ ماہِ بنی ہاشم سلامی رن میں ہے
یا تجلی نورِ حق کی وادیِ ایمن میں ہے

قطعہ

اسلحہ سج کر گئے رن میں جو ہم شکلِ نبیؐ
بولے اعدا غرق اکبرؑ قلزمِ آہن میں ہے

بکتر و چار آئینہ خود و زرہ تیغ و سپر
واہ کیا کیا زیورِ جنگ اس جواں کے تن میں ہے

گلشنِ قدرت کی ہے برگِ گلِ سوسن سپر
کب اثر ایسا دعائے اطہرِ سوسن میں ہے

ایک جوشن ہے کبیر اور اک صغیر آفاق میں
بر خواصِ جوشنین اکبرؑ کے اک جوشن میں ہے

ہے یہ آغوشِ کماں معمورِ نورِ دوش سے
زور توسن کو تجلی کہکشاں کی رن میں ہے

قامتِ پُرنور کی ہے تاب رشکِ آفتاب
سایہ اس کے قد کا طوبیٰ کی طرح گلشن میں ہے

بسکہ ہے وقتِ ظہورِ مہدیِ ہادیؑ کا شوق
مہر سے چشمِ مسیحا چرخ کے روزن میں ہے

نار میں مضطر ہے جیسا غاصبِ باغِ فدک
بے قراری کب کسی دانے کو وہ خرمن میں ہے

شہرہ ہے تیری زبانِ دُر فشاں کا اے دبیرؔ
لعل پوشیدہ وفورِ شرم سے معدن میں ہے

○

بانو کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے

بانو کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے بچے کی نبض دیکھ کے ماں بے حواس ہے
نے دودھ ہے نہ پانی کے ملنے کی آس ہے پھرتی ہے آس پاس، پہ جینے سے یاس ہے
کہتی ہے کیا کروں میں دہائی حسینؑ کی
پتلی پھری ہے آج مرے نور عین کی

فریاد یا علی میں کدھر جاؤں یا علی ان داغوں کو کہاں سے جگر لاؤں یا علی
کس طرح ان کے سانس کو ٹھہراؤں یا علی پانی کا قحط ہے میں کہاں پاؤں یا علی
پچھلے کو آنکھ کھولی تھی اب کھولتے نہیں
روتے نہیں ہمکتے نہیں بولتے نہیں

اک دم بھی ہائے غم سے نہیں اب فراغ ہے تازہ ابھی جوانی اکبر کا داغ ہے
لو پھر گئی ہے کان کی گل یہ چراغ ہے کیا لوٹنے کو موت کے میرا ہی باغ ہے
اصغر کا پا تراب ہے اکبر سدھارے ہیں
کیا خاک میں ملانے کو میرے ہی پیارے ہیں

میں کہتی تھی نجف میں انہیں لے کے جاؤں گی شاہ نجف کا ان کو مجاور بناؤں گی
انگلی پکڑ کے گرد لحد کے پھراؤں گی ہے ہے ابھی کو قبر میں اب میں سلاؤں گی
منت کے طوق بڑھ چکے پروان چڑھ چکے
یٰسین کا وقت آگیا قرآن پڑھ چکے

اب کس کی بامراد بڑھاؤں گی ہنسلیاں ہے ہے کرخت ہوگئیں یہ نرم انگلیاں
تیور بدل بدل کے پھراتے ہیں پتلیاں اب میرے لال باندھ نہیں سکتے مٹھیاں

باقی حواس پیاس سے معصوم کے نہیں
منہ میں انگوٹھے لیتے ہیں اور چوستے ہیں

ہر دم سکینہ سامنے بھائی کے آتی ہے ہاتھوں میں لے کے ان کے کھلونے دکھاتی ہے
سہلا کے ننھے تلوے، یہ رو کر سناتی ہے من جاؤ بھائی جان یہ بہنیا مناتی ہے
کڑھتی ہیں اماں آنکھ کو تم کھولتے نہیں
اللہ! ہم پکارتے ہیں بولتے نہیں

سر ننگے گرد جھولے کے سب کنبہ ہے بہم پھیلا رہے ہیں ہٹے ہوئے پاؤں کو حرم
تکیے پہ سر ڈھلا ہوا رکھتے ہیں دم بدم چھاتی پہ ہاتھ رکھ کے کبھی دیکھتے ہیں دم
قرآن کی ہوا کبھی گھبرا کے دیتے ہیں
بانو کو دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں

آخر کہا یہ سب نے بلاؤ امام کو لاؤ خدا کے واسطے لاؤ امام کو
اس بے زباں کا حال سناؤ امام کو نیلی رگیں گلے کی دکھاؤ امام کو
اکبر کی لاش لے گئے ہیں قتل گاہ میں
کوئی پکار لو، وہ ابھی ہوں گے راہ میں

حضرت لٹا رہے تھے وہاں لاشۂ جواں جو بے حواس بیبیوں کی یہ سنی فغاں
بولے کہ چین بھائی کو بن بھائی کے کہاں اکبر تمھاری لاش کا خالق نگہباں
ہم خیمہ گہ میں جاتے ہیں اصغر بلاتے ہیں
ان کو بھی لا کے پاس تمھارے سلاتے ہیں

منہ پر جوان بیٹے کا تازہ لہو لگائے ماتم سرا میں گنج شہیداں سے شاہ آئے
جھولے پہ ہاتھ پکڑے ہوئے اہل بیت لائے بچے کے ہاتھ پاؤں ہلا کر انھیں دکھائے
رو کر کہا کہ سانس فقط آشکار ہے
سو اس کا کیا حساب کہ دم کا شمار ہے

بیٹھے سرہانے جھولے کے شبیر سر جھکائے اصغر کے کان سے لب معجز نما ملائے
چپکے سے کچھ کہا کہ وہ سنتے ہی مسکرائے سوئے حسین ہاتھ بھی بے ساختہ بڑھائے
''بولی سکینہؑ بابا نے مشکل کشائی کی
اماں مبارک آنکھ کھلی میرے بھائی کی''

ہاتھوں پہ لے چلے جو اسے شاہ اتقیا بانو پکاری لونڈی کو صاحب جلا لیا
سیدانیوں کے پاؤں پہ پھر سر کو رکھ دیا بولی خدا نے سب کی دعا سے کرم کیا
لب پر تبسم، آنکھوں سے شہ کے نظارے ہیں
ہم تم کوئی نہیں انھیں بابا ہی پیارے ہیں

زینبؑ نے پوچھا شہ سے کہ اے فخر کائنات کیا آپ نے کہا کہ جو چونکا یہ نیک ذات
شہ بولے ''ان کے دادا ہیں حلالِ مشکلات اس بے زبان کے کان میں میں نے کہی یہ بات
چلتے ہو پہلوئے علی اکبر میں سونے کو؟
آتے ہو میرے شیعوں پہ قربان ہونے کو؟

جھولے سے اٹھ کے قتل کے میداں کو دیکھیے کیا لعل و در ہیں گنج شہیداں کو دیکھیے
لوٹے ہوئے علی کے گلستاں کو دیکھیے خنجر کے پھل کو غنچۂ پیکاں کو دیکھیے
یہ سن کے میری گود میں جھولے سے آئے ہیں
مقتل کو شوقِ تیر میں منہ کو پھرائے ہیں

بانو پکاری ان پہ تو سب رحم کھائیں گے بچہ سمجھ کے پانی بھی دشمن پلائیں گے
شہ بولے جو نصیب میں ہوگا وہ پائیں گے پہلے انھی کے آگے انھیں لے کے جائیں گے
خاطر سے ان کی پانی کے سائل بھی ہوئیں گے
انجام کار یہ ہے کہ ہم ان کو روئیں گے

بانو نے دی قسم کہ یہ فرمایئے نہیں گزری میں ایسے پانی سے لے جایئے نہیں
اب دل مرا نہ مانے گا سمجھایئے نہیں اصغر کو دیجیے مجھے رلوایئے نہیں

شہ بولے ان کو شیعوں سے پیارا کرو گی تم؟
جھولے میں موت آئے گی تو کیا کرو گی تم؟

اب تو ضرور جائیں گے یہ رن میں جائیں گے پانی اگر ملے گا تو ان کو پلائیں گے
جیتا خدا جو لائے گا ہم لے کے آئیں گے پر عمر ہے جو کم ہی تو کیونکر بڑھائیں گے
بندے کا کچھ نہ زور نہ کچھ اختیار ہے
مختار موت و زیست کا پروردگار ہے

سمجھانے پر حسین کے بانو نے رو دیا دیکھا فلک کو یاس سے اور سر جھکا لیا
لے کر بلائیں بیٹے کی پھر یہ بیاں کیا واری سدھارو، خیر جو مرضیِ کبریا
دیکھوں پھر آج کب تمھیں گودی میں لیتی ہوں
اللہ و پنجتن کی ضمانت میں دیتی ہوں

اصغر کو لے چلے جو شہنشاہ بحر و بر مڑ مڑ کے اُس نے کنبے پہ حسرت سے کی نظر
ننھا سا ہاتھ ماتھے پہ رکھا جھکا کے سر بانو پکاری پھیر کے منہ کو اِدھر اُدھر
لوگو مرا کلیجہ نکلتا ہے تھام لو
اصغر سدھارتے ہیں جہاں سے سلام لو

گھر سے نہیں چلے ہیں یہ دنیا سے جاتے ہیں ننھے سے ہاتھ جوڑ کو ماں کے دکھاتے ہیں
زینبؑ پکاری ''ہونٹوں کو بھی تو ہلاتے ہیں اتنے دنوں کے دودھ کا حق بخشواتے ہیں''
وہ بولی ''بس، کلیجے پہ نشتر نہ مارو تم
لو دودھ چھ مہینے کا بخشا سدھارو تم''

ہاتھوں پہ لے کے اس کو چلے شاہ اتقیا او رساتھ ساتھ گود کو کھولے ہوئے قضا
لکھا ہے دھوپ تیز تھی اور گرم تھی ہوا اصغر پہ ماں نے ڈال دی اجلی سی اک ردا
چادر نہ تھی وہ چہرۂ پُر آب و تاب پر
ٹکڑا سفید ابر کا تھا آفتاب پر

ہر اک قدم پہ سوچتے تھے سبط مصطفیٰ — لے تو چلا ہوں فوج عمر سے کہوں گا کیا
نے مانگنا ہی آتا ہے مجھ کو نہ التجا — منت بھی گر کروں گا تو وہ دیں گے کیا بھلا؟
پانی کے واسطے نہ سنیں گے عدو مری
اصغر کی جان جائے گی اور آبرو مری

پہنچے قریب فوج تو گھبرا کے رہ گئے — چاہا کریں سوال پہ شرما کے رہ گئے
غیرت سے رنگ فق ہوا تھرا کے رہ گئے — چادر پسر کے چہرے سے سرکا کے رہ گئے
آنکھیں جھکا کے بولے کہ ''یہ ہم کو لائے ہیں
اصغر تمھارے پاس غرض لے کے آئے ہیں''

ماں نے بہت گلے سے لگایا نہ چپ ہوئے — گہوارے میں پھوپھی نے جھلایا نہ چپ ہوئے
بہنوں نے گودیوں میں کھلایا نہ چپ ہوئے — رو رو کے سارے گھر کو رلایا، نہ چپ ہوئے
واں اشک بار تھے تو یہاں بے قرار ہیں
پانی کے تم سبھوں سے یہ امیدوار ہیں

گر میں بقول شمر و عمر ہوں گناہگار — یہ تو نہیں کسی کے بھی آگے قصور وار
شش ماہ بے زباں، نبی زادہ، شیر خوار — ہفتم سے سب کے ساتھ پیاسا ہے بے قرار
سن ہے جو کم تو پیاس کا صدمہ زیادہ ہے
مظلوم خود ہے اور یہ مظلوم زادہ ہے

جز شیر اور کچھ نہیں ان کی غذا ابھی — نے گھٹنیوں چلے ہیں نہ مکتب ہوا ابھی
بابا کا نام بھی نہیں منہ سے لیا ابھی — یہ تو ہر ایک دین میں ہے بے خطا ابھی
کیا کام ان سے بغض ہے تم کو اگر مرا
جانو خدا کا بندہ نہ سمجھو پسر مرا

یہ کون بے زباں ہے تمھیں کچھ خیال ہے؟ — درِ نجف ہے بانوئے بیکس کا لال ہے
لو مان لو تمھیں قسم ذوالجلال ہے — یثرب کے شاہزادے کا پہلا سوال ہے

پوتا علی کا تم سے طلب گار آب ہے
دے دو کہ اس میں ناموری ہے ثواب ہے

پھر ہونٹ بے زبان کے چومے جھکا کے سر
رو کر کہا جو کہنا تھا وہ کہہ چکا پدر
باقی رہی نہ بات کوئی اے مرے پسر
سوکھی زبان تم بھی دکھا دو نکال کر
پھیری زباں لبوں پہ جو اُس نورِ عین نے
تھرّا کے آسمان کو دیکھا حسینؑ نے

مولا فلک کو دیکھ رہے تھے کہ ناگہاں
لی حرملہ نے شانے سے دو ٹانک کی کماں
ترکش سے چن کے کھینچ لیا تیر جاں ستاں
جوڑا کماں میں تاک کے حلقوم بے زباں
چھٹتے ہی حلق بچے کا چھیدا جو تیر نے
گھبرا کے غش سے کھول دیں آنکھیں صغیر نے

کیا سن تھا تیر کھاتے ہی بچہ بلک گیا
سوکھے گلے میں خون بھرا دم اٹک گیا
تڑپا جو شہ کے ہاتھوں پہ قامت سرک گیا
ٹوپی گری زمین پہ منکا ڈھلک گیا
ننھی کلائیوں میں تشنج سے بل پڑے
ہچکی جو آئی منہ سے انگوٹھے نکل پڑے

منہ آسماں سے شہ نے پھرایا کہ کیا ہوا
دیکھا کہ پار حلق سے تیر جفا ہوا
بچہ تڑپ رہا ہے لہو میں بھرا ہوا
یوں دیکھتا ہے جیسے ہو کوئی ڈرا ہوا
آنکھیں پھرائے دیتے ہیں تیور بدلتے ہیں
آگے تو دودھ اُگلتے تھے اب خون اگلتے ہیں

رو کر کہا لعینوں سے "کیوں اے جوان و پیر
ہم نے کہا تھا کیا جو بھلا تم نے مارا تیر
تم سے کلام کرتا تھا میں یا کہ یہ صغیر
اس بے زبان نے تو نہ مانگا تھا آب و شیر
ثابت علی کے پوتے کی تم نے خطا نہ کی
تم نے ہمارے لانے کی بھی کچھ حیا نہ کی

ہنس ہنس کے سب حسینؑ کے رونے پہ ہٹ گئے شہ نے وہ آہ کی کہ دو عالم اُلٹ گئے
اصغر ہمک ہمک کے پدر سے لپٹ گئے ننھے سے ہاتھ پاؤں لرز کر سمٹ گئے
ہونٹوں پہ شہ کے ہونٹ ملے اور گزر گئے
اک بوسہ مسکرا کے لیا اور مر گئے

لاشے کے منہ کو دیکھ کے کہنے لگے یہ شاہ بیچارگی کا وقت ہے اصغر خدا گواہ
ماں تو ہے گھر میں باپ پہ یاں نرغہ سپاہ یہ ریگ گرم اور یہ بدن نرم آہ آہ
دل ساتھ نکلا پڑتا ہے کیونکر جدا کروں
سونپوں کسے لٹاؤں کہاں آہ کیا کروں

ناگہ صدا یہ آئی کہ اے میرے بے دیار تجھ پہ بھی میں فدا ترے اصغر پہ بھی نثار
مرتے ہیں مومنوں کے جو اطفال شیر خوار جنت میں پالتی ہوں انھیں میں جگر فگار
اے وائے گر نہ پوتے کے کام آئے فاطمہؑ
واری! کھڑی ہے گود کو پھیلائے فاطمہؑ

اتنے میں بہر جنگ بڑی فوج اشقیا اصغر کو شہ نے پہلوئے اکبر میں رکھ دیا
اور دین کے ہلال کو دی مہر کی ضیا پہنچا زبان تیغ سے بھی حکم کبریا
قربان ذوالجناح شہ دیں پناہ پر
غصہ تو پیچھے آیا یہ پہلے سپاہ پر

محشر کے زلزلے نے عناں آ کے تھام لی نصرت کے ولولے نے رکاب امام لی
چابک زن فلک نے کرن کی لگام لی شامی تو کیا ہیں روز نے بھی راہ شام لی
حیرت کی شکل خوف سے جن و ملک بنے
دو پاؤں بھاگنے کو زمین و فلک بنے

دریا تھا موج پر مگر اس آن چھپ گیا کہسار میں یہ جا کے بیابان چھپ گیا
لشکر میں شمر ہو کے پریشان چھپ گیا ڈر کر عمر کے قلب میں شیطان چھپ گیا

یاں موزہ ، واں علاحدہ دستار ہوگئی
آمد ہی میں یہ فوج کی رفتار ہوگئی
دریا گھٹا حسام دو پیکر کے گھاٹ سے
زندوں نے کی تلاشِ کفن اس کے پاٹ سے
لشکر نے ہاتھ دھوئے لڑائی کے ٹھاٹ سے
اک دم بھی خیر سے نہ کٹا اس کے کاٹ سے
تلوار تھی کہ قہر خداوند پاک کا
طوفاں ہوا کا آگ کا پانی کا خاک کا
بو کی طرح دماغ میں آئی چلی گئی
مثل ہوا سروں میں سمائی چلی گئی
مانند شعلہ باگ اٹھائی چلی گئی
آندھی کی طرح آگ لگائی چلی گئی
سینے میں صاف آتی تھی اور صاف جاتی تھی
انداز دم کی آمد و شد کا دکھاتی تھی
ظلمت میں آنے جانے میں آب حیات تھی
اور روشنی میں نیر اعظم کی ذات تھی
اندھیر کرنے کو یہ قیامت کی رات تھی
منہ سے نکلنا اس کے لیے ایک بات تھی
رن میں تو کافروں کے فقط حلق پر پھری
پر شہروں میں زبانوں پہ مثل خبر پھری
سیدھی چلی یہ تیغ تو لشکر الٹ دیا
جیسے علی نے ہاتھ سے خیبر اُلٹ دیا
پرزے کیے رسالوں کے دفتر اُلٹ دیا
غصے سے پھر پڑی تو مقدر الٹ دیا
جس دم تری نہ پشت پہ باقی رہا کوئی
جیسے پلٹ کے چوٹ کرے اژدہا کوئی
ناگاہ شوق خلد کے گلزار کا ہوا
اور حوصلہ بزرگوں کے دیدار کا ہوا
ارمان ذوالجلال کے دربار کا ہوا
سر کو خیال ہدیہ غفار کا ہوا
کی تیغ میان میں تو وہ بولی دہائی ہے
اب حشر تک علی کے پسر سے جدائی ہے

تصویر حادثوں کی دکھانے لگا خیال　　دیکھا کہ ہے سکینہؑ کا منہ سیلیوں سے لال
ہوتے ہیں لاشہ شہدا رن میں پائمال　　بازاروں میں کھلے ہیں نبی زادیوں کے بال
بخشندۂ قطار شتر کا جو پوتا ہے
وہ اونٹ کھینچ کھینچ کے بے ہوش ہوتا ہے

آئی ندا کہ یہ بھی تمھیں اب قبول ہے؟　　پردیس میں اسیری زینبؑ قبول ہے؟
شہ نے کہا قبول ہے یارب قبول ہے　　امت کی ہو رہائی ہمیں سب قبول ہے
باباؑ کے شیعہ، نانی کی امت عزیز ہے
ان سے نہ گھر نہ کنبہ نہ حرمت عزیز ہے

برباد جب مرقع خیرالنسا ہوا　　اور پھر قلم قلم چمن مرتضیٰ ہوا
پھر اقتلو الحسین کا غل جا بجا ہوا　　سبطِ نبیؐ پہ نرغہ اہلِ جفا ہوا
خنجر قلق کا فاطمہؑ کے دل پہ پھر گیا
زہراؑ کا چاند فوج کے بادل میں گھر گیا

ناگہ بلا کی طرح گرا لشکر جفا　　خشکی میں اہل بیت کا گھر ڈوبنے لگا
اور اقتلو الحسین کا غل ہر طرف اٹھا　　اک گھر کے ساتھ غرق ہوئے گھر ہزارہا
اب تک محبّ سید عالی پناہ ہیں
والی ہوا شہید موالی تباہ ہیں

نیزے لگے جو سینے میں تھرا کے رہ گئے　　بیٹھا جو تیر ماتھے پہ تیورا کے رہ گئے
شکرِ خدا زبان سے فرما کے رہ گئے　　گرنے لگے تو ہاتھوں کو لٹکا کے رہ گئے
اکبر نہ تھے جلو میں نہ عباسؑ پاس تھے
مظلوم بیچ میں تھا عدو آس پاس تھے

سینے پہ بھالے رکھ کے گرایا حسینؑ کو　　جی بھر کے ظالموں نے ستایا حسینؑ کو
گرنے پہ خاک تودہ بنایا حسینؑ کو　　ہے ظلم کی یہ حد کہ گرایا حسینؑ کو

پھر دیکھیو حواس شہنشاہ نیک کے
سجدے میں سر جھکا دیا ہاتھوں کو ٹیک کے

آیا سرہانے تیغ بکف شمر روسیاہ بولا گلا کہ میں ہوں پیمبر کی بوسہ گاہ
دل نے کہا یہ سینہ ہے گنجینہ الٰہ بیٹھا وہ اُس جگہ کہ نہیں جائے شرحِ آہ
اس ظلم نو سے چرخ کہن کانپنے لگا
ایسا حسینؑ تڑپے کہ رن کانپنے لگا

ڈیوڑھی پہ آئے سب حرم بادشاہ دیں ہے ہے یہاں ہے کوئی مسلمان یا نہیں
چلائی پیٹ پیٹ کے یہ زینبؑ حزیں بیٹھا ہے کس بزرگ کے سینے پہ یہ لعیں
اے ابن سعد سن کے نبی تیرا روتا ہے
تو دیکھتا ہے بھائی مرا قتل ہوتا ہے

بولا عمر کہ روک لو خیمے کا سامنا اس ظلم سے بس اور بھی زینبؑ کا دم گھٹا
اک غول آ کے خیمے کے آگے کھڑا ہوا فضہ کو رن میں بھیجا کہ حضرت کو دیکھ آ
مقتل کو وہ بڑھی تھی کہ چلا کے آہ کی
کٹتی تھی بوسہ گاہ رسالت پناہ کی

زینبؑ نے بال کھول کے رن کو قدم بڑھائے سیدانیاں بھی ساتھ چلیں گردنیں جھکائے
زینبؑ پکاری ہائے مرے بھائی جان ہائے بھیا پکار لو، یہ بہن کس طرف کو آئے
بھیجوں کسے تلاش کو سب میرے مر گئے
آنکھیں بہن کی ڈھونڈتی ہیں تم کدھر گئے

کٹتی تھیں واں گلے کی رگیں کون دے جواب ریتی پہ لوٹ لوٹ کے بولی وہ دل کباب
اے آسماں! کہاں ہے حسینؑ فلک جناب اے آفتاب کیا ہوا زہراؑ کا ماہتاب
کہہ اے فرات! پیاسوں کا سلطاں کدھر گیا
اے کربلا بتا ترا مہماں کدھر گیا

ناگہ چلی عمر کی طرف رن سے فوج شام الفتح کی ندا ہوئی باجے بجے تمام
واں سے بڑھی یہ بھائی کی عاشق جو چند گام بے سر ملا تڑپتا ہوا لاشئہ تمام
جو جو قلق ہوئے تھے دم ذبح بھائی پر
وہ سب کے سب گزر گئے زہراؑ کی جائی پر

پر بی بی بال کھولے ہوئے خاک اڑاتی تھی پر بانوئے حسینؑ کو کچھ بن نہ آتی تھی
جب سر کے کھولنے کے لیے ہاتھ اٹھاتی تھی کچھ اپنے دل میں سوچ کے وہ ٹھہر جاتی تھی
چھریاں سی پھر رہی ہیں دل پاش پاش پر
اک آہ آسمان پہ تھی ایک لاش پر

آخر تڑپ کے حضرت زینبؑ کو دی صدا اک دن وہ تھا کہ بخت ہوئے خواب میں رسا
جنت سے آئیں لونڈی کی ہیں اشرف النسا سر گوندھا اور پھولنے پھلنے کی دی دعا
عاشق جو مجھ کو پایا شہ مشرقین کا
دکھلا دیا جمال جناب حسینؑ کا

اکبر کا صدقہ اب تو مرے کام آیئے آخر ہوا سہاگ مری نتھ بڑھایئے
لونڈی کے بال کھول کے بیوہ بنایئے بھابی حسن کو روتی تھیں کیوں کر بتایئے؟
رنڈ سالہ میں طلب نہیں کرتی جناب سے
محروم تو نہ رکھیے عزا کے ثواب

زینبؑ پکاری آؤ گلے سے لگاؤں میں ماں نے دولھن بنایا تھا بیوہ بناؤں میں
آؤ جبیں پہ خاک ملوں نتھ بڑھاؤں میں مانگو دعا زمین پھٹے اور سماؤں میں
ہے ہے بچھڑ کے گور کنارے گئے حسینؑ
جیتی ہوں اور یہ سنتی ہوں مارے گئے حسینؑ

بس اے دبیر بس کہ پریشاں ہے دل کا حال کھلتے ہیں شاہزادی ایراں کے رن میں بال
ہرچند طبع پر ہے ہجوم غم و ملال شکوہ مگر کسی کا نہیں شکرِ ذوالجلال
برعکس ہے کوئی تو کوئی برخلاف ہے
آئینہ دل اپنا ہر اک رو سے صاف ہے

○

تائید خدا ہے باغِ گلچیں ہم ہیں
گلشن آرائے بزمِ رنگیں ہم ہیں
قرآن و احادیث کی قوت سے دبیرؔ
مخلوقوں میں خلاقِ مضامیں ہم ہیں

○

یہ لفظ یہ معنیٔ معیں دیکھے ہیں
منصف تو ہیں قائل کہ نہیں دیکھے ہیں
تجھ کو سرِ مضموں کی قسم ہے اے نظم
خوش فکر دبیرؔ سے کہیں دیکھے ہیں

سلام

مُجرئی جبکہ چڑھا شاہ کا سر نیزے پر
آفتاب آیا قیامت کا نظر نیزے پر

ہے یہ البتہ کہ ہو نصب سر نیزہ پہ پھل
نہ کہ ہو باغِ نبوت کا ثمر نیزے پر

گرمِ ہنگامہ رہا حشر کا ہر ایک قدم
کیا خورشید نے تا شام سفر نیزے پر

کیوں فلکِ وسعتِ آفاق ہوا اس پہ تنگ
جا نہ باقی رہی اس سر کو مگر نیزے پر

سوزِ ماتم سے وہ خود رفتہ تھے پر ساری راہ
شمع کی طرح تھی زینبؑ کی نظر نیزے پر

دلِ اکبرؑ جو چھدا نیزے سے تو بہرِ شکست
گرہ نیزہ نے باندھی ہے کمر نیزے پر

جس نے دیکھا سرِ اکبرؑ کو کہا صلِّ علیٰ
دیکھو ہے برجِ امامت کا قمر نیزے پر

جن کا شانہ تھا سدا پنجۂ دستِ زہراؑ
گرد آلودہ تھے وہ سنبلِ تر نیزے پر

شاخِ گُل پر گلِ نوخیز ہے دیکھا اکثر
تھا گلستانِ نبیؐ کا گلِ تر نیزے پر

تھا سناں پر جو سر قدرتِ حق ہو کے قلم
صادق آیا یہ قضا کلکِ قدر نیزے پر

زلف تھی بستۂ چوب اور سرِ انور بہ سناں
اک جگہ شام میں تھے شام و سحر نیزے پر

جو کہ ہو شیرِ نیستانِ امامت کا دبیرؔ
کیا غضب ہے کہ ہو اس شیر کا سر نیزے پر

○

جب پریشاں ہوئی مولاؑ کی جماعت رَن میں

جب پریشاں ہوئی مولا کی جماعت رن میں   ہر نمازی کو پسند آئی اقامت رَن میں
قبلۂ دیں نے کیا قصدِ عبادت رن میں   شکلِ محراب بنی تیغِ شہادت رَن میں
غُل ہوا اس کو امامِ دوجہاں کہتے ہیں
تیغوں کے سائے میں شبیرؑ اذاں کہتے ہیں
ملتجی حق سے ہوئے حاملِ عرشِ اعظم   کربلا جانے کا فرماں ہو الٰہی اس دم
تا شریکِ شہِ تنہا ہوں عبادت میں ہم   سب صفیں باندھیں پسِ پشتِ امامِ اکرم
آج تک ہم نے کہا عرشِ علا پر سجدہ
اب سوئے کعبہ کریں خاکِ شفا پر سجدہ
آئی آواز بڑا رتبہ اِسے ہم نے دیا   صلبِ پاکِ شہِ مرداں سے اِسے خلق کیا
جب یہ پیدا ہوا تو منہ سے مرا نام لیا   کیوں نہ ہوں اس نے مری فاطمہؑ کا دودھ پیا
قدرداں اس کا میں ہوں میرا شناسا یہ ہے
کیوں نہ ہو میرے محمدؐ کا نواسا یہ ہے
یہ وہ طاعت ہے کہ تنہا ہی ادا کرتے ہیں   میرے عاشق تہِ شمشیر دعا کرتے ہیں
سرقلم ہوتا ہے اور شکرِ خدا کرتے ہیں   صادق الوعد، یونہیں وعدہ وفا کرتے ہیں
ہم نماز اس کے جنازے کی جو پڑھوائیں گے
تم بھی جانا کہ رسولانِ سلف جائیں گے
ساکنِ عرشِ بریں کرنے لگے نالہ و آہ   یاں ہوئی ختم اذاں شاہ کی اللہ اللہ
ابھی مصروفِ اقامت تھے امامِ ذیجاہ   جانِ واحد پہ گرے آن کے لاکھوں گمراہ

سورۂ حمد نبی زادہ پڑھا چاہتا تھا
شمر خنجر لیے سینے پہ چڑھا چاہتا تھا
نیم بسمل نے زباں سے جو کہا بسم اللہ تیر مارا ابو ایوب نے لب پر ناگاہ
در بدر سے سیدانیاں چلائیں کہ اِنا للہ ہائے یہ ظلم نمازی پہ عیاذاً للہ
واجب القتل کو ہے آب و غذا کی مہلت
جانِ زہراؑ کو نہیں فرض خدا کی مہلت
زینتِ عرشِ خدا خاک پہ اُفتادہ ہے نہ بچھونا ہے نہ مسند ہے نہ سجادہ ہے
شمر خنجر لیے بالین پہ استاد ہے کوئی اتنا نہیں کہتا کہ نبیؐ زادہ ہے
قصد سجدے کا اِدھر قبلۂ دیں کرتا ہے
نیت ذبح اُدھر شمر لعیں کرتا ہے
آہ آخر ہوئی شہؑ کی جو نمازِ آخر دیکھا خنجر لیے بالیں پہ کھڑا ہے کافر
ننگے سر در پہ ہے سب آلِ رسولؐ طاہر آئی آواز شہادت کہ ہوں میں بھی حاضر
تیغ قاتل نے کہا حلق کے خاطر ہوں میں
شہؑ نے فرمایا کہ تقدیر پہ شاکر ہوں میں
خنجر ظلم کو چمکا کے پکارا دشمن بوسہ گاہ نبویؐ کاٹوں میں اب یا گردن
بولے شہ جس میں تو راضی ہو نہیں جائے سخن حلق یہ حلق پیمبرؐ ہے یہ تن اُن کا تن
دیکھ سر ننگے ہر اک حورِ جناں آتی ہے
ابھی سینے پہ نہ چڑھنا مری ماں آتی ہے
ناگہاں آئی یہ آواز کہ امّاں صدقے میرے ماں باپ فدا میں ترے قرباں صدقے
کون کون آج ہوا تجھ پہ مری جاں صدقے پیر کتنے ہوئے کتنے ہوئے ناداں صدقے
قتل گہ کو ابھی جنت سے جو میں آتی تھی
حور اِک ننھے سے لاشے کو لیے جاتی تھی

دور سے میں نے کھڑے ہو کے جو کی اس پہ نظر دودھ سے باچھیں لہو سے تھا تن اس بچے کا تر
باہیں ننھی سی لٹکتی تھیں ادھر اور اُدھر روکے شہؑ بولے وہ تھا آپ کا پوتا اصغرؑ
نخل اس باغ کے بے پھولے پھلے کٹتے ہیں
اب تلک صبح سے پیاسوں کے گلے کٹتے ہیں

قافلہ لُٹ گیا اماں مرا لشکر نہ رہا جدِّ امجد کی نشانی علی اکبر نہ رہا
رہ گیا دردِ کمر ہائے برادر نہ رہا اب خبر آپ نے لی گھر کی کہ جب گھر نہ رہا
ایک میں ہوں سو مجھے ذبح کی مشتاقی ہے
بوسہ گاہِ نبویؐ کٹنے کو اب باقی ہے

اب دمِ ذبح یہ پورے مرے ارماں کرنا گود میں لے کے خدا پر مجھے قرباں کرنا
میرے لاشے پہ نہ تم نالہ و افغاں کرنا عرش کے نیچے نہ بالوں کو پریشاں کرنا
قلزمِ قہرِ خدا جوش میں گر آئے گا
امتِ جد کا سفینہ ابھی بہہ جائے گا

گفتگو مادر و فرزند میں یہ ہوتی تھی آہ روتی تھی فاطمہؑ مشتاقِ شہادت تھے شاہؑ
آستیں غصے سے قاتل نے چڑھائی ناگاہ تیغ جلاد پہ کی شاہؑ نے حسرت سے نگاہ
شمر نے پوچھا کوئی عذر تمھیں اب تو نہیں
بولے شہؑ دیکھ لے دروازے پہ زینبؑ تو نہیں

وہ پکارا نظر آتی نہیں در پر زینبؑ پیٹتی پھرتی ہے خیمے میں کھلے سر زینبؑ
گر سراچوں سے چلی آئے گی باہر زینبؑ روک سکنے کی نہیں اب مرا خنجر زینبؑ
حلق دونو کے میں بیخوف و خطر کاٹوں گا
ایک خنجر سے بہن بھائی کا سر کاٹوں گا

آئی زہراؑ کی صدا شمر تو نابینا ہے در پہ زینبؑ نہیں بالیں پہ مگر زہراؑ ہے
ارے بے رحم خطا میرے پسر کی کیا ہے آستیں الٹی ہے کیوں تیغ کو کیوں کھینچا ہے

کیا اسے پالا تھا میں نے ترے خنجر کے لیے
میرے بچے کو نہ کر ذبح پیمبرؐ کے لیے

نہ خزانہ نہ اثاثہ نہ یہ زر رکھتا ہے سلطنت پر نہ ریاست پہ نظر رکھتا ہے
فوجِ بے جاں ہوئی اک اپنا یہ سر رکھتا ہے یاں مسافر ہے نہ ہمسایہ نہ گھر رکھتا ہے
اس کے بعد اہل وعیال اس کے کدھر جائیں گے
اس کے مرنے سے بنی فاطمہؑ مر جائیں گے

یہ سنا شمر نے اور حلق پہ خنجر رکھا بڑھ کے زہراؑ نے گلا خشک گلے پر رکھا
بوسہ شہ رگ پہ دیا زانو پہ پھر سر رکھا اور دامانِ کفن آنکھوں پہ رو کر رکھا
شاہِ بیکس جو تہہ زانوئے قاتل تڑپے
یوں زمیں تڑپی کہ جس طرح سے بسمل تڑپے

دیکھ کر حلق پہ شبیرؑ کے خنجر زہراؑ خاک پر لوٹ گئی کوکھ پکڑ کر زہراؑ
کبھی نالاں تھی سوئے قبرِ پیمبرؐ زہراؑ کبھی کہتی تھی نجف کو یہ کھلے سر زہراؑ
داد رس کوئی نہیں دیر سے چلاتی ہوں
یا علیؑ آؤ مدد کو میں لٹی جاتی ہوں

کبھی مقتل کو یہ چلاتی تھی اکبرؑ اکبرؑ دیکھو خنجر کے تلے پاؤں رگڑتا ہے پدر
استغاثہ یہ کبھی کرتی تھی سوئے لشکر دیکھو اے لشکریو کٹتا ہے مہمان کا سر
دل کو تم لوگوں کے کس طرح سکوں ہوتا ہے
بے گنہ ہائے نبی زادے کا خوں ہوتا ہے

کلمہ گویو مرے سیّد کو بچاؤ لِلّٰہ اے مسلمانو کچھ انصاف پہ آؤ لِلّٰہ
کوفیو پانی ذبیحے کو پلاؤ لِلّٰہ رحم سیدانی کے فرزند پہ کھاؤ لِلّٰہ
خود امام اور پیمبرؐ کا نواسا ہے یہ
پانی دو ساتویں تاریخ سے پیاسا ہے یہ

پہنچا خیمے میں جو یہ شورِ فغانِ زہراؑ　　آئے دروازے پہ سب خرد و کلانِ زہراؑ
جب نظر رَن میں نہ آیا دلِ و جانِ زہراؑ　　کہا زینبؑ نے کہ مٹتا ہے نشانِ زہراؑ
امّاں کے رونے پہ اس دم مرا دل پھٹتا ہے
اے نبیؐ زادیو سید کا گلا کٹتا ہے

کہہ کے یہ بات ہراساں جو ہوئی زینبؑ زار　　بے تامّل کیا کاندھے پہ سکینہ کو سوار
اور کہا تجھ پہ میں صدقے مرے ماں باپ نثار　　دیکھ مقتل کی طرف پونچھ کے اشک اے دِلدار
سجدہ کرتے ہیں کہ امت کو دعا کرتے ہیں
گر کے اب گھوڑے سے کیا شاہِ ہُدا کرتے ہیں

دیکھا حیرت سے سکینہؑ نے جو سوئے میداں　　پیٹ کر سر کہا کہا ہائے امام دوجہاں
بانو چلّائی بتا خیر تو ہے اے ناداں　　رو کے چلّائی وہ مضطر کہ دُہائی امّاں
کا کلیں پکڑے سرِ پاک لیے جاتا ہے
میرے بابا کو کوئی ذبح کیے جاتا ہے

ناگہاں رن میں اٹھا غل وہ ہوئے قتل حسینؑ　　بے خطر لوٹ لو ملبوس امامِ کونین
خاک پر بیٹھ کے سیدانیاں کرنے لگیں بین　　منہ پہ بانو نے ملی خاک بصد شیون و شین
ماتم شاہؑ جو برپا کیا باہم سب نے
پہلے بال اپنے پریشان کیے زینبؑ نے

یاں تو ماتم تھا اور اس سمت کو تھی عید ظفر　　بیٹھا تھا کرسی زرّیں پہ تکبّر سے عُمر
گرد سردار تھے سب نذریں لے ہاتھوں پر　　پر وہ کہتا تھا ابھی لوں گا نہ نذرِ لشکر
ٹھہرو ٹھہرو میں ذرا شمر کو خلعت دے لوں
نذر پہلے سرِ فرزند پیمبر لے لوں

تھا یہ سامان کہ آیا وہاں شمرِ اکفر　　خنجر اک ہاتھ میں اک ہاتھ میں شبیرؑ کا سر
جھوم کر فخر سے کہتا تھا یہ وہ بد اختر　　ہے شجاعانِ عرب میں کوئی میرا ہمسر

میں نے فرزندِ یداللہ کے سر کو کاٹا
جس کی شمشیر نے جبریل کے پر کو کاٹا

بادشاہ ملک و جن و بشر کو مارا   حاکم انجم و خورشید و قمر کو مارا
میں نے ہمشکل پیمبرؐ کے پدر کو مارا   جس کو معراج ہوئی اس کے پسر کو مارا
سینہ شق کر کے میں زہراؑ کا جگر لایا ہوں
کاٹ کر پنجتن پاکؑ کا سر لایا ہوں

آفریں کہہ کے اٹھا کرسئ زرّیں سے عُمر   اور لیا ہاتھ میں اپنے سرِ ابن حیدرؑ
سر کی مظلومی و غربت پہ جو کی اس نے نظر   دیکھا رخساروں پہ اشکوں کی روانی کا اثر
شمر سے پوچھا کہ سر جب کہ قلم ہوتا تھا
علی اکبرؑ کی جوانی پہ یہ کیا روتا تھا

وہ پکارا کہ نہیں یہ توَ ہے مجکو معلوم   ذبح کے وقت یہ کہتے تھے امام مظلوم
ہائے بے پردگئ زینبؑ و امّ کلثوم   شاہؑ تو روتے تھے اور کاٹتا تھا میں حلقوم
میری جلدی سے نہ شہؑ ہوش میں رہنے پائے
دل کی دل میں رہی کچھ اور نہ کہنے پائے

سن کے اس ظلم کو بولا پسر سعد لعیں   سچ بتا رحم بھی آیا تجھے سید پہ کہیں
عرض کی اس نے ترحم مری خلقت میں نہیں   اور جو ہوتا بھی جائز تھا نہ بہرِ شہؑ دیں
نہ حیا شاہؑ سے آئی نہ مروّت آئی
ایک روداد پہ لیکن مجھے رقت آئی

جب ہوا سینہ پہ اسوار نہ رحم آیا مجھے   حلق پہ رکھی جو تلوار نہ رحم آیا مجھے
تڑپے کیا کیا شہؑ ابرار نہ رحم آیا مجھے   پانی پانی کہا دوبار نہ رحم آیا مجھے
پر ہر اک ضرب پہ چھاتی مری پھٹ جاتی تھی
کوئی بی بی مرے خنجر سے لپٹ جاتی تھی

قسمیں دے دے کے وہ کیا کیا مجھے سمجھایا کی   کوثر و خلد کا اقرار بھی فرمایا کی
ذبح کرتا رہا میں اور وہ چلّایا کی   کان میں ہائے حسینا کی صدا آیا کی
بولا وہ کون یہ غم خوارِ شہؑ والا تھی
دی صدا شاہؑ کے سر نے مری ماں زہراؑ تھی

تھا یہ مذکور کہ مقتل کی زمیں تھرّائی   بھائی کی لاش پہ منہ ڈھانپنے زینبؑ آئی
نوحہ کرتی تھی کہ ہے ہے مرے بے سر بھائی   بس دبیرؔ اب نہیں مجھ کو ہوس گویائی
ہے یہ امید قوی فاطمہؑ کے جانی سے
کہ نقاہت ہو بدل طاقتِ ایمانی سے

O

○

تائید کا پنجتن سے میں طالب ہوں
میدانِ سخن میں دائماً غالب ہوں
میں کیا مری نظم کیا یہ ہاں فخر یہ ہے
مدّاحِ علیؑ ابن ابی طالب ہوں

○

ہاں بلبلِ سدرہ شورِ تحسیں ہو جائے
وہ نظم پڑھوں کے بزم رنگیں ہو جائے
پھل نقطے ہوں پھول حرف طوبیٰ مصرع
فردوس اگر آئے تو گل چیں ہو جائے

الوداع

اربعین کے سوگوارو الوداع
آخری مجلس ہے یارو الوداع

خاتمہ بالخیر چہلم کا ہوا
الوداع اے اشکبارو الوداع

کہتے تھے گنجِ شہیداں پر حرم
فاطمہؑ زہراؑ کے پیارو الوداع

دشت سونا، پاس بستی بھی نہیں
بے دیاروں کے مزارو الوداع

کربلا کی خاک کو سونپا تمھیں
عرشِ اعظم کے ستارو الوداع

بخیہ و مرہم نہ زخموں کا ہُوا
مُرتضیٰؑ کے رشتے دارو الوداع

گھر کہیں، قبریں کہیں، کنبہ کہیں
بے مکانو بے دیارو الوداع

اکبرؑ و اصغرؑ علیؑ کی ضامنی
نوجوانو شیرِخوارو والوداع

قبر سے آواز دیتے ہیں حسینؑ
لو بہن زینبؑ سدھارو الوداع

مومنو اب تم بھی مانندِ دبیرؔ
روو پیٹو اور پکارو الوداع

○

چہلم جو کربلا میں بہتّر کا ہوچکا

چہلم جو کربلا میں بہتر کا ہوچکا　　پیوند بیکسوں کے تن و سر کا ہوچکا
اور فاتحہ حسینؑ کے لشکر کا ہوچکا　　قبروں پہ شور آلِ پیمبرؐ کا ہوچکا
ماتم میں تین روز رہے شور شین سے
روئے لپٹ لپٹ کے مزارِ حسینؑ سے

مثلِ چراغ گورِ غریباں پہ دل جلائے　　پھولوں کے ساتھ قبروں پہ لختِ جگر چڑھائے
پیاروں کی بود و باش کے ساماں جو یاد آئے　　بے ساختہ پکارے کلیجے پکڑ کے ہائے
اب کس کے ساتھ داخلہ کربلا ہوا
لایا تھا جو مدینے سے ہم کو وہ کیا ہوا

آئے تھے دوسری کو محرم کی کس کے سات　　خیمے بپا ہوئے تھے برابر لبِ فرات
اُترے تھے ہم تو روکی تھی عباسؑ نے قنات　　تاکید تھی پکارے کوئی اور کرے نہ بات
ہے ہے کہاں بچھڑ کے وہ آرامِ دل گئے
پردہ تھا جن سے خاک کے پردے میں مل گئے

آیا ہے یادِ داخلۂ شاہِ دوسرا　　کیسی چہل پہل تھی نہ تھا رنج اک ذرا
اُترے تھے یاں رفیق اُدھر تھی محل سرا　　پر ساتویں سے ٹوٹتا جاتا تھا آسرا
نقارہ و نشاں کی یہاں زیب و زین تھی
انجام کار نوبتِ قتلِ حسینؑ تھی

واں مسندِ عروسیِ قاسمؑ بچھائی تھی　　اک رات کی دُلہن نے یہاں نتھ بڑھائی تھی
فضہ یہاں حضور کی پوشاک لائی تھی　　آواز واں بتولؑ کے رونے کی آئی تھی

اِس جا تبرکات رسالت مآب تھا
واں آبدار خانہ تھا یاں قحطِ آب تھا

بازار اک طرف تھا خریدار اک طرف سردار اک طرف تھا علمدارؑ اک طرف
اکبرؑ کا تھا عروج پہ دربار اک طرف ابن حسن کی چھوٹی سی سرکار اک طرف
اصطبل واں تھا دوشِ نبیؐ کے سوار کا
جھولا پڑا ہوا تھا یہاں شیرخوار کا

ہے ہے وہ شیر مرگئے افسانہ رہ گیا ارمان نوجوانوں کو کیا کیا نہ رہ گیا
نے بارگہِ رہی نہ جلو خانہ رہ گیا بستی علیؑ کی لُٹ گئی ویرانہ رہ گیا
وحشت سے آج مُنتخَب نہیں یاں قیام کی
کل یاں کھڑی ہوئی تھی جماعت امام کی

پڑھ کر نماز صبح کی باہر جو حضرت آئے پیاسوں کو بانٹتے ہوئے تسنیم و جنت آئے
کس کس ادب سے دوست برائے زیارت آئے غل تھا ادھر اُدھر کہ خداوند نعمت آئے
یوں سب یتیم فاطمہؑ کے آس پاس تھے
جس طرح جمع پیاس میں شہؑ کے حواس تھے

اُس وقت تھا یہ حال جگرِ بندِ مصطفٰےؐ اس کا سلام ہنس کے لیا اُس کو دی دعا
قاسمؑ سے کچھ کہا کبھی اکبر سے کچھ کہا عباسؑ سے ملے جو ہوئے عون سے جدا
مڑ مڑ کے گاہ سوئے مدینہ نگاہ کی
صغریٰ کا نام منہ سے لیا اور آہ کی

نوبت نہ طبل جنگ کے بجنے کی آئی تھی رخصت کی دھوم جو شہدا نے مچائی تھی
یاں چند خاصگانِ خدا واں خدائی تھی پر آنکھ جب کھلی تن و جاں میں جدائی تھی
گر اپنے جاں نثاوں کو آقا نہ تھام لیں
لشکر سے نہر حاکم شامی سے شام لیں

نام خدا جنابِ علمدار کیا لڑے اس صف پہ جا پڑے کبھی اُس صف پہ جا پڑے
آبِ رواں پہ حکم بٹھایا کھڑے کھڑے پانی کیے دل ان کے جو تھے سنگدل بڑے
چمکا کے برقِ تیغ جو بادل سے ٹل گئے
باندھی ہوا وہ رن میں کہ سب گھاٹ کھل گئے

جب مشک لے کے عازمِ دشت ستم ہوئے تسلیم کر کے شاہ کے قدموں پہ خم ہوئے
بولے حسینؑ بیکس و بے یار ہم ہوئے عباسؑ زیب رخشِ ہمایوں قدم ہوئے
بیٹھا جو شہسوارِ یداللہ زین پر
دہشت سے آسمان نہ ٹھہرا زمین پر

اللہ رے رُعب حال تھا رو میں تنوں کا غیر دیتے تھے یہ دعا ملک و حور و وحش و طیر
سقائے اہلبیت مبارک جناں کی سیر آقا کا چاہ پیار فزوں عاقبت بخیر
شاہد وفا پہ آپ کی برنا و پیر ہیں
اس عصر میں جناب، جنابِ امیر ہیں

اہلِ نظر پکارتے تھے بے نظیر ہیں ذرّوں میں تھی ندا کہ یہ مہر منیر ہیں
کہتی تھی فتح خاصۂ حیِّ قدیر ہیں بازو حسینؑ کے ہیں مرے دستگیر ہیں
دونوں خدا کے شیر کی آنکھوں کے نور ہیں
حضرت بڑے حضور یہ چھوٹے حضور ہیں

کیا تیز مرکب دو رکابہ تھا شیر کا جلدی نے جس کی نام مٹایا تھا دیر کا
کاوے میں صرف نعرہ تھا یہ اُس دلیر کا نقشہ یہ ہے لعینوں کی نیت کے پھیر کا
ٹھہرا تو کارِ مصلحت کردگار تھا
دوڑا تو حکم جاری پروردگار تھا

گر لفظ ہاں کسی کے دہن سے نکل گیا کاوے کی راہ کاٹ کے رن سے نکل گیا
رن کیسا، حد چرخ کہن سے نکل گیا اک تیر تھا تھا کہ چلّے پہ سن سے نکل گیا

چھوٹا جو تیر پھر نہ کیا رخ کمان کو
یہ جا کے لامکاں سے پھرا آسمان کو
بل چل پڑی شجاعوں میں سب فوج ڈر گئی — بن بن کے گرد رن کی زمیں چرخ پر گئی
بھاگے حواس اور لڑائی ٹھہر گئی — ہر ایک رہگذر میں قیامت گزر گئی
نصرت شکستہ دل تھی سو اُس کو امان دی
حیدرؑ نے جس طرح سے نصیری کو جان دی
دریا نے راہ دی شہؑ عالی کے بھائی کو — دیکھی جو مشک شیروں نے چھوڑا ترائی کو
تیغ دو دم نیام سے نکلی صفائی کو — ناخن بڑھا جو تیغ کا عقدہ کشائی کو
غیر از سکوت پھر ہنوزِ دم زدن نہ تھی
زخموں کے منہ کھلے تھے مجالِ سخن نہ تھی
تیغ شرر فشاں اِدھر آئی اُدھر گئی — ٹھہری نہ یاں نہ واں، ادھر آئی اُدھر گئی
ہوکر لہو لہان ادھر آئی اُدھر گئی — سن سن ہوئی رواں اِدھر آئی اُدھر گئی
خونیں جو تھے تو زخمے میں ہر بار گھرتے تھے
چھپتے ہوئے یہ زخموں کے حجرے میں پھرتے تھے
قابو میں زندگی کے نہ بس میں فنا کے تھی — روزِ ازل سے قبضے میں قہر خدا کے تھی
صورت الف کی پھل میں جو سیفِ قضا کے تھی — آگے اجل کے چلتی تھی در پے بقا کے تھی
اُٹھنے میں مثلِ مدوہ سرِ آسماں پہ تھی
باقی رہا تھا کون مکاں، لامکاں پہ تھی
حافظ تھی روئے پاک کی یوں تیغ آبدار — چہرے پہ ہاتھ رہتا ہے جس شکل سے نثار
اس چال سے چلی کہ چلا ایک کا نہ وار — ہر وجہ سے بچاتی تھی غازی کو بار بار
حاجت نہ ان کو ڈھال کی وقتِ جدال تھی
شمشیرِ آبدار کی کیا چال ڈھال تھی

بجلی کا جست، شیر کی آمد، ہوا کا شور — قدرت کا کھیل، قہر کی طاقت، بلا کا زور
راہِ عدم جنازہ، ہستی دہانِ گور — جلوہ وہ تھا کہ دیکھنے سے مدعی بھی کور
رن میں جدھر یہ پارہ الماس مڑگئی
مانند ہوش اہل جفا دھوپ اُڑگئی

افواہ تھی جہاں میں بلائے جہاں ہے تیغ — اس صف میں شور تھا کہ وہاں سے وہاں ہے تیغ
اُس غول میں یہ غل تھا یہاں ہے یہاں ہے تیغ — کہتا تھا قہرِ حق ارے میں ہوں کہاں ہے تیغ
بدنام تیغ کو نہ کرو بے خطا ہے یہ
حیدرؑ کے دشمنوں کے عمل کی سزا ہے یہ

تن مچھلیوں کی طرح طپاں ہر جواں کا تھا — کوسوں تلک نشاں نہ کسی پہلواں کا تھا
دم بند ضربِ تیغ سے آبِ رواں کا تھا — اس نہر علقمہ پہ سماں نہرواں کا تھا
سقّے کے حرب سے یہ ہُوا غل جہان میں
دیں انگلیاں فرات نے موجوں کے کان میں

گہ آب گاہ شعلہ فشانی دکھاتی تھی — پانی میں آگ آگ میں پانی دکھاتی تھی
تیزی جو تیغ جعفر ثانی دکھاتی تھی — فرمانِ کبریا کی روانی دکھاتی تھی
ممکن نہیں کسی سے کمال اس نے جو کیا
اڑنے دیا نہ رنگ کو چہرے سے دو کیا

کاٹا پلک میں آنکھ کو پتلی میں نور کو — پاؤں میں کجروی کو سروں میں غرور کو
سینے میں بغض و کینہ کو دل میں فتور کو — نیت میں معصیت کو طبیعت میں زور کو
ذات اک طرف مٹادیا سب کی صفات کو
کیسی زباں زباں میں یہ کاٹ آئی بات کو

کہتی تھی تیغ ہاں مرے صفدر بزن بکش — کوفی وہ ہیں یہ شامی خود سر بزن بکش
بصری وہ ہیں یہ ساکنِ خیبر، بزن بکش — یہ شمر یہ عُمر ہے یہ لشکر، بزن بکش

ہاں تیغ جسم و روح کا جھگڑا ہی پاک کر
سینے کو پارہ، سر کو قلم، دل کو چاک کر
پھر کوندتی ہوئی جو یہ برقِ اجل گئی بصری تو کیا ہیں بصرے تلک برمحل گئی
صف کوفیوں کی زیر و زبر ہو کے جل گئی یہ مثل پیش، کوفے کے آگے نکل گئی
رویٔ روز کا نہ رہا دن میں نام تک
مانند مد صبح بڑھی تیغ، شام تک
مثل شفق لہو سے فلک کی جبیں بھری تھیں سے چرخ کشتوں سے رن کی زمیں بھری
پوچھا جو تیغ سے ابھی نیت نہیں بھری سینے میں تھی عداوت فوج لعیں بھری
لاکھوں کا خون کرنے پہ ہاں تھی نہیں نہ تھی
ہر جا تھی اور جو دیکھو کہاں تھی کہیں نہ تھی
اونچی ہوئی تو چاند نہ چرخ کہن میں تھا زیر زمیں گئی تو نہ رستم کفن میں تھا
ڈوبی جو خود میں توسنِ نو کہن میں تھا کی جب کڑی زرہ پہ نہ بکتر بدن میں تھا
لو تھی بلند بر میں زرہ پیش و پس نہ تھی
قدرت خدا کی شعلہ تو تھا اور خس نہ تھی
اس کو گرا گئی کبھی اُس کو پٹک گئی اس جا تڑپ گئی، کبھی اس جا چمک گئی
بے چاری موت رن سے یہ کہہ کر سرک گئی کس کس کی جان قبض کروں میں تو تھک گئی
گرتے ہیں سو جو ایک کے بالیں پہ آتی ہوں
تو جانے اور کام ترا لے میں جاتی ہوں
رستم سے داستان لڑائی کی پوچھیے شیروں سے سرگزشت ترائی کی پوچھیے
لیکن جدائی بھائی کی بھائی سے پوچھیے آقا کے دل سے موت فدائی کی پوچھیے
تکلیف اس طرح کی نہیں عمر بھر ہوئی
جب تک جیے حسینؑ نہ سیدھی کمر ہوئی

جب کہہ کے یا اخا شہ دیں کو بلایا تھا عمامہ یاں حسینؑ نے سر سے گرایا تھا
بانوؑ پکاری غش مرے والی کو آیا تھا حق بخشے میرے لال نے آکر اٹھایا تھا
بھائی کے غم میں آپ کو ویران کردیا
کیا جلد جلد بیٹوں کو قربان کردیا

زہراؑ کے یادگار کے صدمے ہیں یادگار تنہا رہے تو ٹوٹ پڑے آ کے سو ہزار
گھوڑے سے واں گرے تھے شہنشاہِ نامدار قاتل ہوا تھا سینے پہ حضرت کے یاں سوار
سینے کا درد کرتا تھا بیدم حسینؑ کو
ہم کو حسین دیکھتے تھے ہم حسینؑ کو

راضی ہو جو رضائے امام جلیل ہے پر قابل ملاحظہ بازو کا نیل ہے
نے کوئی دادرس ہے نہ کوئی کفیل ہے بھائی بغیر آپ کے زینبؑ ذلیل ہے
پشت و پناہ اٹھ گیا بے خانماں ہوئی
دیکھو یہ پشت قابلِ نوکِ سناں ہوئی

مرجائیں سب یتیموں کے سر پر رہوں تو میں بچپن میں ان کے قید کی ایذا سہوں تو میں
بہلانے کو تمھارے کہانی کہوں تو میں ماں ہوں تو میں پھوپھی ہوں تو میں باپ ہوں تو میں
ان کا بھی داغ آج ملے یا کہ کل ملے
ایسے نہیں نصیب کہ خدمت کا پھل ملے

میں جانتی تھی شہر بسا ہوگا بھائی کا ہوگا ہجوم قبر پہ ساری خدائی کا
چہلم کروں گی دھوم سے میں کربلائی کا پُرساں ہے یاں کوئی نہیں زہراؑ کی جائی کا
منہ ڈھانپنے کو آپ ہی پلّا بھی لیتی ہوں
اور اپنے دل کو آپ ہی پُرسہ بھی دیتی ہوں

چہلم تو کرچکی میں دل افگار یا حسینؑ اب روضہ کس طرح سے ہو تیار یا حسینؑ
بیٹا بھی اور بہن بھی ہے نادار یا حسینؑ آخر کبھی تو آئیں گے زوّار یا حسینؑ

تکیہ ہے کار سازیِ پروردگار پر
اس دم تو سائباں بھی نہیں ہے مزار پر

حضرت کی قبر ہل گئی زینبؑ کے بین سے
آ کر کہا بشیر نے ابن حسینؑ سے
شہزادے جاں بلب ہے پھوپھی شور و شین سے
چلیے وطن کو قبرِ شہِ مشرقین سے
عابد نے پوچھا کیوں پھوپھی اماں قبول ہے
وہ بولی اختیار ہے کیا ہاں قبول ہے

ہونے لگا سوار رسالہ بشیر کا
ڈنکا بجا حرم کے وداعِ اخیر کا
خیمہ اٹھا لحد سے شہؑ بے نظیر کا
اور سب تبرکات جنابِ امیرؑ کا
تربت کے گرد اونٹ برابر کھڑے ہوئے
رخصت کو جمع قبر پہ چھوٹے بڑے ہوئے

وہ وقتِ صبح اور وہ نوبت وداع کی
وہ لذت وصال وہ حسرت وداع کی
وہ قبر کا طواف وہ نیت وداع کی
وہ زائروں کی صف وہ زیارت وداع کی
جاری تھے نام سب شہدا کے زبان پر
تھا شورِ السلام علیک آسمان پر

آئے تھے کس طرح سے وطن کس طرح چلے
سر پر نہ شہ نہ گودیوں میں گود کے پلے
سوتے تھے قبر میں جو کٹائے ہوئے گلے
یہ وقت وہ تھا پھرتے تھے سب آنکھ کے تلے
عابد سے بانو کہتی تھی مہلت قلیل ہے
کچھ خاک پاک لے لو کہ صغراؑ علیل ہے

زینبؑ پکاری کوچ کا سامان ہوگیا
پھر شہر میرے بھائی کا ویران ہوگیا
پھر مقبرہ حسینؑ کا سنسان ہوگیا
ہُو کا مکان قتل کا میدان ہوگیا
آئی مسافروں کو مرے وہ زمیں پسند
دنیا میں جس زمین کو بستی نہیں پسند

اے کربلائے سرورِ دلگیر الوداع اے قتل گاہ حضرتِ شبیرؑ الوداع
اے قبرِ ابن صاحب تطہیر الوداع لو بھائی جان جاتی ہے ہمشیر الوداع
کیا بے نصیب ہے یہ سواری رسولؐ کی
تم نے مجاوری نہ ہماری قبول کی

بے آپ کے بقیعے میں کس منہ سے جاؤں گی نانا کے بھی مزار پہ عزت نہ پاؤں گی
گر جاؤں گی نجف تو ندامت اٹھاؤں گی پوچھیں گے سب بزرگ تمھیں کیا بتاؤں گی
رخصت کیا حضور نے کیوں کر یہاں رہوں
جاؤں میں کس طرف جو رہوں تو کہاں رہوں

واں قافلے میں بنت علیؑ کی پکار ہے یاں حاضر حضور یہ سینہ فگار ہے
سالارِ کارواں کا مجھے انتظار ہے کوئی جلو میں ہے نہ کوئی پردہ دار ہے
کہہ کر پھوپھی پھوپھی مجھے عابد بلاتے ہیں
میں کہہ رہی ہوں صبر کرو، آپ آتے ہیں

بھیا اٹھو کجاوے میں مجھ کو تمھیں بٹھاؤ بھیا میں بے نقاب ہوں رہگیروں کو ہٹاؤ
روکیں قنات اکبرؑ و عباسؑ کو بلاؤ خالی ہے گود بھابی کی اصغرؑ کو لیتے آؤ
سردار سارے قافلے میں آگے ہوتے ہیں
تیار کارواں ہوا اور آپ سوتے ہیں

کب سے تمھیں پکار رہی ہوں میں خستہ تن ہے ہے جواب بھی نہیں دیتے شہ زمن
بھیاؑ گلے لگالو تو جاؤں سوئے وطن آئی ندا سدھارو خدا حافظ اے بہن
صغراؑ کو میری سمت سے بھی پیار کیجیو
ہوگا ثواب خاطرِ بیمار کیجیو

لے کر بلائیں قبر کی بولی وہ سوگوار اس پیار کے نثار، اس آواز کے نثار
تسلیم کو لحد کی پھری گرد سات بار جی تو نہ چاہتا تھا پہ جبراً ہوئی سوار

جب تربت حسینؑ کی غربت نظر پڑی
ناقے پہ کتنی بار چڑھی اور اتر پڑی

ناگاہ قافلے میں قیامت بپا ہوئی　　بانوئے خستہ دل کی یہ پیدا صدا ہوئی
ہے ہے غضب ہوا مری بیٹی جدائی　　بنت حسینؑ عاشق عباسؑ کیا ہوئی
آ کر لٹی تھی چلتے ہوئے بھی میں لٹ گئی
بیٹی تو چھٹ چکی تھی سکینہؑ بھی چھٹ گئی

رستے سے اک عرب نے کہا یہ پکار کر　　اک لڑکی تو وہ پیٹ رہی ہے فرات پر
بانو جگر پہ ہاتھ دھرے دوڑی ننگے سر　　واں قبر سے لپٹ کے یہ بولی وہ بے پدر
آتی ہیں اماں اپنی کی مروت نہ کیجیو
اچھے مرے چچا، مجھے رخصت نہ کیجیو

پاس آکے ماں پکاری، بھلا ہم نے سن لیا　　واری مرا قصور بلالوں، مری خطا
بی بی تو میری اہل وفا ہیں یہ کیا کہا　　وہ بولی باوفا مجھے سمجھو کہ بے وفا
سقے کی قبر سے نہ کہیں اٹھ کے جاؤں گی
بیٹھے ہوئے سبیل یہاں میں پلاؤں گی

غصے کی بات یہ نہیں منصف ہو، کیا کروں　　تم سے وفا کروں کہ چچا سے وفا کروں
تنہا ہے ان کی قبر نہ خوفِ خدا کروں　　کم ہے جہاں تک ان کی میں خدمت ادا کروں
پالا ہے مجھ کو گود میں شاہِ مدینہ نے
آخر تمھارا دودھ پیا ہے سکینہؑ نے

اس درد کے سخن سے ہلے رانڈوں کے جگر　　آیا سکینہؑ پاس علمدارؑ کا پسر
ننھی سی ٹوپی پاؤں پہ رکھ دی اتار کر　　چھوٹے سے ہاتھ جوڑ کے بولا بہ چشم تر
ہم بھی تمھارے پاس ہی بستر لگائیں گے
بہنا جو تم نہ جاؤ گی ہم بھی نہ جائیں گے

اٹھو بہن، وطن کو چلو اب ہمارے سات　　دیکھو تمھارے سامنے ہم باندھتے ہیں ہات
ہم کیسے مان لیتے ہیں اپنی بہن کی بات　　ان کی قسم یہ جن کی لحد ہے لبِ فرات
خاطر مری کرو میں بہت دل ملول ہوں
بہنا غلام زادہ سبط رسولؐ ہوں

روتی ہوئی مزار سے اٹھی وہ ناتواں　　آئی صدا کہ خالقِ اکبر نگاہباں
جب دودھ مجھ کو بخش چکیں میری اماں جاں　　میں صدقے میری سمت سے یہ کہیو بیاں
روتی ہیں آکے قبر پہ زہراؑ غلام کو
اب آپ روئیے گا تو میرے امام کو

○

○

بن ٹھن کے ہزار بار آئی دنیا
پر چشمِ علیؑ میں نہ سمائی دنیا
جتنا درِ خیبر کو اٹھایا تھا بلند
نظروں سے اُسی طرح گرائی دنیا

○

ہر شام کو خورشید کہاں جاتا ہے
روشن ہے دبیرؔ پر جہاں جاتا ہے
مغرب ہی کی جانب کو ہے قبرِ حیدرؑ
یہ شمع جلانے کو وہاں جاتا ہے

سلام

مُجرئی یادِ حق ہے یادِ علیؑ   لوحِ دل پر رقم ہے نادِ علیؑ
خُلد کیا ہے محبتِ حیدرؑ   قہرِ دوزخ ہے کیا؟ عنادِ علیؑ
دفترِ حشر میں صحیح نہیں   فردِ ایماں بغیرِ صادِ علیؑ
یوں جگہ خُلد میں ہے شیعوں کی   دل میں شیعوں کے جیسے یادِ علیؑ
خُلد و طوبیٰ و نہرِ کوثر ہے   کاغذ و خامہ و مدادِ علیؑ
چار عنصر ہیں قالبِ دیں کے   فضل و احسان و عدل و دادِ علیؑ
نور ہی نور ہے خدا کا فقط   آتش و خاک و آب و بادِ علیؑ
اُن کی مشکل کے عقدے سب حل ہیں   جن کو دل سے ہے اعتقادِ علیؑ
بابِ فردوس فتح کر دیں گے   قبر میں ہم پڑھیں گے نادِ علیؑ
شب معراج ساتھ ساتھ رہے   کیا نبیؐ سے تھا اتحادِ علیؑ
ہیں علیؑ خانہ زادِ ربِ حرم   زادِ ایماں ہے خانہ زادِ علیؑ
ہر مرض کی دوا ہے خاکِ شفا   ہر بلا کی سپر ہے نادِ علیؑ

کیوں نہ چار آئینہ ہو شیعوں کا
ہے رباعی کی قطع نادِ علیؑ

○

گلگونہ رخسار فلک گرد ہے ان کی

گلگونۂ رخسار فلک گرد ہے رن کی ہر خار میں خوشبو ہے بہشتوں کے چمن کی
خورشیدِ نقیبانہ لیے چوب کرن کی کہتا ہے کہ آمد ہے خداوند زمن کی
مانندِ براقِ نبوی رخش ہے رو میں
روح القدس آتے ہیں خوزادے کے جلو میں

رخشندہ ہے رن مہر درخشاں کی ہے آمد ایمن ہوا بن موسیٰ عمراں کی ہے آمد
جن پڑھتے ہیں کلمہ کہ سلیماں کی ہے آمد سجدے میں ہیں سب قبلۂ ایماں کی ہے آمد
پریوں کے پرے قاف میں بیہوش پڑے ہیں
پر خوف سے بالائے بدن بال کھڑے ہیں

رن میں خلفِ صیغمِ داور کی ہے آمد رخشندہ ہیں ذرّے شہِ خاور کی ہے آمد
اعدا ہیں ہرن سیرِ دلاور کی ہے آمد دریائے تہور کے شناور کی ہے آمد
بالائے زمیں گرد سواری کی نہیں ہے
پردے میں بلا گردِ زمیں چرخِ بریں ہے

رن نور زمیں نور جہاں نور ہوا ہے ظلمات تلک نور سے معمور ہوا ہے
دریا صفتِ تختۂ بلور ہوا ہے اب سوکھ کے کانٹا شجرِ طور ہوا ہے
عالم ہے ستاروں کا جو کانٹوں کی چمک پر
ہنستی ہے زمیں ذرّوں کے دانتوں سے فلک پر

کیا یمنِ تجلیٔ ورودِ شہِ دیں ہے روشن ہے فلک پر کہ زمیں عرشِ بریں ہے
جو ذرّہ ہے خورشید کی مسند پہ مکیں ہے نگہت دہِ صد صحنِ جناں رن کی زمیں ہے

اس مہر سے ذروں کی جو تقدیر لڑی ہے
دن کو رُخِ خورشید پہ آج اُوس پڑی ہے

محشر ہے عیاں ہیبتِ سلطان زمن سے یک لخت رواں روح ہے اعدا کے بدن سے
شیروں کو تعرض نہیں صحرا کے ہرن سے شاہین کے پر جلتے ہیں اب کبکِ چمن سے
یہ مصحفِ رُخ بلبلوں کے پیشِ نظر ہے
ہر باغ میں سیپارۂ گل زیر وزبر ہے

باران ہے نَی رعد ہے نَی برق فلک پر یہ اشک ہے وہ نالہ یہ آہِ دلِ مضطر
نَی ماہ نہ خورشید نہ گردوں ہے نہ اختر وہ داغ وہ رعشہ وہ دھواں اور وہ اخگر
الیاسؑ و خضرؑ کو ہوسِ سیر نہیں ہے
سیاروں کو ثابت ہے کہ اب خیر نہیں ہے

اطلس کے بچھونے پہ فلک کو نہیں آرام اس مرتبہ کوٹا ہے کہ نیلا ہے سب اندام
سیاروں پہ ثابت ہوئی اب گردشِ ایام خورشیدِ سحر کے لیے اب حشر کی ہے شام
اک دم قدمِ گاوِ زمیں جم نہیں سکتے
گردش میں ہیں قطبین فلک تھم نہیں سکتے

عدلِ شہِ والا کا چراغ اب ہوا روشن فانوس پئے شمع بگولے کا ہے دامن
ہے ایک جگہ باز و کبوتر کا نشیمن بجلی ابھی جل جائے جو دیکھے سوئے خرمن
اللہ رے اثر معدلتِ شاہِ زماں کا
دل سوز شرر پنبہ کا ہے ماہ کتاں کا

ذروں کی نگاہوں میں سماتا نہیں گردوں کیا دب گیا ہے سر کو اُٹھاتا نہیں گردوں
کس سمت بھٹکتا ہوا جاتا نہیں گردوں پر امن کا گوشہ کہیں پاتا نہیں گردوں
گردش مہ و خورشید کو گردوں پہ نہیں ہے
یہ پتلیاں پھرتی ہیں دمِ بازپسیں ہے

شیروں کا نہ بیشہ ہے نہ آہو کا ختن آج مچھلی کا نہ دریا ہے نہ بلبل کا چمن آج
لعلوں کا بدخشاں ہے نہ موتی کا عدن آج مصر وحلب وزنگ ہے نہ روم و یمن آج
رہ جائیں گے خود برق کے پرکالے بھی جل کر
بہہ جائیں گے تلواروں کے جوہر بھی پگھل کر

کہتی ہے زمیں گنبدِ گردوں سے ٹھہر جا ہستی سے ہے پیغام اجل رن سے گزر جا
شہرہ جو سنا زخشِ فلک سیر کا ہر جا دل پھٹ گیا بادل کا نہ پھر رعد بھی گرجا
بجلی کی تڑپ اور کڑک آج کہاں ہے
بن بن کے شرر نعلِ تگاور میں نہاں ہے

نہ لعل یمن میں ہے نہ دریا میں گہر ہے آنسو ہے یہ سوکھا ہوا وہ خونِ جگر ہے
اس دم چمنِ دہر میں جو شاخِ شجر ہے وہ شاخ ہے آہو کی نہ گل ہے نہ ثمر ہے
گلچینوں کے رُخ گلشن ہستی سے مڑے ہیں
صیادوں کے بلبل کی طرح ہوش اڑے ہیں

دن میں ہے عجب دبدبۂ خسروِ عادل شمشیر ہر اک نشترِ جوہر سے ہے بسمل
جوڑے ہوئے ہاتھوں کو ادب سے ہے جلاجل سمٹی سپر ایسی کہ ہتھیلی کا بنی تل
تیغیں ہیں نیاموں میں مگر آب نہیں ہے
ناوک ہیں ملے چلّوں سے پرتاب نہیں ہے

دریا میں جو ہے شور تو میداں میں ہے ہلچل ایک ایک کا ہے مشورہ لشکر سے نکل چل
سر پاؤں پہ پڑتا ہے ارے جلد سنبھل چل نقارے دما دم یہی کہتے ہیں کہ چل چل
تپلی تو ہر اک اوٹ میں مژگاں سے عیاں ہے
بینائی مگر دیدۂ مردم سے نہاں ہے

تائیدِ خدا پشت پہ ہے فتح و ظفر پیش جس طرح سے اک حرف پہ ہو زیر وزبر پیش
مومن کو سبق سورۂ توحید کا در پیش ہو سورۂ اخلاص جدا شام و سحر پیش

واں سورہ میں ایک زیر ہے یاں شان جدا ہے
یاں زیر نہیں پشت پہ تائیدِ خدا ہے

تقریر ہے آپس میں یہی اہل ستم کی   آمد ہے ابھی رن میں شہنشاہِ امم کی
موقوف ہے بر آمد و شد سینہ میں دم کی   دم ہوگا عدم تیغ دو دم رن میں جو چمکی
لڑتا نہیں کچھ ذہن کوئی خاک لڑے گا
رن ہوگا نہ بن ہوگا وہ رن آج پڑے گا

نامردوں سے ابنِ شہِ مرداں نہیں رُکتا   ہاں مورچوں سے رخش سلیماں نہیں رُکتا
بے خون پیے خنجر بُرّاں نہیں رُکتا   بے غرق کیے نوح کا طوفاں نہیں رُکتا
لڑنا نہیں درپیش عذاب اپنے لیے ہیں
اب اُن کو بھگتنا ہے جو اعمال کیے ہیں

اب ہم ہیں نہ تم ہو نہ یہ لشکر نہ نشاں ہے   اب تیغ ہے نے تیر ہے چلّہ نہ کماں ہے
آنکھیں ہیں نہ چہرہ نہ دہن ہے نہ زباں ہے   سر دوش سے دل سینے سے جاں تن سے رواں ہے
تا شام نہ تسکینِ سپہِ شام کو ہوگی
چیونٹی بھی نہ اب مورچوں میں نام کو ہوگی

مانگیں جو اماں اب بھی شہ دیں سے تو پائیں   اغلب ہے کہ امت پہ نہ پھر ہاتھ اُٹھائیں
منہ اپنے تو ایسے نہیں کیا جاکے دکھائیں   اکبرؑ کی جوانی کے مرقع کو مٹائیں
اس طرح مسافر کوئی لٹتے نہیں دیکھا
سردار کو یوں فوج سے چھٹتے نہیں دیکھا

اب سمجھے کہ بیکس کا ستانا نہیں اچھا   اولاد پیمبرؐ کا رُلانا نہیں اچھا
دل درد رسیدوں کا دکھانا نہیں اچھا   سید پہ کبھی ہاتھ اُٹھانا نہیں اچھا
سیدانیوں کی آہ سے وسواس نہیں ہے
مہمان بُلانے کا بھی کچھ پاس نہیں ہے

کیا کیا ستم وجور ہوئے آج نہ ہم سے زخمی سرِ عباسؑ کیا گرزِ ستم سے
ٹوٹی کمرِ شاہِ ہدا بھائی کے غم سے سیدھے نہیں ہوسکتے ہیں اس بارِ الم سے
زخمی کیا برچھی سے جگر نورِ نظر کا
حضرت کے کلیجہ کو دیا داغ پسر کا

زینبؑ کے جگر گوشوں پہ بھی چل گئے بھالے بیدم ہوئے شبیرؑ کی آغوش کے پالے
کب تک جگرِ شاہِ رُسل دل کو سنبھالے شہ ایک طرف روتے ہیں سب دیکھنے والے
زینبؑ کے وہ رونے کی صدا آتی ہے یارو
ماتم میں جگر گوشوں کے چلاتی ہے یارو

بعضے رہے چُپ بعضے یہ سن سن کے پکارے مُردہ ہوئے جاتے ہو عبث خوف کے مارے
دریافت کرو حال تو شبیرؑ کا بارے رُخ رن کا ہے یا جاتے ہیں دریا کے کنارے
رن میں نہ تہیّہ وہ لڑائی کا کریں گے
پیاسے ہیں بہت قصد ترائی کا کریں گے

ناگاہ نمایاں ہوا اک پیک بہت شاد چلایا مبارک ہو مٹی جنگ کی بنیاد
ہے قابلِ عبرت شہِ مظلوم کی روداد بیووں کے کہوں بین ویا بچوں کی فریاد
فرزندِ نبیؐ رخصتِ کہن مانگ رہا ہے
روتی ہے بہن بھائی کفن مانگ رہا ہے

کہتی ہے بہن مڑ کے بقیعہ کی دوہائی اماں مجھے برباد کیے جاتے ہیں بھائی
شہ کہتے ہیں زینبؑ شدنی ہے یہ جدائی خالق نے کیا یاد قضا لینے کو آئی
یہ حکم سلاطین سے بھی ٹل نہیں سکتا
چلنے کے سوا عذر کوئی چل نہیں سکتا

اماں بھی بہت چاہتی تھیں نانا نبیؐ کو پر جب اجل آئی تو نہ چارہ تھا کسی کو
ہم سب تھے پہ روکا شب ضربت نہ علیؑ کو اور زہر ہلاہل سے بچایا نہ اخی کو

سب سے یہی شیوہ ہے جہانِ گذراں کا
دیکھے گا لحد جس نے شکم دیکھا ہے ماں کا
بے فوج سلیمانؑ و سکندر گئے زینبؑ ایک ایک ہزاروں ہی پیمبر گئے زینبؑ
دنیا سے اکیلے علی اکبرؑ گئے زینبؑ بانوؑ نے دیا ساتھ نہ ہم مرگئے زینبؑ
بچے کی رفاقت بھی نہ کی ہائے لحد میں
تنہا علی اصغرؑ کو سُلا آئے لحد میں
وہ کہتی ہے بھائی کسے گھربار کو سونپا فرماتے ہیں شہ خالقِ مختار کو سونپا
یہ قافلہ سب عابدِؑ بیمار کو سونپا گھر فاطمہؑ کا حیدرِؑ کرار کو سونپا
جب شمر ہمیں ذبح کرے بین نہ کرنا
خنجر کے تلے بھائی کو بے چین نہ کرنا
سر لاشۂ شبیرؑ پہ عریاں نہ کرنا ماتم میں مرے چاک گریبان نہ کرنا
گردوں کے تلے حال پریشان نہ کرنا امت کے ستانے پہ کبھی دھیان نہ کرنا
غصہ شہ مرداں کا بھلا دیجیو زینبؑ
اماں کے تحمل پہ نظر کیجیو زینبؑ
یہ سن کے سکینہؑ نے گریباں کیا پارہ چلائی کہ حضرت نے بھی کی موت گوارا
اب کون ہے اے قبلۂ حاجات ہمارا شہ بولے خدا ہے نہ ہراساں ہو خدارا
بی بی کو تو بہلاتے ہیں سب رنج و محن میں
صغراؑ پہ کرو غور کہ تنہا ہے وطن میں
جس کا نہ کوئی یار و مددگار ہو بیٹی دنیا میں جو بے فوج کا سردار ہو بیٹی
اکبرؑ سے جواں کا جو عزادار ہو بیٹی کیوں اپنی اجل پر نہ وہ تیار ہو بیٹی
اب حال نہ اپنوں کے لیے غیر ہو میرا
مانگو یہ دعا خاتمہ بالخیر ہو میرا

گھبرا کے پکاری وہ گرفتارِ مصیبت اب مرگئے سب آگئی اس گھر پہ قیامت
اے میرے جناب اے مرے بابا مرے حضرت بچپن پہ سکینہؑ کے اب اتنی ہو عنایت
ناقہ دو نہ محمل دو نہ پانی نہ غذا دو
لے جا کے ہمیں نانا کے روضہ پہ بٹھا دو
واں سے تو نہ بندی میں ہمیں لائیں گے کفار روضے میں نبیؐ کے تو نہ لوٹیں گے ستمگار
تھرّا کے دم سرد بھرا شہ نے کئی بار فرمایا کہ اے جانِ پدر یہ بھی ہے دشوار
ناکوں پہ کئی کوس تلک فوجِ لعیں ہے
جز قبر کہیں جانے کی اب راہ نہیں ہے
جانے دیں جفا کار تو لے جائیں ابھی ہم نانا کی لحد پر تمھیں پہنچائیں ابھی ہم
مرتے ہوئے صغرآ سے بھی مل آئیں ابھی ہم تقدیر میں ہے حلق کو کٹوائیں ابھی ہم
ایسے نہیں بچھڑے کہ ملیں قبرِ نبیؐ سے
تا حشر نہ اب ہوگی ملاقات کسی سے
پھر عالمِ حسرت میں چلے شاہِ دو عالم اور گرد چلیں بیبیاں کرتی ہوئی ماتم
مجموعۂ سادات ہوا درہم و برہم نزدیک تھا تھرّا کے گرے عرشِ معظم
رونا تھا قیامت حرمِ زار و حزیں کا
اِس وقت عزا خانہ تھا خیمہ شہِ دیں کا
بولا عمرِ سعد کہو اب تو ملی کل ناحق کا یہ وسواس تھا بے وجہ کی ہلچل
جی چھوٹ گئے فوج کے افسر تھے معطل مرنے کو حسینؑ آتے ہیں قصہ ہوا فیصل
ایسا کوئی حیدرؑ کے گھرانے میں نہیں ہے
حضرت سا اولو العزم زمانے میں نہیں ہے
یہ ذکر تھا جو نور کا مجمع نظر آیا مجموعۂ قدرت کا مرقع نظر آیا
بیتِ دوسرا حسن کا مطلع نظر آیا خورشید فقط شرم کا برقع نظر آیا

پریوں نے کہا بادِ بہاری نظر آئی
سرتاجِ سلیماں کی سواری نظر آئی

ہر ایک طرف قدرتِ باری نظر آئی کانٹے ہوئے گل بادِ بہاری نظر آئی
کونین کے سلطاں کی سواری نظر آئی اعدا نے کہا موت ہماری نظر آئی
یا شاہِ نجف کہہ کے جو لشکر پہ جھکیں گے
ہم کیا ہیں فرشتوں سے ہمارے نہ رکیں گے

عکس رُخ پر نور سے رن بن گیا ایمن فانوس کا پردہ ہے بیابان کا دامن
کانٹے عوضِ شمع ہیں فانوس میں روشن ہے دھوپ کی گرمی کہ ہے اک تختۂ گلشن
یہ دھوپ پہ عکس رُخِ گلرنگ پڑا ہے
یا تختۂ الماس پہ یاقوت جڑا ہے

چمکار کے روکا فرسِ تیز قدم کو اور شہ نے ندا دی عمرِ نحس شیم کو
او بے خبر آ سامنے کچھ کہنا ہے ہم کو مکّار نے لبیک کہا شاہِ امم کو
استادہ ہوا خسروِ جمہور کے آگے
ناری نے قیام آ کے کیا نور کے آگے

کی عرض کہ حاضر ہے یہ خاطی یہ پشیمان بسم اللہ اگر بیعت حاکم کا ہے سامان
فرمایا کہ انجان نہ بن اب بھی مجھے جان ہیں تین سوال اُن میں سے جو سہل ہو وہ مان
یہ کہکے جو اب بند کروں گا میں دہاں کو
امت کے لیے حشر میں کھولوں گا زباں کو

نخوت سے کہا اس نے کہو ہم نے رضا دی وہ بولے قریشوں کی حمیت بھی بھلا دی
تو نے ہمیں پانی نہ دیا ہم نے دعا دی اب راہِ وطن دے کہ نکل جائے یہ ہادی
روضہ کو پیمبرؐ کے عزا خانہ کروں گا
رو رو کے وہیں ماتمِ اکبرؑ میں مروں گا

وہ بولا کہ یہ بات تو بندے نے نہ مانی لو مطلب ثانی کہو اے حیدرؓ ثانی
فرمایا کہ اب قہر کی ہے تشنہ دہانی جلتا ہے کلیجہ ارے پانی ارے پانی
اللہ پہ روشن ہے پیمبرؐ کا میں جو ہوں
سمجھو نہ امام اپنا بنی فاطمہؑ تو ہوں

منھ پھیر کے حضرت سے پکارا یہ وہ اظلم کھائی ہے قسم پانی پلانے کے نہیں ہم
حضرت کو ابھی پیاس کا صدمہ ہے بہت کم اُس وقت مزا ہوگا کہ جب تڑپوگے باہم
ہے بہر جہاں نہر کا تالاب کا پانی
حضرت کے لیے خنجر بے آب کا پانی

گر آپ پیمبرؐ کے نواسے ہیں ہمیں کیا بچے شبِ ہفتم سے جو پیاسے ہیں ہمیں کیا
محروم جو سادات دوا سے ہیں ہمیں کیا سر ننگے جو قتلِ شہدا سے ہیں ہمیں کیا
پانی کی حقیقت نہیں پر تم کو نہ دیں گے
دکھلا کے بہا دیں گے مگر تم کو نہ دیں گے

تھرّا کے کہا شاہ نے ہم ایسے ہیں توبہ مہماں پہ روا ظلم و ستم ایسے ہیں توبہ
مجرم مرے نانا کے حرم ایسے ہیں توبہ ناموسِ شہنشاہِ امم ایسے ہیں توبہ
محشر میں رسولؐ دوسرا سے بھی یہ کہنا
جو ہم سے کہا آج خدا سے بھی یہ کہنا

کہہ دوں تو پگھل کر ابھی کہسار ہو پانی جنگل میں ہر اک ذرہ ہر اک خار ہو پانی
تیرے لیے دریا میں شرربار ہو پانی اپنے لیے آتش میں نمودار ہو پانی
چاہوں تو ابھی غرق تحیر میں جہاں ہو
فوارہ مرے خون سے کوثر کا رواں ہو

پر آبِ بقا سے بھی مجھے تو ہے کنارا پیاسا مرا شش ماہہ زمانہ سے سدھارا
اب قتل ہی منظور ہے تجھ کو جو ہمارا تو حکم یہ دے فوج کو تو اے ستم آرا

تنہا پہ نہ سب ٹوٹ پڑیں چار طرف سے
ایک ایک لڑے حیدرِ صفدر کے خلف سے

بیساختہ ظالم نے کہا یہ بھی ہے دشوار مطلب تو یہ ہے جلد ہوں بے سرشہ ابرار
ناگاہ بجے طبل کھنچے خنجر خونخوار چلو نسے ملے تیر ہوئے لیس کماندار
دل کہتا تھا رحم آیا نہ اپنے تن و سر پر
نامرد جھکے پھر شہِ مرداں کے پسر پر

ڈنکے پہ لگی چوب علم ہوگئے بھالے بڑھ آئے پیادوں سے سواروں کے رسالے
تلواریں لیے ہاتھ میں بھالوں کو سنبھالے اک چاند کے چوگرد یہ عقرب تھے یہ ہالے
تھا معرکہ جو فاتحِ خیبر کے پسر سے
نشے تھے شجاعوں کے ہرن جان کے ڈر سے

کاٹھی میں نہ ٹھہرا گیا شمشیر دو سر سے وہ میان سے نکلی کہ قمر برجِ قمر سے
خورشید نے کی جلوہ گری جیب سحر سے رخشاں ہوا گر ہر صدفِ فتح و ظفر سے
تھا ماہِ دو ہفتہ کہ گہن سے نکل آیا
طاؤس خیابانِ چمن سے نکل آیا

طوفان سمٹ کر لبِ تنور سے نکلا یا شورِ قیامت دہن صور سے نکلا
یہ حسن کا کلمہ لبِ جمہور سے نکلا پھل نور کا شاخِ شجر طور سے نکلا
خالی جو ہوا میان تو نقشے تھے غضب کے
منھ سانپ نے کھولا تھا نگل جانے کو سب کے

تھی جامہ سے باہر جو وہ تیغِ شہِ عالم تن برہنہ اور سرنئی بیاہی کی طرح خم
شوخی میں غزالِ ختنی رعب میں ضیغم پردہ میں منیزہ توصفِ جنگ میں رستم
باہر جو ہوئی میان سے غل تھے یہ اجل کے
مردانہ دلہن بنتی ہے حجلہ سے نکل کر

تلوار کا بڑھنا تھا کہ سب رن سے پرے تھے نوبت تھی نہ رایت نہ صفیں تھیں نہ پرے تھے
جوہر سے کھلے پیٹ میں گُن جتنے بھرے تھے بے فصل برابر چمن زخم ہرے تھے
جب سیر ہوئی شیر سے تو میوہ خوری تھی
پھر تیغوں کے پھل تھے نہ سناں تھی نہ چھری تھی

اس حسن سے تابندہ ہوئی تیغ حسینؑ خوش ہوکے کہا فتح نے یا قرۃ عینی
بے دینوں کا ہے قتل تجھے واجبِ عینی یہ کوفی و شامی ہیں وہ بدری وحسینی
مچھلی پہ ٹھہرتا نہ سرِ گاوِ زمیں پر
دم لیجیو بو سے پکے نیلے عرشِ بریں پر

پھر موذیوں کا شعلہ چمکتا نظر آیا کانٹا تھا کہ آنکھوں میں کھٹکتا نظر آیا
یا ناگ جہنم کا لپکتا نظر آیا جوہر سے نرا زہر ٹپکتا نظر آیا
جو دام میں جوہر کے پھنسا پھر نہ پتا تھا
ناگن کی طرح جس کو ڈسا پھر نہ بچا تھا

بجلی کی چمک شعلہ فشانی نے دکھائی اور شمع کی لو چرب زبانی نے دکھائی
طوفان کی رُت دھار کے پانی نے دکھائی گھاٹوں پہ نئی سیر روانی نے دکھائی
تھی آگ بھی اور پانی بھی اُس تیغ فضا میں
جل جل کے عدو بہہ گئے دوزخ کی ہوا میں

اک جان دو قالب ہے مثل اہلِ سخن میں اس تیغ دو پیکر کے تھے پیکر کئی رن میں
راکب کے بدن میں کبھی مرکب کے بدن میں گہہ خود میں گہہ سر میں گہے چشمِ دوہن میں
یہ مردہ وہ بسمل پہ سرِ راہِ عدم تھا
نولاکھ کے قالب تھے اور ایک تیغ کا دم تھا

اس صف کو اُجاڑا وہ پرا کر دیا سونا شمشیر تھی یا قہر الٰہی کا نمونا
چاٹا جو لہو کاٹ ہوا تیغ کا دونا پرنگ سمجھتی تھی وہ کفار کا چھونا

اللہ رہی صفا صاف کیا غول عدو کا
دھبہ نہ لگا دھار میں کافر کے لہو کا

جس صف پہ گری سیف صفائی نظر آئی   ٹل کر جو پڑی ضرب سوائی نظر آئی
ترکیب عناصر میں جدائی نظر آئی   نہ شانہ نہ بازو نہ کلائی نظر آئی
بازو پہ جو تڑپی نہ کسی دوش پہ سر تھا
پہلو پہ جو چمکی تو نہ دل تھا نہ جگر تھا

اعدا کے اُڑے ہوش نشانوں کے پھریرے   اور تیر یہ سہمے کہ نہ چلّے پہ بھی ٹھہرے
دریا پہ نہ چوکی تھی نہ گھاٹوں پہ تھے پہرے   پانی ہوئے جاتے تھے نگہبانوں کے زہرے
اس تیغ کو جو ناریوں سے لاگ لگی تھی
دریا کے کنارے بھی عجب آگ لگی تھی

شہباز اجل تیغ تھی اعدا تھے چکاوک   جز موت سروتن کا خریدار نہ گاہک
چھلنی تھا جگر سینوں میں ڈھالیں تھیں مشبک   بوڑی تھی جدا چھڑ سے تو سوفار سے ناوک
چلے بھی کمانوں سے کشیدہ نظر آئے
دل اہلِ کبادہ کے کبیدہ نظر آئے

اُن ناریوں سے تیغ شرر روم کو جو تھی لاگ   صحرا کرۂ نار تھا برسائی تھی یہ آگ
سر پاؤں سے کہتا تھا ارے بھاگ ارے بھاگ   بل کھاتا ہے من اپنا دہن میں لیے وہ ناگ
ڈستے ہوئے لگ جاتی ہے اک آگ بدن میں
شعلہ غضب حق کا ہے اژدر کے دہن میں

عالم تھا تلاطم کا صفِ جنگ میں ہر سو   جس تن کے مقابل ہوئی تیغ شہِ خوش خو
ڈر ڈر کے نکل جاتا تھا دل چیر کے پہلو   پنجے سے کلائی تھی جدا شانے سے بازو
بے ضرب عیاں فصل تھا وصلِ تن و سر میں
دھڑ لوٹتا تھا خاک پہ سر قعرِ سقر میں

تیزی کا یہ عالم اسے کاٹا اُسے مارا غُل اُٹھتا تھا پیہم اسے کاٹا اُسے مارا
یاں سر لیا واں دم اسے کاٹا اُسے مارا حیران تھے اظلم اسے کاٹا اُسے مارا
اس تیغ کے سایے کا زمیں میں جو گزر تھا
قبروں میں کسی مُردے کی گردن پہ نہ سر تھا

گہ شعلہ کبھی برق جہندہ نظر آئی گہ ناخنِ ضرغام درندہ نظر آئی
گہ صورتِ ثعبان گزندہ نظر آئی آب اُس کی مگر زہر کشندہ نظر آئی
رُکنے کا کہوں ڈھنگ وہ یا چال کا عالم
تھا ابروئے شمشیر میں بھونچال کا عالم

غل تھا کہ عجب ضربتِ شمشیر دودم ہے لو سر وہ پہلوانِ دمشقی کا قلم ہے
بسمل وہ یلِ روم ہے وہ ترکِ عجم ہے وہ خاک پہ ترکش وہ کمادہ وہ علم ہے
وہ تودہ ہے تیروں کا وہ چلہ ہے کماں کا
کاٹا ہوا جنگل ہے وہ لشکر کے نشاں کا

گہ شرق میں خورشید کے مانند عیاں تھی گہ غرب میں مثلِ مہِ نو جلوہ کناں تھی
گہ چرخ پہ روشن صفتِ کاہکشاں تھی یہ تیغ کے پرتو تھے فقط خود وہ کہاں تھی
کب دیکھنے میں صورتِ سیفِ دوسر آئے
ہاں موت نظر آئے تو یہ بھی نظر آئے

یاں شور وہاں غل ادھر آئی اُدھر آئی وہ چمکی وہ تڑپی وہ چھپی وہ نظر آئی
وہ تیر گئی خود میں وہ سر میں در آئی گردن سے بڑھی سینہ لیا تا کمر آئی
سن اُس کا گھٹا تھا جو دلیرانہ نہ بڑھا تھا
منہ کی وہی کھاتا تھا جو منہ اُس کے چڑھا تھا

توسن کا لقب ہے شہِ جن قوم پری میں شمہ نہیں گرمی یہ نسیم سحری میں
پریوں سے بھی سبقت ہے اُسے تیز روی میں دُم اُس کی ہے طاؤسِ جناں جلوہ گری میں

سرعت میں جو یہ نعل در آتش نظر آیا
خورشید بھی سیماب بر آتش نظر آیا

اک حسن کی تصویر تھا تک سکھ میں وہ توسن — دہرا بدن آہوئے نگہہ شیر کی چتون
شہباز کا سینہ تھا تو طاؤس کی گردن — دُم رشک دہِ سنبلہ سُم بدر سے روشن
جادو تھا کہ اعجاز و کرامات تھا گھوڑا
چھل بل تھا چھلاوہ تھا طلسمات تھا گھوڑا

ہیں ششجہت اس رخش کی رفتار سے ششدر — درماندہ ہے دورِ فلک افسردہ ہیں اختر
خورشید و قمر اس کی رکابیں ہیں مقرر — جنبش دمِ جولاں ہوئی ساتھ اس کے جو دم بھر
مدت ہوئی گھوڑا تو نگاہوں سے نہاں ہے
اب تک حرکت دونوں رکابوں میں عیاں ہے

آہوں سے دو چند اس کے طرارے نظر آئے — سایہ جو پھرا ساتھ چکارے نظر آئے
آیا جو عرق ابر میں تارے نظر آئے — چل پھر فقط ابرد کے اشارے نظر آئے
یکتا ہوئے کل تین فرس دونوں جہاں میں
یہ رن میں ہے اور دلدل و رفرف ہے جناں میں

خورشید رکاب ایک ہے اور ایک قمر اس کی — بجنے میں کوئی دم ہوئی وصلت مگر اس کی
چلنے میں مہ و خور سے جو بدلی نظر اس کی — پھر اس کو خبر ان کی نہ ان کو خبر اس کی
سرعت مہ و خور کو یہ سکھائی ہے اسی نے
دیکھی ہیں فلک سیر رکابیں بھی کسی نے

ہر جست میں کف منہ سے جو شبدیز نے ڈالا — ہر مزرعِ ہستی میں پڑا قہر کا پالا
ساتھ اس کے پھرا یہ تو کیا چرخ نے نالا — سورج سے عیاں تھا کہ پڑا پانوں میں چھالا
شبدیز فلک چلنے میں توسن سے ہٹے ہیں
کوچوں میں یہ پھرتا تھا وہاں کوچے کٹے ہیں

پس کرِسُمِ توسن سے جبل بن گئے ہاموں دھنس دھنس گیا ٹاپوں کی دھمک سے سرِ قاروں
ناگہ نظرِ شاہ گئی جانبِ گردوں خونریزیِ شمشیر سے جنگل ہوا گلگوں
بولے کہ دمِ فرضِ قدیرِ ازلی ہے
اب ظہر کا ہے عصر کہ دوپہر ڈھلی ہے

حملہ کا نہ موقع نہ لڑائی کی گھڑی ہے چلائی قضا وعدہ وفائی کی گھڑی ہے
دوزخ سے غلاموں کی رہائی کی گھڑی ہے اب زینبؑ مضطر سے جدائی کی گھڑی ہے
فردوس سے زہراؑ کے اب آنے کی ہے ساعت
دربارِ خداوند میں جانے کی ہے ساعت

جو شیث نے مارا جگر پاک پہ بھالا پرمیان میں آئی تھی نہ تیغِ شہِ والا
پھر آپ نہ سنبھلے یہ ہوا دل تہ و بالا فاقے میں کلیجے کا لہو منھ سے جو ڈالا
سجدہ کی تمنا تھی جو زہراؑ کے خلف کو
منھ پھیر دیا گرنے میں قبلہ کی طرف کو

چوگرد سے اک سینہ پہ کی تیروں کی بوچھار گردِ شہِ دیں چار ہزار آئے کماں دار
لشکر کو پکارا کہ یہی وقت ہے ہشیار اور خیمۂ عصمت کو بڑھا شمرِ ستمگار
تجویز یہ ظالم کی نرالی ہے جہاں سے
جلتی ہے زباں آہ کہوں کیا میں زباں سے

جس خیمہ میں جبریلؑ امیں سر کے بل آئے اللہ سدا اس کو جہنم میں جلائے
لشکر کو ندا دی کہ ترس کوئی نہ کھائے نیزے کئی اُس خیمہ پہ ظالم نے لگائے
ہاں خیمۂ زنگاریِ شبیرؑ جلا دو
اس گھر کو مع صاحبِ تطہیر جلا دو

یوں رنج کبھی رانڈوں کو پہنچا نہ سکیں گے یہ وقت غنیمت ہے کبھی پا نہ سکیں گے
شبیرؑ ہیں نرغے میں یہاں آ نہ سکیں گے بے بس ہیں حرم گھر سے کہیں جا نہ سکیں گے

یاں آگ وہاں تیروں کا باراں شہِ دیں پر
یہ سیر بھی دیکھی ہے کبھی روئے زمیں پر

خیمہ کے جلانے کو ہوئے جمع جو مردود　　دیکھا شہِ مظلوم نے ہوکر غضب آلود
آواز دی یہ شمر کو اوثانیِ نمرود　　باز آ ارے باز آ ابھی زندہ ہوں میں موجود
کن کو تو جلائے گا یہ کیا بے ادبی ہے
اس گھر میں کوئی اور نہیں آل نبی ہے

کیا ناریوں کو مکر سے بھڑکاتا ہے ناری　　واللہ کہ ہے نورِ خدا آل ہماری
مانندِ خلیل ان پہ بھی ہے رحمتِ باری　　ہاں آگ ہوگل اور دھواں ابر بہاری
جس کے لیے مخلوق فقط رحمت رب ہے
منگواتا ہے آگ اُن کے لیے کیا یہ غضب ہے

بتلا تو جلائے گا کسے او ستم آرا　　کبراؑ و سکینہؑ کے جلانے کا ہے یارا
یا زینبؑ بیکس پہ ہے یہ ظلم گوارا　　یا عابدؑ بیمار جو ہے پھول ہمارا
وہ رحم کے قابل ہے ستائے گا اُسے کیا
جلتا ہے بدن تپ میں جلائے گا اُسے کیا

خیمے کو نہ تو لوٹے گا کیا بعد ہمارے　　باندھے گا نہ بچوں کا گلا بعد ہمارے
جو چاہیو کیجو وہ جفا بعد ہمارے　　لے لیجیو زینبؑ کی روا بعد ہمارے
نانا کے حضور ان سے جو منھ موڑ کے جاؤں
پردے میں تو سیدانیوں کو چھوڑ کے جاؤں

خیمہ نہ جلا آسرِ شبیرؑ قلم کر　　اُٹھ جاؤں میں دنیا سے تو زینبؑ کا کھلے سر
ناگاہ پکارا عمرِ سعد ستمگر　　اس ظلم کے شایان نہیں اولادِ پیمبرؐ
جب تک پسر فاطمہؑ کا سر نہ اُتارو
ناموسِ ید اللہ کی چادر نہ اُتارو

یہ سُن کر لعیں جانب فوجِ عمر آیا یہ کہتا برابر ادھر آیا اُودھر آیا
لو لشکریو خوش ہو کہ وقتِ ظفر آیا بے سر کرو شبیرؑ کو ارمان بر آیا
جس کو کہ نبیؐ زادے کا سر ہاتھ لگے گا
مفلس نہ کبھی ہوگا وہ زر ہاتھ لگے گا

مکّار یہ سنتے ہی پھنسے دامِ ہوس میں داور سے پھرے آگئے شیطان کے بس میں
اک دم میں کیا وہ جو نہ ہو لاکھ برس میں قتل شہ مظلوم پہ کھانے لگے قسمیں
شبیرؑ کی اک جان کے گاہک تھے ہزروں
اک سینہ تھا اور ظلم کے ناوک تھے ہزاروں

فرزندِ حسنؑ کا جو تھا عبداللہ ذیجاہ کی اُس نے نظر خیمہ سے میدان کو ناگاہ
دیکھا کہ ہے شہ پر یورشِ لشکر گمراہ بس ہائے چچا کہہ کے بڑھا جانبِ جنگاہ
سیدانیوں میں غل ہوا فریاد و فغاں کا
زینبؑ نے کہا واری ارادہ ہے کہاں کا

مقتل کو نجا میں ترے صدقے ترے واری تیار وہاں جنگ پہ ہے لشکرِ ناری
تم لڑنے کے قابل نہیں کیا عمر تمھاری قاسمؑ کی جوانی پہ ابھی کرتی ہوں زاری
دیکھو تو وہاں بانی بیداد کھڑے ہیں
تیغوں کو نکالے ہوئے جلاد کھڑے ہیں

وہ بولا کہ رُکنے کے نہیں ہم پھوپھی اماں ٹھہراؤ نہ گھر میں ہمیں اس دم پھوپھی اماں
تنہا ہیں کھڑے قبلۂ عالم پھوپھی اماں غمخوار کوئی اب ہے نہ ہمدم پھوپھی اماں
رُکنے کا نہیں سینہ میں جب تک مرا دم ہے
اس وقت چچا پاس نہ جاؤں تو ستم ہے

یہ کہہ کے چلا رن کی طرف ابنِ حسنؑ آہ پہنچا جو قریب شہِ دیں غنچہ دہن آہ
دیکھا کہ ہے مجروح وہ آوارہ وطن آہ تیروں سے قبا ٹکڑے ہے پرزے ہے بدن آہ

سینہ سے لپٹ کر کہا کیا حال ہے حضرت
منھ زرد ہے اور خوں سے بدن لال ہے حضرت

ہیہات ابھی ختم ہوئی تھی نہ یہ گفتار جو حرملہ آیا وہاں تولے ہوئے تلوار
اور غصہ سے چاہا کہ سرشہ پہ کرے وار ہاتھوں کو سپر کردیا معصوم نے اکبار
بولا کہ چچا جان پہ میرے نہ ستم کر
حاضر ہے مرا سر میری گردن کو قلم کر

عادل ہے خدا بھول نہ تو عدل خدا کو کیا ذبح کرے گا مرے مظلوم چچا کو
یہ سنتے ہی پیار آگیا شاہِ شہدا کو اور سینہ سے لپٹا لیا اُس ماہ لقا کو
فرمایا جو گذرے وہ گذر جانے دو بیٹا
آتی ہے بلا صبر کرو آنے دو بیٹا

چپ رہ گیا پر منھ کو حمایت سے نہ موڑا ملعون نے اُدھر تیر ستم چلے میں جوڑا
زہ کرکے کماں تیر کو اس طرح سے چھوڑا بچے کا گلا چھید کے دل شاہ کا توڑا
گردوں پہ گئی آہ شہ تشنہ دہن کی
تھرّانے لگے قبر مدینے میں حسنؑ کی

کمھلا کے گرا پھول رسالت کے چمن کا مچھلی سا تڑپنے لگا فرزند حسنؑ کا
اور سرد ہوا ہائے ہر اک عضو بدن کا اودے ہوئے لب پھر گئی لو ڈھل گیا منکا
دم نکلا گلے سے کہ لہو بہہ گیا ہے ہے
منھ دیکھ کے سکتے میں چچا رہ گیا ہے ہے

زینبؑ درِ خیمہ سے یہ رورو کے پکاری آباد کیا پہلوئے قاسمؑ کو میں واری
پیارے نے بھی جان اپنے چچا جان پہ واری ہے ہے نہ دُلھن آئی اجل آئی تمھاری
ملنے کو شہیدوں سے مری جان سدھارے
لیکن یہ غضب ہے کہ پُر ارمان سدھارے

خیمہ سے پھرے رن کی طرف بانیِ بیداد　　اور ٹوٹ پڑا شاہ پر سب لشکرِ جلاد
اک شیرِ نیستانِ علی سیکڑوں صیاد　　یاں نیزۂ بیداد وہاں خنجرِ فولاد
بڑھ کر قدر اندازوں نے دکھلایا ہنر کو
غربال کیا سینے کو پہلو کو جگر کو

تھا سنگ دلوں کو جو نبی زادے سے کینہ　　برساتے تھے پتھر بھی سوئے شاہِ مدینہ
سب توڑتے تھے مہرِ نبوت کا نگینہ　　خشکی میں ڈبوتے تھے پیمبرؑ کا سفینہ
وہ دھوپ کی ایذا کسی مجروح سے پوچھو
شبیرؑ سے یا فاطمہؑ کی روح سے پوچھو

پہلو میں نہ قاسمؑ تھے نہ ہم شکلِ نبیؐ پاس　　بن ہاتھ کے دریا پہ پڑے سوتے تھے عباسؑ
گردِ شہِ والا تھی فقط بیکسی و یاس　　تالو سے زباں لگ گئی کس قہر کی تھی پیاس
دل سینے میں ہلتا تھا بدن کانپ رہا تھا
اور بالیں پہ رہوار کھڑا ہانپ رہا تھا

فرماتے تھے اعدا سے ارے پانی پلاؤ　　وہ کہتے تھے کوثر سے کوئی جام منگاؤ
چلاتے تھے مولا کہ ترس زخموں پہ کھاؤ　　وہ کہتے تھے عباسؑ اور اکبرؑ کو بُلاؤ
کیا بغض تھا بیرحموں کو شاہِ مدنی سے
زخموں پہ چھڑکتے تھے نمک طعنہ زنی سے

پیدا ہوئے آفاق میں آثار تباہی　　چھائی فلک و ارض پہ یک دفعہ سیاہی
موقوف فرشتوں نے کیا ذکرِ الٰہی　　مقتل کو ہوئے چار ہزار اُن میں سے راہی
سر کھولے ہوئے ماتمِ سلطانِ زمن میں
پر نوچتے سر پیٹتے وارد ہوئے رن میں

دیکھا کہ زمیں پر ہے پڑا تاجِ امامت　　سر پر بنی آدم کے ستم سے ہے قیامت
کہنے نہیں دیتے ہیں نمازی کو اقامت　　ہربار قلم کرتے ہیں طوبیٰ سا وہ قامت

سینے میں سناں منہ میں زباں نکلی ہوئی
خیمے سے بہن قبر سے ماں نکلی ہوئی ہے

دیکھا کہ ہے نرغے میں جگر بندِ پیمبر   باقی کوئی ہمدم نہیں غیر از دمِ خنجر
گہہ غش میں گہے ہوش میں ہے نائبِ حیدرؑ   شق ہوکے زباں منہ سے نکل آئی ہے باہر
ہے خون جراحت کا جو مخلوط عرق میں
بالائے زمیں نیرِ اعظم ہے شفق میں

منہ پیٹ کے سب نے سرِ تسلیم کیا خم   چلائے علیک الصلوات ہے شہِ عالم
ہے ہے ترے قاتل کلمہ گو بنی آدم   ہو مرضیِ اقدس تو انھیں قتل کریں ہم
کونین میں شہزادۂ جبریلِ امیں ہو
جبریل تو ہو سدرہ پہ تم خاک نشیں ہو

قابیل نے ہابیل کا جو خون بہایا   نہلایا بھی کفنایا بھی مدفن بھی بنایا
یہ بھی بنی آدم ہیں پہ رحم اتنا نہ کھایا   بسم تو کیا اور نہ لاشوں کو اُٹھایا
جنت میں فرشتوں سے خجل ہوتے ہیں آدم
ہفتم سے خوزادوں کے لیے روتے ہیں آدم

لکھا ہے کہ دو درد رسیدوں کو دلاسا   قرآن کا بھی ان میں نہیں کوئی شناسا
آدم کا شرف فخرِ ملائک کا نواسا   اور ہائے غضب تین شب و روز کا پیاسا
پتھر ہیں جگر ان کے یہ انسان ہیں کیسے
کافر بھی نہ ہوں گے یہ مسلمان ہیں کیسے

حضرت نے کہا میری مروت سے ہے یہ دور   انساں نظر آتے ہیں ملک آنکھوں سے مستور
قطع نظر اس کے مجھے احساں نہیں منظور   سب کچھ میرے مالک نے دیا ہے مجھے مقدور
ممکن نہیں شبیرؑ تمھیں حکمِ وغا دے
پوچھا تجھے اس دکھ میں خدا تم کو جزا دے

ہر چند فرشتوں نے کیا شاہ سے اصرار پر کل کا مددگار نہ راضی ہوا زنہار
انکار سے حضرت کے ملک ہوگئے ناچار کی عرض کہ مجبور ہیں ہم آپ ہیں مختار
خیر آپ نے جانے کو کہا جاتے ہیں حضرت
پر حکم خدا لے کے ابھی آتے ہیں حضرت

یہ کہہ کے فلک پر گئے ساکن وہ فلک کے اور حشر کیا تاجِ مقرب کو پٹک کے
کی عرض جنابِ احدی میں یہ بلک کے مشتاق ہیں امدادِ شہِ جن و ملک کے
دو لاکھ کی تیغیں ہیں اور اک اُس کا گلا ہے
پیارا ترے پیارے کا گرفتارِ بلا ہے

پوشاک جسے عید کے دن تو نے عطا کی پُرزے ہے قبا تیروں سے اُس شاہِ ہدا کی
جو لوٹتا تھا چھاتی پہ محبوب خدا کی آج اُس کا بچھونا ہے زمیں دشتِ بلا کی
ایسی کسی بسمل کو اذیت نہیں دیتے
جلاد تڑپنے کی بھی مہلت نہیں دیتے

ہم فرطِ محبت سے گئے تھے کئی باری کیا کیا نہ کہا پر نہ سُنی ایک ہماری
تجھ پر ہے توکل اُسے اے خالق باری فرمان مدد کر تو ہمارے لیے جاری
پھر جانبِ مقتل ابھی پرواز کریں ہم
جا کر مدد شاہ سرافراز کریں ہم

آئی یہ ندا جاؤ اجازت ہے خدا کی امداد کرو مالک تسلیم و رضا کی
پائی جو فرشتوں نے رضا رب علا کی بیساختہ پرواز سوئے دشت وغا کی
یہ شوقِ مددگاریِ شاہِ دو جہاں تھا
رستے میں اُنھیں سانس کا لینا بھی گراں تھا

افسوس فرشتوں کو رہی حسرتِ امداد رستے میں خبر پائی کہ زہرا ہوئیں برباد
وارد ہوئے رن میں تو نظر آئی یہ روداد سر کاٹ کے سیّد کا لیے جاتا ہے جلاد

زہرا و پیمبرؐ نے کفن خون میں بھرے ہیں
منھ اپنا علیؑ حلق بریدہ پہ دھرے ہیں
چلاتی ہے خواہر مرے بھائی مرے بھائی اے کشتۂ خنجر مرے بھائی مرے بھائی
ہے ہے مرے بے سر مرے بھائی مرے بھائی اب مرگیا سب گھر مرے بھائی مرے بھائی
کیوں بھائی سفر میں یہی وعدہ تھا بہن سے
لاشے پہ رلاؤں گا تجھے لا کے وطن سے

ہے ہے مری ماں کی مرے بابا کی کمائی لوٹی ملک الموت نے امت نے لٹائی
ویرانہ میں بستی مرے نانا کی بسائی ششماہی کو موت آئی مجھے موت نہ آئی
وارث رہے میداں میں نہ بچے رہے گھر میں
کیا ہوگیا ہے ہے یہ غضب تین پہر میں

آئے تھے مدد کو وہ فرشتے جو زمیں پر صف باندھ کے رونے لگے لاشِ شہِ دیں پر
پھر حق سے کہا شہ کا لہو مل کے جبیں پر یاری کی نہ صدقے ہوئے اس عرش نشیں پر
ہم چشموں کو منھ اب تو دکھایا نہیں جاتا
کیا حکم ہے گردوں پہ تو آیا نہیں

پیدا ہوئی آواز کہ اب حق کا ہے فرماں تا دفن رہو لاشۂ بے سر کے نگہباں
تعمیر ہو جب مقبرۂ شاہِ شہیداں روضے میں کرو ماتمِ شبیر کا ساماں
احسان خدا کا ہے یہ ہے حکم خدا کا
دو اس کے محبوں کو ثواب اپنی بکا کا

کیا تم کو دبیرؔ اور مضامین بتائیں ہر بند پہ دیتے ہیں عزادار دُعائیں
اللہ کرے ہم بھی اب اُس روضے پہ جائیں یہ مرثیہ پڑھ پڑھ کے فرشتوں کو سنائیں
دُنیا میں اگر دولتِ عقبٰی ہے تو یہ ہے
باقی مرے دل میں جو تمنا ہے تو یہ ہے

O

○

شیرانِ مضامیں کو کہاں بند کروں
بپھریں گے ڈکاریں گے جہاں بند کروں
خلاقیِ مضموں کا ہے دعویٰ سب کو
کھل جائے حقیقت جو زباں بند کروں

○

جو علمِ معانی و بیاں کو سمجھے
البتہ دبیرؔ کی زباں کو سمجھے
کیا دادِ بلندیٔ سخن اُس سے بھلا
یکساں جو زمین و آسماں کو سمجھے

سلام

نام پر شاہ کے پانی جو پلا دیتے ہیں
میرِ کوثر انھیں مُجرائی دعا دیتے ہیں

فاطمہؑ کہتی ہیں دنیا میں یہ آباد رہیں
شہؑ کا پُرسا مجھے سب اہلِ عزا دیتے ہیں

کربلا میں کوئی مدفون اگر ہو تو حسینؑ
خاک کو مرتبۂ خاکِ شفا دیتے ہیں

قتل اکبرؑ سا پسر ہوتا ہے یہ کرتے ہیں شکر
صبرِ ایوبؑ کو شبیرؑ جلا دیتے ہیں

ذبح شبیرؑ کو کرتا ہے لعیں خنجر سے
بوسے حلقوم پہ محبوبِؐ خدا دیتے ہیں

رو کے کہتی تھی سکینہؑ کہ ہمیں قید کیا
لوگ زنداں سے یتیموں کو چھڑا دیتے ہیں

پوچھتا ہے جو کوئی کس نے کمر کو توڑا
شاہؑ عباسؑ کے لاشے کو بتا دیتے ہیں

کیا سخی ہیں شہؑ دیں بخششِ اُمت کے لیے
جاں بھی دیتے ہیں گھر کو بھی لُٹا دیتے ہیں

یہ سلامِ شہِؑ مظلوم کہا خوب دبیرؔ
دیکھو انعام میں مولاؑ مجھے کیا دیتے ہیں

○

قید خانے میں طلاطم ہے کہ ہند آتی ہے

قید خانے میں تلاطم ہے کہ ہند آتی ہے — دختر فاطمہ غیرت سے موئی جاتی ہے
روح قالب میں، وہ زندان میں گھبراتی ہے — بے حواسی سے ہر اک بار یہ چلاتی ہے

آسماں دور زمیں سخت کدھر جاؤں میں
بیبیو مل کے دعا مانگو کہ مرجاؤں میں

آمد ہند کا غل عترت شبیرؑ میں ہے — شور ماتم، حرم صاحب تطہیر میں ہے
دختر فاطمہؑ، روپوشی کی تدبیر میں ہے — کہتی ہے جاؤں کہاں پاؤں تو زنجیر میں ہے

کس غضب کی یہ خجالت ہے دہائی لوگو
ہند آپہنچی مجھے موت نہ آئی لوگو

جا کے دربانوں کو قسمیں دو کہ بہر سبحاں — کوئی کھلوائے نہ تم کھولیو قفل زنداں
رات کا وقت ہے بچے ہیں ہمارے ناداں — گر نکل جائیں گے تو ہم انھیں ڈھونڈیں گے کہاں

حاکم شام کا کل تم پہ عتاب آئے گا
اور ہمارا تو گلا پہلے ہی کٹ جائے گا

کیا کروں، کیا نہ کروں، جلد بتاؤ لوگو — صدقہ اکبرؑ کا، حقارت سے بچاؤ لوگو
اوٹ کر کے ہو کھڑے، مجھ کو چھپاؤ لوگو — یا کسی کونے میں لے جا کے بٹھاؤ لوگو

سر کھلے ہوں، کسی حجرے میں مجھے بند کرو
یہ بھی ممکن نہ ہو تو خاک کا پیوند کرو

سلطنت پر ہے وہ نازاں میں اسیر و مجبور — منھ بھی بالوں سے چھپاؤں گی تو سمجھے گی غرور
آمد حرف میں کہہ بیٹھے گی یہ ہند ضرور — بی بی دربار میں تو جاتی تھی مردوں کے حضور

ایسی غیرت تھی تو بلوے میں نہ آئی ہوتی
حلق پر اپنے چھری آپ پھرائی ہوتی

شرم بازار میں کل تم کو نہ آئی بی بی واں تو گرداونٹوں کے تھی ساری خدائی بی بی
شمر کے خوف سے گردن نہ جھکائی بی بی دیکھ کر مجھ کو عبث شکل چھپائی بی بی
ہند جو چاہے گی بڑھ کر مجھے کہہ جائے گی
دخترِ فاطمہؑ منھ دیکھ کے رہ جائے گی

اور جو پہچان کے مجھ سے کیا خلق و احساں لونڈیاں ہند کی گھبرا کے کریں گی یہ بیاں
بی بی کچھ خیر ہے زینبؑ کہاں زندان کہاں باپ تو عقدہ کشا بیٹی اسیر زنداں
بے ردائی ہے تباہی ہے پریشانی ہے
توبہ توبہ یہ نبیؐ زادی ہے سیدانی ہے

کس طرح ہند کے آنے سے نہ گھبراؤں میں بنت حیدرؑ ہوں نہ کیوں قید میں شرماؤں میں
کوئی دیوار جو شق ہو تو مفر پاؤں میں سیدھی ماں جائے کے مقتل کو چلی جاؤں میں
کربلا میں نہ یہ ذلت ہے نہ رسوائی ہے
بے ردا میں ہوں تو بے گور مرا بھائی ہے

لے کے لاشے کی بلائیں کہوں حالِ زنداں ہندواں آئی تھی بھیا میں چلی آئی یہاں
تھا یہی خوف کہ گھبرا کے کرے گی وہ بیاں اے پیمبرؐ کی نواسی تو اسیروں میں کہاں
قابلِ طوق ہوئی لائقِ زنجیر ہوئی
کیا گنہ تجھ سے ہوا کونسی تقصیر ہوئی

سب ستم دیکھے یہ اندوہ اُٹھائے نہ گئے ہند کو خاک بھرے بال دکھائے نہ گئے
قید میں نام بزرگوں کے بتائے نہ گئے دربدر پھرنے کے احوال سُنائے نہ گئے
ملتی کیا ہند سے میں خاکِ عزا تھی سَر پر
نہ تو تم تھے مرے سر پر نہ ردا تھی سَر پر

کربلا کا جو سنا نام سکینہؑ نے آہ یک بیک ہو کے کھڑی کہنے لگی بسم اللہ
اچھی میری پھوپھی اماں مجھے لینا ہمراہ واں ملے گی مجھے ظالم کے طمانچوں سے پناہ

ضبط اب رونے کا زنہار نہ ہوگا مجھ سے
ننگے سر روز کا دربار نہ ہوگا مجھ سے

آہ بھر کر کہا زینب نے میں تم پر قرباں
کربلا شاہِ شہیداں کی کہاں اور میں کہاں
طوق گردن میں ہے اور پاؤں میں زنجیر گراں
میں ہوں زنداں کے قابل مرے قابل زنداں
بیٹھو صدقے گئی بیٹھو میں کدھر جاؤں گی
بیڑیاں پہنے کسی دن یہیں مرجاؤں گی

میں ہوں بیخود مرے کہنے پہ نہ جاؤ واری
آنے جانے کا کہیں ذکر نہ لاؤ واری
پھوپھی کہہ کہہ کے نہ اب شور مچاؤ واری
ہند آتی ہے مری گود میں آؤ واری
غیر ملنے کو جو آتا ہے تو چپ رہتے ہیں
پھوپھی کو ایسی جگہ کنبہ موئی کہتے ہیں

ماں کو وہ پوچھے تو آوارہ وطن بتلانا
نام خواہر کا فقط رانڈ دلہن بتلانا
بھائی کو قیدیٔ زنجیر و رسن بتلانا
باپ کو سیّد بے گور و کفن بتلانا
دیکھو غیرت سے میں ہو جاؤں گی پانی پانی
ہند کے آگے نہ تم مانگیو جانی پانی

رو کے وہ بولی کہ اچھا پھوپھی صاحب اچھا
میں بھی اکبرؑ کی بہن ہوں مجھے غیرت نہیں کیا
جان فاقے سے نکل جائے تو مانگوں نہ غذا
اپنے سقّے کے لیے روتی ہوں، پانی کیسا
پانی اُس سے نہیں میں تشنہ جگر مانگوں گی
لاش بابا کی ہے، بے گور، کفن مانگوں گی

میں نہیں لینے کی میوے وہ اگر لائے گی
خاک سمجھوں گی اگر خلعت وزر لائے گی
کان دکھلاؤں گی زخمی جو گہر لائے گی
پر دعا دوں گی جو حاجت مری بر لائے گی
پوچھا زینب نے کہ کیا رو کے کہا کہہ دوں گی
بابا صاحب کا جو سر دے گی تو میں لے لوں گی

ناگہاں فضہ نے دی اہل حرم کو یہ خبر ہند آتی ہے بڑے جاہ و تجمل سے اِدھر
بیرقیں نقرہ و زر کی ہیں جلو کے اندر پر کنیزیں تو ردا اوڑھے ہیں وہ ننگے سَر
ہر قدم ہوتی ہے بیہوش وہ شیدائے حسینؑ
ہائے زینبؑ کبھی کہتی ہے کبھی ہائے حسینؑ

کہتی ہے قیدیوں کی شور و بُکا نے مارا مجھ کو اس ہائے حسیناؑ کی صدا نے مارا
ان کے سردار کو کس فوج جفا نے مارا کیا وہ سید تھا جسے اہلِ دغا نے مارا
ایک بجلی سی کلیجے پہ مرے گرتی ہے
ننگے سر فاطمہؑ آنکھوں کے تلے پھرتی ہے

مرگیا کونسا یہ خاصۂ باری لوگو اِنس و جن حور وملک کرتے ہیں زاری لوگو
لے چلو سوئے نجف میری سواری لوگو ہوگی مشکل وہیں آسان ہماری لوگو
خیر سے ہیں مرے آقا تو وہ سوتے ہوں گے
ورنہ مرقد میں علیؑ بیٹے کو روتے ہوں گے

درِ زنداں پہ ہوا اتنے میں انبوہ کمال بولے درباں کے بڑھے دولت وعمر و اقبال
قیدیو اُٹھو دعا دے کے کرو استقبال زنِ حاکم کا ہے زنداں میں نزول اجلال
تم کُھلے سر تھے حضور اب تمھیں چادر دیں گی
رحم دل ہیں ابھی زنداں سے رہا کر دیں گی

مہرباں ہوں گی تو خلعت ابھی پہنا دیں گی صبح کو بیڑیاں بھی پاؤں کی کٹوا دیں گی
عذر حاکم نہ کرے گا جو یہ سمجھا دیں گی نام جس شہر کا لوگے وہیں پہنچا دیں گی
قصر شاہی سے جو تشریف یہاں لائی ہیں
پرورش کرنے کو تم سب کی حضور آئی ہیں

دم بخود رہ گئیں سیدانیاں سُن کر یہ صدا ہوگئی قطع زباں تیغ حیا سے گویا
دم نہ تھا جان نہ تھی ہوش نہ تھا صبر نہ تھا تھرتھرانے لگے بچے بھی کہ کیا قہر ہوا

یوں حرم لوٹتے تھے جکڑے ہوئے آہن میں
ذبح ہو کر شۂ دیں تڑپے تھے جیسے رن میں

درِ زنداں پہ قدم ہند نے رکھا ناگاہ	اور باہر سے نقیبوں نے کہا بسم اللہ
لونڈیاں آگے بڑھیں کہتی ہوئیں پیش نگاہ	پیچھے دامن لیے ہاتھوں میں خواتین ہمراہ
سَر پر رکھے کوئی کرسی زبرجد آئی
کوئی بغلوں میں لیے تکیہ و مسند آئی

زنِ حاکم کی یہ حشمت یہ لباسِ پُر زر	اور بانوئے حسینؑ ابنِ علیؑ ننگے سَر
نہ مدائن نہ مدینہ نہ پدر نے شوہر	دونوں سرکاریں لٹیں رہنے کو پایا یہ گھر
خونِ اکبرؑ کا لگائے ہوئے پیشانی پر
روتی تھی اپنی گرفتاری و حیرانی پر

لونڈیاں تھیں زنِ حاکم کے جلوں میں جو رواں	دیکھتی کیا ہیں کہ اک شیر ہے آہن میں نہاں
لاغر و خستہ تن و فاقہ کش و تشنہ دہاں	منھ پہ سیلی کے نشاں پُشت پہ دروں کے نشاں
ساق پا فاقے سے زنجیر میں تھراتی ہے
اُستخوانوں سے لرزنے کی صدا آتی ہے

سب نے مُڑ کر طرفِ ہند یہ کی نوحہ گری	دیکھیے شام کے زنداں میں چراغِ سحری
کیوں مسلسل کیا یہ تو ہے عدم کا سفری	یادِ حق سے ہے خبر، خلق سے ہے بے خبری
کس نے دم بند کیا طوق جفا سے ان کا
سلسلہ ملتا نہ ہو شیرِ خدا سے ان کا

خشکی لب سے عیاں ہے کہ مہینوں کی ہے پیاس	تپ سے بیہوش ہے پر شکر خدا کا ہے حواس
نہ بچھونا ہے نہ تکیہ نہ عمامہ نہ لباس	سر کو زانو پہ جھکائے ہوئے بیٹھا ہے اُداس
ثقلِ طوق سے سیدھا نہیں ہوسکتا ہے
نہ تو سوسکتا ہے بیمار نہ رو سکتا ہے

بیچ میں زانوؤں کے سر کی ہے کیا شوکت وشاں نور کی رحل پہ گویا کہ دھرا ہے قرآں
کیا بھووں کے تلے آنکھوں سے تجلی ہے عیاں کعبے کے طاق میں روشن ہے چراغ ایماں
قلم قدرت حق بینی نورانی ہے
لوح محفوظ کی اثبات کو پیشانی ہے

سورۂ نور جو پڑھنا ہو تو چہرا دیکھو لیلۃ القدر ہے کاکل سے ہویدا دیکھو
شجرِ طور کے بدلے قدِ زیبا دیکھو یدِ بیضا کے عوض آبلۂ پا دیکھو
کیوں نہ یاں صل علی منھ سے ہمارے نکلے
صدقے ان پاؤں کے جن سے یہ ستارے نکلے

ہتھکڑی میں ہے یہ پتلی سی کلائی روشن یا ہلال شب اوّل کے ہے چو گرد گہن
دیکھنا بی بی گلے میں ہے یہ طوق آہن یا کہ ہالے میں خورشید فلک جلوہ فگن
بی بی قربان ترے اس کی رہائی کردے
ہاتھ ہم باندھتے ہیں عقدہ کشائی کردے

ہند نے دیکھ کے رانڈوں کی طرف دی یہ صدا خاک پر در نجف ہائے پڑا ہے کس کا
کس کا یوسف ہے یہ زنداں میں گرفتار بلا کیسے بے قدر ہو تم قدر نہیں اس کی ذرا
کام آخر ہوا اک دم میں یہ دم توڑتا ہے
ایسے بیمار کو تنہا بھی کوئی چھوڑتا ہے

گرد عابدؑ کے پھری پھر وہ بحال تغیر رکھ دیا پاؤں پہ سر اپنا ہٹا کر زنجیر
بولے وہ کون یہ چلائی کنیز شبیرؑ السلام اے رسن وطوق وسلاسل کے اسیر
ہے وصیت کا محل مرنے پہ تیار ہے تو
کچھ کفن کے لیے رکھتا ہے کہ نادار ہے تو

غم نہ کھا گور وکفن میں تجھے دوں گی واللہ ننگے سر تیرے جنازے کے چلوں گی ہمراہ
مرنے والے ترا کیا نام ہے اور کیوں ہے تباہ بولے مولا ابھی چالیس برس جینا ہے آہ

نام بیکس بھی ہے قیدی بھی ہے نادار بھی ہے
حال یہ ہے کہ اسیری بھی ہے آزار بھی ہے
ہند نے پوچھا مرض کیا ہے کہا بے پدری   رو کے وہ بولی دوا کیا ہے کہا نوحہ گری
گھر جو دریافت کیا کہنے لگے در بدری   بولی لیتا ہے خبر کون کہا بے خبری
آہ کرنے کا سبب پوچھا تو شرمانے لگے
تازیانوں کے نشاں پُشت پہ دکھلانے لگے
بولی وہ کونسی عصیاں یہ ملی یہ تعذیر   رو کے فرمایا گنہ کچھ بھی نہیں بے تقصیر
اُس نے منھ پیٹ لیا اور کہا کب سے ہو اسیر   بولے دسویں تھی محرم کی جو پہنی زنجیر
کچھ کفن کے لیے ہمراہ نہیں لایا ہوں
باپ کو چھوڑ کے بے گور و کفن آیا ہوں
بولی وہ کوئی ترے سر پہ ہے اے خاک نشیں   سر اُٹھایا سوئے گردوں کہ خداوند زمیں
ہاتھ بیبوں کی طرف کر کے پکارا وہ حزیں   یہ ہمارے لیے ہم ان کے لیے ہیں غمگیں
بابا صاحب کے گلے پر جو نہ خنجر پھرتا
ان کے سر کھلتے نہ میں کانٹوں پہ در در پھرتا
سُن کے عابدؑ کے کلام اُس نے خواصوں سے کہا   صاف کعبے کے فصیحوں کا ہے لہجہ بخدا
مل گیا حیدر کرّار کی باتوں کا مزا   اب چلو رانڈوں سے پوچھیں نہ اسے دیں ایذا
پاس بیبوں کے جو وہ صاحب حشمت آئی
اور خاتون قیامت پہ قیامت آئی
شانِ زینب پہ نظر کر کے کہا یا داور   خلد سے فاطمہ زندان میں آئیں کیونکر
دیکھا بانو کو تو یہ کہنے لگی وہ ششدر   ہائے ایران کی شہزادی ہے کیوں ننگے سَر
قدرتِ خالق قیوم نظر آتی ہے
کوئی زینبؑ کوئی کلثوم نظر آتی ہے۔

بولی زینبؑ کہ نہ لے زینبؑ و کلثومؑ کا نام　　وہ نبیؐ زادیاں ہیں قید میں اُن کا کیا کام
ہے غضب فاطمہؑ کی آلؑ کے حق میں یہ کلام　　توبہ کر ہوش میں آ بی بی زباں اپنی تھام
بلوے میں عترتِ محبوب الٰہی آئے
اور جہاں میں نہ قیامت نہ تباہی آئے

دن کو جس بی بی کا مردہ بھی نہ نکلا باہر　　شام میں پھرنے لگیں بیٹیاں اُس کی دَر دَر
جن کی تعریف کی منبر پہ نبیؐ نے اکثر　　اُن کو لوٹیں گے مسلماں تمھیں آیا باور
جن کو اللہ و نبیؐ حرمت و عزت دیں گے
چادریں اُن کی بھلا صاحبِ ایماں لیں گے

ہند بولی کہ بُری ہوتی ہے حرصِ دنیا　　انبیا پر نہیں کیا کیا ستم اُمت نے کیا
مصطفےٰ کون سے راضی گئے امت سے بھلا　　مرتے دم تک رہیں نالاں مری بی بی زہرا
زخم بازو پہ لگا وہ کہ پھر اچھا نہ ہوا
ہاتھ مخدومۂ کونین کا سیدھا نہ ہوا

شاہِ مرداں کو رَن میں کیا اُمت نے اسیر　　زہر شبّرؑ کو مخالف نے دیا بے تقصیر
اَب فقط پنجتن پاک میں ہے اک شبیر　　اُن کی بھی جان کے دشمن ہیں ہزاروں بے پیر
چین دل کے مرے اس رنج سے سینے میں نہیں
کوئی کہتا تھا کہ شبیر مدینے میں نہیں

ظلم گزرے ہیں جو آگے وہ ہیں ایک ایک کو یاد　　کربلا میں کوئی گھر تازہ ہوا ہے برباد
لائی ہے مال و اثاثہ سپہ ابنِ زیاد　　یا الٰہی رہے سرکارِ حسینیؑ آباد
کل مجھے لوٹ کا اسباب جو دکھلایا تھا
اِک پھٹے جامے پہ حاکم کو بھی غش آیا تھا

اک علم ہے اُسی اسباب میں خورشید نشاں　　مشک پنجے میں بندھی خوں میں پھریرا افشاں
ایک گہوارے کی خوشبو سے یہ ہوتا ہے عیاں　　کہ ابھی اُٹھ کے سدھارا ہے کوئی غنچہ دہاں

بیچ میں تکیوں کے ننھا سا شلوکا دیکھا
دودھ اُگلا ہوا اور داغ لہو کا دیکھا

چادریں بھی کئی میلی سی ہیں بوسیدہ کمال　　آشکار اُن سے ہے سیدانیوں کے فقر کا حال
ٹوپیاں ہنسلیاں رومالیاں بندے خلخال　　سر کہیں تن ہیں کہیں تیغوں کے پھل خون میں لال

اسی غارت میں کچھ اسباب نیا بیاہ کا ہے
نتھ ہے اک بنڑی کی سہرا کسی نوشاہ کا ہے

اک انگوٹھی اُسی اسباب میں نکلی ناگاہ　　لال تھا اُس کا نگیں خون سے مالک کے آہ
میں نے جھک جھک کے جو کی اُس کے نگینے پہ نگاہ　　دیکھتی کیا ہوں کہ مرقوم ہے ماشاء اللہ

جب اُسے سونگھتی ہوں جان نکل جاتی ہے
صاف خوشبوئے حسینؑ ابن علیؑ آتی ہے

اُس نے اسباب کی تفصیل جونہی بتلائی　　تھا یہ نزدیک کہ زینبؑ کہے ہے ہے بھائی
کہا کبراؑ نے کہ شادی نہ مجھے راس آئی　　دولہا کے مردے پہ تقدیر نے نتھ بڑھوائی

جھولے والے کے تصور میں پکاری بانو
ترے صدقے ترے گہوارے کے واری بانو

ہند ایک ایک کے قدموں پہ گری گھبرا کر　　اور دوہائی دی کہ اب چپ نہ رہو شرما کر
ذبح کر ڈالو مجھے ایک چھری منگوا کر　　کس مصیبت میں پڑی آہ محل سے آکر

ذکر شبیرؑ کا کرتی ہوں تو رو دیتی ہو
نام جب پوچھتی ہوں سر کو جھکا لیتی ہو

کہا زینبؑ نے نہ اس بات پہ ہو دامن گیر　　نام وارث کا ہمارے بھی ہے بیکس شبیرؑ
مال و اسباب ہمارا بھی لٹا بے تقصیر　　پیٹ کر اُس نے کہا ہائے لگا دل پہ تیر

یہ گزارش مری زہراؑ کے لیے مانو تم
اُس انگوٹھی کو میں منگواتی ہوں پہچانو تم

کہہ کے یہ خاتم شاہِ شہدا منگوائی ایک لونڈی گئی دوڑی ہوئی اور لے آئی
ہند سب رانڈوں کے آگے وہ انگوٹھی لائی بہر تعظیم اُٹھی شیرِ خدا کی جائی
غل ہوا شاہِ شہیداں کی نشانی آئی
لوگو زہراؑ کے سلیماں کی نشانی آئی

آئی اُس غل میں یہ آواز بتولِ غمگیں اے اسیرو یہ مرے لال کا ہے سرخ نگیں
کاٹ کر لاش کی اُنگلی کو لے آئے ہیں لعیں روئیں سیدانیاں سر پیٹ کے ہے ہے شہِ دیں
کہا تتلا کے سکینہؑ نے میں پہچان گئی
یہ انگوٹھی مرے بابا کی ہے قربان گئی

سونگھتے سونگھتے انگشتری شاہِ زمن ہو کے بیہوش گری بنتِ شہِ قلعہ شکن
کہا فضہؑ نے کہ ہے ہے مری محبوس رسن پڑ گیا غل کہ تصدق ہوئی بھائی پہ بہن
بولو اے مریم ثانی مری صاحبزادی
میری بی بی کی نشانی مری صاحبزادی

ہول آتا ہے مجھے ہوش میں آؤ بی بی سہمی جاتی ہے سکینہؑ نہ رلاؤ بی بی
ہند دیتی ہے قسم نام بتاؤ بی بی بچے سب روتے ہیں آواز سناؤ بی بی
اُٹھو تعظیم کو زہراؑ کا پسر آیا ہے
دیکھو دیوار پہ شبیرؑ کا سر آیا ہے

نیم وا چشم سے کی زینبؑ بیکس نے نگاہ ہند نے رو کے کہا آہ نبیؐ زادی آہ
میں نہ کہتی تھی کہ گھر ہو گیا زہراؑ کا تباہ یہ حسینؑ اور نہیں، ابنِ علیؑ ہے واللہ
نورِ حق خاک میں پوشیدہ و پنہاں کب ہو
میں تو پہلے ہی یہ سمجھی تھی کہ تم زینب ہو

بخشیئے میری خطا بہرِ جناب شبیرؑ میں رہی پردے میں اور تم پھریں بلوے میں اسیر
کہا زینبؑ نے کہ پھر اس میں تری کیا تقصیر اسی قابل تھی حسینؑ ابنِ علیؑ کی ہمشیر

خوب حاکم ترا بی بی حق و باطل سمجھا
پسر فاطمہ کو ذبح کے قابل سمجھا

ناگہاں نورِ خدا سے ہوا زنداں روشن سرِ دیوار ہوا شاہؑ کا سر جلوہ فگن
چشم ہر سوگراں، غرق بخوں خشک دہن لب اعجاز سے جاری تھا ہر اک دم یہ سخن
دیکھ اے ہند بہن بھائی کی تقدیر یہ ہے
سر شبیر میں ہوں خواہرِ شبیر یہ ہے

نذر دینے لگی زینبؑ کو روا وہ غمخوار آئی زہراؑ کی صدا بیٹی نہ لینا زنہار
بے کفن ہے ابھی جنگل میں ہمارا دلدار دھوپ میں لاش پڑی ہے نہ کفن ہے نہ مزار
دیکھوں کب دفن مرا لختِ جگر ہوتا ہے
لاش پر شیرِ خدا آتا ہے اور روتا ہے

سُن کے یہ بیبیوں کے ساتھ کیے ہند نے بین اور کہا کون ہے بانوئے امام کونین
بانو چلائی کہو بولی وہ باشیون و شین سُنتی ہوں آپ کا معلوم ہے ہم شکل حسینؑ
جان قربان جمال شہِؑ ابرار کروں
دو مری گود میں اصغرؑ کو تو میں پیار کروں

گود خالی اسے دکھلا کے یہ بانو نے کہا بی بی اصغرؑ کہاں، اصغرؑ ہوئے بابا پہ فدا
تین دن تک مرے ششماہے کو پانی نہ ملا چھد گیا ہائے غضب تیر سے ننھا سا گلا
دودھ اُگلتے ہوئے جنت کو سدھارے اصغرؑ
نام لے کر مرا ہے ہے نہ پکارے اصغرؑ

بس دبیرؔ اب نہیں تصنیف کا یارا باقی گو کہ مضمون نئے ہیں، ابھی کیا کیا باقی
یا الٰہی رہے جب تک کہ یہ دنیا باقی تعزیہ دار رہیں شاہ کے ہر جا باقی
جو غلامانِ علیؑ ابنِ ابی طالب ہوں
غالب کل کے مخالف پہ سدا غالب ہوں

○

○

گنجینہ جسے رب ہدا دیتا ہے
وہ داد عطیۂ خدا دیتا ہے
خاموش حبابوں کے ہیں ظرف خالی
دریا میں ہیں موتی وہ صدا دیتا ہے

○

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
دل میں وہ فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتا ہے تہی دست ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

سلام

مجرئی دامن میں لی جب کربلا کے بن کی خاک
گر گئی نظروں سے اپنے وادیٔ ایمن کی خاک

اے سلامی میں نہ لوں فردوس کے گلشن کی خاک
ایک ذرہ گر ملے شبیرؑ کے مدفن کی خاک

خاک اس کے منھ میں جو اس کو کہے گلشن کی خاک
نور ہے اے مجرئی شبیرؑ کے مدفن کی خاک

بولے شہؑ آرام شیعوں کا مجھے منظور ہے
دیکھنا خاکِ شفا ہوگی مرے مدفن کی خاک

رن میں بہرِ حرب جب آئے امامِ شرق و غرب
پرتوِ عارض سے چمکی ذرّہ ذرّہ رن کی خاک

رشتۂ الفت قوی ہے تو بنا کر سبحہ تو
ہاتھ میں رکھیو سدا مظلوم کے مدفن کی خاک

قبر کی راحت ہے کیا؟ اخلاص ابنِ بوتراب
دین کی دولت ہے کیا؟ شبیرؑ کے دامن کی خاک

شمر و حُر کی زشتی خوبی سے یہ ثابت ہوا
وہ جہنم کا دھواں یہ خلد کے گلشن کی خاک

جب تلک ہوگا نہ محشر ہے یہ شکلِ فاطمہ
منھ پہ شہؑ کا خون سر پر کربلا کے بن کی خاک

ناناؐ کے روضے سے نکلے شاہؑ یہ کہتے ہوئے
ہے مقدر میں ہمارے کربلا کے بن کی خاک

مرہمِ زخمِ گنہ پوچھا جو عیسیٰ سے دبیر
لکھ دیا نسخہ لگا شبیرؑ کے مدفن کی خاک

جب داغ بیکسی نہ سکینہؑ اٹھا سکی

جب داغ بیکسی نہ سکینہ اٹھا سکی ۔۔۔ کچھ دردِ دل نہ خوف کے مارے سنا سکی
کھائے طمانچے شمر کے جب تک کہ کھا سکی ۔۔۔ سن کم تھا دکھ بہت تھے نہ برداشت لا سکی
روئی تو ظالموں نے جفا بے شمار کی
آخر یہ جبر دیکھ کے موت اختیار کی

گر آہ کی تو شمر پکارا خموش ہو ۔۔۔ اور چپ ہوئی تو بے پدری نے کہا کہ رو
گہہ نہ شدت عطش میں پکاری کہ پانی دو ۔۔۔ گہہ یاد کر کے رہ گئی بابا کی پیاس کو
سوئی جو آنسو پونچھ کے چشم پر آب سے
ہے ہے حسینؑ کہہ کے پھر اُٹھ بیٹھی خواب سے

دل میں سما گیا تھا جو شمر لعیں کا ڈر ۔۔۔ سوتے میں بھی جھجک کے یہ کہتی تھی رات بھر
فریاد چھینتا ہے گہر شمر بد گہر ۔۔۔ اماں بچاؤ آتا ہے درّہ لیے عمر
زینب پھوپھی چھپالو کلیجہ دھڑکتا ہے
سجاد بھائی دیکھو وہ خولی گھڑکتا ہے

چپ تھی تو چپ تھی بولتی تھی تو ڈری ہوئی ۔۔۔ واں شمر آیا تن من یہاں تھرتھری ہوئی
تھی آہ بات بات میں لب پر دھری ہوئی ۔۔۔ اور ریسماں گلے کے لہو سے بھری ہوئی
دم رکنے لگتا تھا تو رسن کھول دیتی تھی
سن کر صدائے شمر رسن باندھ لیتی تھی

فاقوں سے رفتہ رفتہ یہ لاغر بدن ہوا ۔۔۔ مشکل سے اُٹھتی بیٹھتی تھی غم کی مبتلا
آواز بند ضعف سے منہ پیاس سے کھلا ۔۔۔ تھا پوست برگ گل کی طرح چہرے سے جدا

جاری تھے آنسو آنکھوں سے اور خون کان سے
پیدا تھا شور ہائے حسینا زبان سے
حرف درشت ظالموں نے بارہا کہا   بیکس نے سن لیا نہ کسی کو برا کہا
اللہ رے صبر یہ بھی نہ پوچھا کہ کیا کہا   دیکھا فلک کو یاس سے خدا کہا
کیا کیا نہ خلق کلمے حقارت کے کہہ گئی
یہ بیکسی سے دیکھ کے منہ سب کا رہ گئی

بن فرش سوتے سوتے جمی پیرہن میں گرد   رہنے لگا تڑپتے تڑپتے بدن میں درد
دل غم سے جلتے جلتے ہوا زندگی سے سرد   تھا فاقے کرتے کرتے بدن خشک چہرہ زرد
چلا کے رونا شمر کی دہشت سے چھٹ گیا
یاں تک گلا بندھا کہ دم آخر کو گھٹ گیا

جب پیاس لگتی رو کے چچا کو پکارتی   دکھتے جو کان شاہ ہدا کو پکارتی
آتا نہ جب کوئی تو خدا کو پکارتی   جینے سے تنگ ہو کے قضا کو پکارتی
کہتی تھی نے چچا نہ امام امم رہے
شمر لعیں کی گھڑکیاں کھانے کو ہم رہے

حال شب وفات سکینہ ہے یادگار   گویا کہ اپنی مرگ تھی بیکس پہ آشکار
ملتی تھی شام سے وہ گلے سب کے بار بار   ماں کی بلائیں لیتی تھی وہ ماں کی غمگسار
تسلیم کو پھوپھی کی کبھی سر جھکاتی تھی
تھی بے خطا پہ سب سے خطا بخشواتی تھی

کبرا سے چپکے چپکے کبھی کرتی تھی بیاں   کل اک جگہ میں جاؤں گی اس گھر سے میہماں
رو کر وہ پوچھتی تھی کہو تو کہاں کہاں   دروازے میں تو قفل ہے ہاتھوں میں ریسماں
یہ کہتی تھی کہ قفل لگا ہے تو کیا ہوا
زندان ہے بند باب جناں ہے کھلا ہوا

زندان سے کہتی تھی یہ کبھی وہ اسیر غم ہوجائے گا کل ایک ترا میہماں کم
میت کسی کی نکلے گی ننھی سی صبحدم بانو سے یہ خطاب کبھی تھا بہ چشم نم
اک تازہ موت ہوگی نبی کے گھرانے میں
اماں لٹوگی آج کی شب قید خانے میں

بانو پکاری لٹ تو چکی اب لٹوں گی کیا ہے ہے نہ نام لٹنے کا لو تم پہ میں فدا
گوہر چھنے طمانچے لگے کان شق ہوا لٹنے سے میری بیٹی کا پر دل نہیں بھرا
زینب کی پشت نوک سناں سے فگار ہے
لٹنے کا میری بی بی کو پھر انتظار ہے

اب کیا لٹے گا مال نہیں زر نہیں رہا اکبر نہیں رہے علی اصغر نہیں رہا
رہنے کو قید خانہ رہا گھر نہیں رہا ہاتھوں میں ریسمان ہے زیور نہیں رہا
دولت ہے کونسی جسے زنداں میں کھوؤں گی
رونا تھا جس کو روچکی اب کس کو روؤں گی

کبرا ہے تم ہو اور یہ سجاد ناتوان گر یہ بچے تو نام ہے ورنہ ہوں بے نشان
وہ بولی سب رہیں گے سلامت پہ میں کہاں ماں نے کہا خدا نہ کرے آہ میری جاں
وہ بولی کھل ہی جائے گا اماں جو ہوئے گا
بابا کی رونے والی کو کل کنبہ روئے گا

غم سے تمھارے قید کا اور بے ردائی کا آگے مرے نہ طور ہوا کچھ رہائی کا
نکلا گلا نہ طوق سے سجاد بھائی کا حاکم نے سر دیا نہ شہہ کربلائی کا
عرصہ کفن پہننے میں اپنے بھی کیا رہا
پر حیف سر پھوپھی کا مری بے روا رہا

پھر روکے بولی آپ ہی بیجا ہے یہ گماں کنبہ اسیر دیس پرایا کفن کہاں
عالم عدو زمانہ بغی منحرف جہاں کیا بیکسی کا وقت ہے ہم پر کہ الاماں

بیکس ہوں کردیا جو اسیر رسن مجھے
ہے کون بعد مرگ، جو دے گا کفن مجھے

اب میری موت ایسی مبارک کرے خدا مرتے ہی میرے قید سے سب کنبہ ہو رہا
جاتا رہے بخار برادر کا بے دوا جنت کو میں رواں ہوں مدینہ کو اقربا
غل ہو سکینہ لے کے بلا سب کی مرگئی
حیدر کی پوتی مشکلیں آسان کر گئی

عابدؔ سے پھر کہا جو نہ حجت کریں لعیں جانا پسند کرنے کو خود قبر کی زمیں
پھر سوچ پاؤں دیکھ کے بولی نہیں نہیں ایسے مریض اٹھ کے سنبھل سکتے ہیں کہیں
تکلیف تم نہ کرنا بہ کہ حالت تغیر ہے
مدفن وہیں ملے گا جہاں کا خمیر ہے

یہ کہہ کے ماں کی گود میں لیٹی وہ نوحہ گر آنکھوں میں خواب خواب میں آئی وہیں پدر
کپڑے لہولہان تن پاک خون میں تر لیکن نہ ہاتھ جسم مبارک میں ہیں نہ سر
شہہ رگ کٹی ہوئی یہ کرامت دکھاتی ہے
پیہم صدا سکینہ سکینہ کی آتی ہے

پہچان کر سکینہ صدائے شہ زماں تسلیم کر کے لپٹی کہا واہ بابا جاں
جب ہم طمانچے کھا چکے تب آئے ہو یہاں کہتی تھی میں اب آئیں گے جو شاہ بے کساں
کھلواؤں گی گلے کو میں ہاتھوں سے باپ کے
سو ہاتھ بھی نظر نہیں آتے ہیں آپ کے

مشکل کشا کے لال کہو ہاتھ کیا ہوئے میں نے سنا تھا ذبح شہہ کربلا ہوئے
ہے ہے یہاں تو ہاتھ بھی دونوں جدا ہوئے گویا دہان زخم سے شاہ ہدا ہوئے
وعدے پہ سر دیا تھا ترے بابا جان نے
اے بیٹی ہاتھ کاٹ لیے ساربان نے

لو آخری سلام کرو جا کے ماں کو اب　　جنت میں فاطمہؑ نے کیا ہے تمھیں طلب
وہ بولی پھر ملوگے نہ شاہنشہ عرب　　فرمایا حق کو دیتا ہوں ضامن میں تشنہ لب
عزت سے باپ خلد میں تجھ کو بلائے گا
تن جائے گا تو سر ترے لینے کو آئے گا

یہ سن کے چونکی اور ملی سب سے یک دگر　　پھر ہاتھوں سے اندھیرے میں ڈھونڈا ادھر اُدھر
جس پر کہ ہاتھ پڑ گیا بولی پدر پدر　　چلائی ماں پدر کہاں قیدی ہیں خاک پر
یہ ہم ہیں اور بچے ہیں غش میں پڑے ہوئے
اس نے کہا پدر بھی یہیں تھے کھڑے ہوئے

اماں نشاں سناؤں غلط کہتی ہوں میں کیا　　جس سینے پر میں سوتی تھی تیروں سے ہے چھنا
شہ رگ کا خون بند ابھی تک نہیں ہوا　　ہے ہے کچھ اور تم نے سنا ہاتھ ہیں جدا
ہے ہے طبق نہ ارض و سما کے اُلٹ گئے
سر تو کٹا تھا ہاتھ بھی بابا کے کٹ گئے

سن کر یہ حال ہو گیا سب کا تباہ حال　　کھولے سبھوں نے گرد سکینہ کے اپنے بال
منہ پیٹے اس قدر کہ ہلا عرش ذو الجلال　　خواب اجل سے چونکا یزید زبوں خصال
بولیں خواصیں ہے یہ سبب شورشین کا
ماں سے سکینہ مانگتی ہے سر حسینؑ کا

یہ سن کے اس نے طشت میں بھجوایا شہ کا سر　　بیٹی کے لینے کے لیے آیا سر پدر
رکھا گیا جو طشت طلائی زمین پر　　سرپوش اس کا الٹا سکینہ نے دوڑ کر
حسرت سے باپ بیٹی نے باہم نگاہ کی
سر نے بھی رو کے آہ کی اُس نے بھی آہ کی

زلفیں جو الجھی دیکھیں کہا لوگو کنگھی لاؤ　　مہماں مرا پیاسا ہے پانی کوئی پلاؤ
لینے کو بابا آئے ہیں رخصت کو میری آؤ　　اماں کفن منگاؤ سواری مری منگاؤ

قاسم بھی پیشوائی کو اکبر بھی آئے ہیں
لو دیکھو گھٹنوں علی اصغر بھی آئے ہیں

کرتی ہوں اک وصیت آخر میں سوگوار اماں چچا کی روح سے جاتی ہوں شرمسار
کچھ ہو سکا نہ مجھ سے وہ مجھ پر ہوئے نثار دنیا میں جب ہلالِ محرم ہو آشکار
میری طرف سے فاتحہ سقے کا دیجیو
ہشتم کو حاضری مرے سقے کی کیجیو

یہ کہہ کے سر جھکا دیا پیش سرِ پدر اور بولی ہے تو نائب مشکل کشا کا سر
اے سر تو میری موت کی سختی کو سہل کر آئی ندا کھڑے ہیں علی بھی سرہانے پر
سر کی جبیں پہ اپنی جبیں دھر کے رہ گئی
کلمہ پڑھا بلائیں لیں اور مر کے رہ گئی

جب گل ہوا چراغ حرم ملک شام میں یعنی سکینہ مرگئی یاد امام میں
دیکھے ستم یزید کے دربار عام میں شہ کے سلام کو گئی دارالسلام میں
دنیا میں داد رس نہ ملا داد خواہ کو
جاکر نشان طمانچوں کے دکھلائے شاہ کو

غل پڑگیا حسین کی عاشق نے کی قضا بانو نے نبض دیکھی تو پایا نہ دم ذرا
چلائی صدقے جاؤں مجھے دے گئیں دغا اپنی کہی نہ میری سنی آہ کیا کیا
اصغر کو کچھ پیام بھی میں نے دیا نہیں
تم چل بسیں اور اماں نے رخصت کیا نہیں

باپ کی پیاری ماں کی دلاری زباں تو کھول لاتی ہوں شربت اے میری پیاسی دہاں تو کھول
ماں رو رہی ہے دیدۂ گوہر نشاں تو کھول مہماں بند ہے گلے سے نہ جا ریسماں کو تو کھول
دادی گوندھیں گی آؤ کہ زلفیں سنوار دوں
بی بی کا یہ پھٹا ہوا کرتا اتار دوں

اصغر کی بھولی باتیں سناؤ نثار ماں   اکبر کا ذکر کرکے رُلاؤ نثار ماں
سیلی کا نیل ہم کو دکھاؤں نثار ماں   بابا کو جاکے گھر پہ بلاؤ نثار ماں
ماتم کے غلغلے ہیں نہ رونے کے جوش ہیں
بی بی جواب خموش ہیں تو سب خموش ہیں

منھ ڈھانپنے کا وقت ہے پچھلا پہر ہوا   بابا کو تیرے روتی ہوں میں منھ چھپا چھپا
کرتے سے منھ کو ڈھانپ کے پہلو میں بیٹھ جا   ماں صدقے کیوں خموش ہے آواز تو سنا
ماتم سرا یہ گھر تھا ترے بین کرنے سے
زنداں سونا ہوگیا بی بی کے مرنے سے

یاں کس کے پاس رہتیں شہ کربلا نہیں   بی بی کے ناز اٹھانے کے خاطر چچا نہیں
نادار ماں ہے پانی نہیں اور غذا نہیں   پر اب کفن کے واسطے ہے ہے ردا نہیں
اماں کے پاس رہنے کی ایذا اٹھا چکیں
بی بی طمانچے شمر ستمگر کے کھا چکیں

تم نے جو شام کو مرے زانو پہ سر دھرا   میں سمجھی تھی کہ کان کا کچھ درد کم ہوا
آتی ہے آج سونے کو خود میری مہ لقا   اس درد لا علاج کی مجھ کو خبر تھی کیا
آباد گود کی تھی مری خالی کرنے کو
کیوں بی بی آج سوئیں مرے پاس مرنے کو

در پیش تھی جو بی بی کو ملکِ عدم کی راہ   پیار اس سبب سے ماں کا زیادہ ہوا تھا آہ
کہتی تھی مجھ سے شام کو ہوجاؤ گی تباہ   باور نہ مجھ کو آتا تھا اے نور چشم شاہ
مجھ سی رفیق بیٹی مری آہ چھٹ گئی
بچی تھیں تم میں لٹ گئی واللہ لٹ گئی

اکبر جدا نہ ہوتے تھے بابا سے ایک دم   اصغر سے اور تم سے بہلتا تھا میرا غم
اب نا امید ہوگئے دونوں طرف سے ہم   غمدیدہ میرے دکھ کی صدا کھائیں گے قسم

تقدیر کیسی ہوگئی مجھ خستہ حال کی
ششماہے وہ گذر گئے تم چار سال کی

بانو کے بین سن کے حرم روئے بے شمار سن کر یہ غل پکارا یزید ستم شعار
بھجوایا شہ کا سر بھی اور ان کو نہیں قرار آئی خبر کہ باپ پہ بیٹی ہوئی نثار
ایسی کسی کی موت نہ ہوگی زمانے میں
سیدانی بے کفن ہے پڑی قیدخانے میں

اس بیکسی پہ رویا یزید اور یہ کہا جا کر کہو حرم سے کہ اے آل مصطفا
احساں سے میرے اب نہ کرو غیرت وحیا سامان مجھ سے لے لو سکینہ کے دفن کا
پردے میں شب کے سونپ دو اس نیک ذات کو
دادی کی طرح دفن ہو پوتی بھی رات کو

آئے کئی ملازم حاکم سوئے حرم حاکم نے جو کہا تھا سنایا وہ یک قلم
زینب پکاری آل رسول خدا ہیں ہم غیرت ہمارے ساتھ ہے غیرت کے ساتھ ہم
عرصہ جو اس کے دفن میں ہوگا تو کیا ہوا
بے گور باپ بھی تو ہے رن میں پڑا ہوا

مردے کا پردہ کرتا ہے اب بانی جفا لاش اُس کی دفن رات کو ہو اِس سے فائدہ
اٹھ جائے گی غریب کی میت کو اُٹھنا کیا پروائے شامیانہ زریں نہیں ذرا
خیرات کو نہ لعل نہ یاقوت چاہیے
ننھی سی قبر چھوٹا سا تابوت چاہیے

اب تو بڑا سلوک یہ ہے قیدیوں کے ساتھ آیا ہے لوٹ میں جو ہمارا تبرکات
بھجوادے اس میں سے علم شاہ نیک ذات اور وہ ردا کہ اوڑھی تھی زہرا نے تا وفات
زنداں سے اپنے گھر جو سکینہ روانہ ہو
بس وہ ردا کفن ہو علم شامیانہ ہو

جب یہ پیام حاکم بے رحم نے سُنا اسباب اس نے بھیج دیا اہلبیت کا
سادات میں دوبارہ قیامت ہوئی بپا کفنا کے مردہ ننھے سے تابوت میں رکھا
زنجیریں پہنے اہل حرم اُٹھ کھڑے ہوئے
میت کے گرد آن کے چھوٹے بڑے ہوئے

کبرا نے منہ کو ڈال کے تابوت میں کہا بھینا وطن کو جاتے ہو یا سوئے کربلا
روکر پکاری بانو کہ اے آل مصطفاً بتلا دو حادثہ یہ نیا مجھ پہ ہے پڑا
بالیں پہ یا کہ پائینتی کو خاک اڑاتی ہے
ماں کس طرح سے بیٹی کی میت اٹھاتی ہے

آئی ندا سرہانے تو سر ننگے ہیں رسول اور پائینتی کو بال کھلے روتی ہیں بتول
ہیں راس و چپ علی وحسن ششدر وملول کرو بیاں عرش کا ہے اس جگہ نزول
پھرتی ہے گرد روح شہیدان کربلا
قبر اس کی صاف کرتا ہے مہماں کربلا

اس طرح اس جنازے کو لے کر چلے حرم مانند شامیانے کے کھولے ہوئے علم
جب مقبرے میں شام کے پہنچے اسیر غم اور قبر میں وہ مردہ اُتار بچشم نم
بالائے قبر اہل حرم روئے شور سے
آواز آئی بچے کے رونے کی گور سے

جھک جھک کے دیکھا بیبوں نے تو یہ نظر پڑا اصغر کو گود میں لیے ہیں سرور ہدا
اصغر ہے ان کی گود میں خواہر کو رورہا زینب نے لے کے مردے کو ہاتھوں پہ یہ کہا
اپنی نشانی دختر خیبر شکن سے لو
لو بھائی جان اپنی امانت بہن سے لو

بیٹی کو تو بلایا مجھے کب بلاؤ گے یا اور کچھ دنوں مجھے در در پھراؤ گے
کیا اک مجھے کو سب کے عزا میں رلاؤ گے بیوارثی بہن کو نہ کیا تم چھڑاؤ گے

آئی ندا کہ قید کی مدت گذر چکی
اب مخلصی ہے مرنا تھا جس کو وہ مرچکی
یہ سن کے بانو گر پڑی غش کھا کے ایک جا اور سب نے دفن میت معصوم کو کیا
بانو کو ہوش آیا تو وہ دیکھتی ہے کیا پانی سے تر بتر ہے مزار ایک ننھا سا
بجلی قلق کی صبر کے خرمن پہ گر پڑی
بسمل کی طرح دوڑ کے مدفن پہ گر پڑی
بولی لپٹ لپٹ کے لحد سے دوہائی ہے ہے ہے یہ میری چار برس کی کمائی ہے
کس بے وطن کو ہائے یہ منزل خوش آئی ہے ہے ہے یہ قبر ننھی سی کس کی بنائی ہے
مجھ سے نہ پوچھا قبر پہ تختے بچھا دیے
کس نے یہ خاک میں مرے ارماں ملا دیے
سونے کی تھی زمین پہ نہ عادت سکینہ کو کچھ قبر میں بچھا دیا ہے بولو صاحبو
سر رکھ کے پھر لحد پہ کہا ماں نثار ہو سوتی ہو یا کہ روتی ہو بی بی جواب دو
اس قہر سے چھٹیں کہ جہاں سے چلی گئیں
دادی کے پاس روٹھ کے ماں سے چلی گئیں
بی بی کے بھولے پن کی میں دانست پر فدا نے کعبہ نے نجف نہ مدینہ نہ کربلا
سونے کو یہ مقام پسند آپ نے کیا اب تو بھلا قریب ہوں میں غم کی مبتلا
پھر کیا کروں گی چھٹ کے جو یثرب کو جاؤں گی
آئی ندائے فاطمہؑ میں روز آؤں گی
ناگاہ آکے شمر نے غصہ سے یہ کہا اب قید خانے کو چلو اے آل مصطفا
بس رو چکے مزار سکینہ بھی بن چکا زینب پکاری جبر نہ کر بہر کبریا
جائیں کہاں حواس ہمارے بجا نہیں
مرقد پہ فاتحہ بھی ابھی تو پڑھا نہیں

وہ بولا میں یہ عذر نہ مانوں گا زینہار　　اُٹھو تو اُٹھو ورنہ سزا دوں گا بے شمار
لے کر بلائیں قبر کی بولی وہ دلفگار　　جس بات کا تھا خوف وہی اب ہے روبکار
یاں شمر رہنے دیتا نہیں مجھ اسیر کو
لو بی بی تم کو سونپا جناب امیرؑ کو

تم کو تمھاری قبر کو اللہ کی پناہ　　پھر آؤں گی اگر مجھے آنا ملے گا آہ
یہ کہہ کے قیدخانے کی لی مقبری سے راہ　　بس اے دبیرؔ بس کہ مرا حال ہے تباہ
یوں ملتجی حضور خدا و رسول ہو
یہ مرثیہ بحق سکینہؑ قبول ہو

○

کتابیات

آبِ حیات، مولانا محمد حسین آزاد، رام نرائن بینی مادھو، الٰہ آباد، 1962

ابواب المصائب، مرزا سلامت علی دبیر، مطبع یوسفی، دہلی، 1876

اُسلوب، عابد علی عابد، اسرارِ کریمی پریس، الٰہ آباد، 1976

اُردو مرثیے میں مرزا دبیر کا مقام، ڈاکٹر مظفر حسن ملک، مقبول اکیڈمی، لاہور، 1976

انیس شناسی، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، گلوب آفسٹ پریس، دہلی، 1981

اردو مرثیے کا ارتقا، ڈاکٹر مسیح الزماں، دتی پرنٹنگ پریس، الٰہ آباد، 1969

اردو رباعی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، مطبوعہ کراچی، 1962

انتخابِ مراثیِ دبیر، رام نرائن، الٰہ آباد، 1962

المیزان، سید نظیر الحسن رضوی فوق، مطبع فیض عام، علی گڑھ، 1916

انتخابِ مراثی دبیر، ڈاکٹر اکبر حیدری، اُتر پردیش اردو اکیڈمی، لکھنؤ، 1980

اردو مرثیے کے پانچ سو سال، عبدالرؤف عروج، کراچی، 1961

باقیاتِ دبیر، ڈاکٹر اکبر حیدری، مرزا پبلشرز، حسن آباد، سری نگر، 1994

پیمبرانِ سخن، شاد عظیم آبادی، لاہور، 1974

تفہیم البلاغت، وہاب اشرفی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1992

تلاشِ دبیر، کاظم علی خاں، لکھنؤ، 1979

دبستانِ دبیر، ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، 1966

دربارِ حسین، افضل حسین ثابت لکھنوی، مطبع اثنا عشری، دہلی، 1338ھ

حیاتِ دبیر حصہ اول، افضل حسین ثابت لکھنوی، مطبع سیوک سٹیم پریس، لاہور، 1913

حیاتِ دبیر حصہ دوم، افضل حسین ثابت لکھنوی، مطبع سیوک سٹیم پریس، لاہور، 1915

دفترِ ماتم، جلد اول تا جلد بستم، دبیر، مطبع احمدی، لکھنؤ، 1896، 1897

دفترِ دبیر، ڈاکٹر ہلال نقوی، محمدی ایجوکیشنل پبلشرز، کراچی، 1995

رزم نامۂ دبیر، سرفراز حسین خبیر لکھنوی، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، 1954

رزم نگارانِ کربلا، ڈاکٹر سید صفدر حسین صفدر، ندرت پرنٹرز، لاہور، 1977

رباعیات دبیر، مرتب سید سرفراز حسین خبیر لکھنوی، نظامی پریس، لکھنؤ، 1952

اردو رباعیات، ڈاکٹر سلام سندیلوی، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، 1962

سبع مثانی، مرتب سید سرفراز حسین خبیر لکھنوی، نظامی پریس، لکھنؤ، 1349ھ

'رسالہ سرفراز' لکھنؤ دبیر نمبر، مرتب کاظم علی خاں، سرفراز قومی پریس، لکھنؤ، 1975

شعارِ دبیر، مرتب مہذب لکھنوی، یونائیٹڈ پریس، لکھنؤ، 1951

شاعرِ اعظم مرزا دبیر، پروفیسر اکبر حیدری، اردو پبلشرز، لکھنؤ، 1976

شمس الضحیٰ، مولوی صفدر حسین، مطبع اثنا عشری، دہلی، 1298ھ

ماہنامہ 'کتاب نما' دبیر نمبر، مرتب عبدالقوی دسنوی، مکتبۂ جامعہ، نئی دہلی، 1975

کاشف الحقائق جلد اول، امداد امام اثر، مطبع اسٹار آف انڈیا، 1897

کاشف الحقائق جلد اول، امداد امام اثر، مکتبۂ معین الادب، لاہور، 1956

فسانۂ عجائب، رجب علی بیگ سرور، سنگم پبلشرز، الہ آباد، 1969

مرزا دبیر اور ان کی مرثیہ نگاری، ڈاکٹر نفیس فاطمہ، لیتھو پریس، پٹنہ، 1987

مراثیِ دبیر جلد اول، مرزا دبیر، نول کشور پریس، لکھنؤ، 1875

مراثیِ دبیر جلد دوم، مرزا دبیر، نول کشور پریس، لکھنؤ، 1875

ماہِ کامل، مہذب لکھنوی، سرفراز قومی پریس، لکھنؤ، 1961

مرزا دبیر کی مرثیہ نگاری، ایس اے صدیقی، راحت پریس، دیوبند، 1980
مرزا سلامت علی دبیر، ڈاکٹر محمد زماں آزردہ، مرزا پبلشرز، حسن آباد، سری نگر، 1985
ماہِ نو، راولپنڈی، دبیر نمبر، مدیر فضل قدیر، راولپنڈی، 1975
موازنۂ انیس و دبیر از شبلی نعمانی، ڈاکٹر فضل امام، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1988
نادراتِ مرزا دبیر، ڈاکٹر صفدر حسین، چمن بک ڈپو، دہلی، 1977
واقعاتِ انیس، سید مہدی حسن احسن لکھنوی، مطبع اصح المطابع، لکھنؤ، 1908
یادگارِ انیس، میر احمد علوی، سرفراز پریس، لکھنؤ، 1957

مرزا سلامت علی دبیر (1875-1803) کا شمار اردو کے ممتاز شاعروں میں ہوتا ہے۔ اردو اور فارسی میں ان کی کئی کتابیں یادگار ہیں۔ انھوں نے نثری کتاب 'ابواب المصائب' کے علاوہ شاعری کی ہر ہیئت اور صنف یعنی غزل، نظم، قصیدہ، مثنوی، قطعہ، مخمس، مسدس، تاریخ، رباعی، سلام، مرثیہ، شہر آشوب اور تضمین میں کمال فن کا ثبوت دیا۔ لیکن بحیثیت مرثیہ گو انھوں نے بہت شہرت پائی۔ اردو میں سب سے زیادہ شعر بھی انھوں نے کہے۔

زیرنظر کتاب میں دبیر کے پندرہ مراثی، پندرہ سلام اور تیس رباعیات کے ساتھ ان کی حیات اور فن کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا مقدمہ معروف محقق، نقاد اور شاعر ڈاکٹر سید تقی عابدی نے لکھا ہے اور دبیر کے مرثیوں کا جامع انتخاب بھی کیا ہے۔ اب تک ان کی چالیس سے زائد تصانیف مشاہیر ادب پر شائع ہو چکی ہیں جن میں انیس و دبیر اور رثائی ادب، نیز اقبال اور فیض پر دو درجن سے زیادہ کتابیں شامل ہیں۔ انھیں متعدد ادبی انعامات و اعزازات سے بھی نوازا جا چکا ہے۔

ISBN 978-81-260-4167-1
9788126041671

Intekhab-e Marasi-e Dabir (*Urdu*)

₹ 180

ساہتیہ اکادمی